ابنِ انشا

دُنیا گول ہے

سفرنامہ

ترتیب

فلپائن

جانا ہمارا فلپائن ا ور ڈرنا بات بات پر۱۵

ہم نے اپنے پر کرفیو لگالیا ،۱۸

جیب کٹوانے کے لئے ہوٹل سے

باہر جانے کی ضرورت نہیں ،۲۳

ذکر جیپنی کی سواری کا ،۲۹

متفرقات مینلا ،۳۵

انڈونیشا

ایرو فلورٹ کی سواری ،۴۴

ہم نے بارہ سو روپے کا کھانا کھایا ،۴۹

ایک دن بندونگ میں،۵۶

باتیں اس کی یاد رہیں ،۶۳

متفرقات انڈونیشیا ،۷۲

سنگا پور

سنگاپور میں قدم رنجہ ،۷۹

۱۹٦۷ء

جو ہور اور واپسی ، ۸۴

ملائیشیا کراچی سے کوالا لمپور تک ،۹۱
سنگا پور پھر وہی گلیاں پھروہی ہم،۹۵
۱۹۶۸ء تماشا گزری کا ،۹۹

بنکاک ہائے راما کہاں آگئے،۱۰۴
۱۹۶۸ء

ہانگ کانگ بعث چین کا نظرہو ،۱۱۰
۱۹۶۶ء نمبر۹۷کی تلاش میں، ۱۱۷

افغانستان ایک سفر نامہ جو کہیں کا بھی نہیں ہے ۱۱۵
۱۹۶۶ء ہا ں کابل میں گدھے ہوتے ہیں ، ۱۲۹
ریلوے،کونسی ریلوے ؟ ۱۳۶
ست سری اکال ،۱۴۳
آ غا گپ بزیند ، ۱۴۸
متفر قات کا بل ،۱۵۲
ایران اک ذراتہران تک ، ۱۵۹
۱۹۶۸ء شب جائے کہ من بو دم ، ۱۶۴
کہ اہل درد کو پنجابیوں نےلوٹ لیا ،۱۶۸

ڈاک ،لسی ،قیلولہ ، ۱۷۲

ترکی بیروت کی ایک رات ، ۱۷۸

۱۹۶۸ء ازدرم واز یاران ردم ، ۱۸۴

احوال آفاق میاں کے گھر کا ، ۱۸۷

۱۹۶۸ء کا سفر

سنگا پور کیا دنیا واقعی گول ہے ؟ ۱۹۵

ذکر چینی ا ور خوبان چینی ،

بوری ا ور باری کا ، ۱۹۹

ہانگ کانگ تری گھڑی کولا گا چوررے ،۲۰۵

ہانگ کانگ کے سوٹ بنانے والے ، ۲۱۰

جاپان ایک خط چڑھتے سورج کی دھرتی سے ،۲۱۶

جاپان میں چار دن ،۲۱۹

انگریزی کے بغیر ترقی کرنے کا کیا فائدہ ؟ ۲۲۴

کوریا آری گا تو سے خمسہ حمیدہ تک ، ۲۲۸

ہوائی ہم دنیا کے دوسری طرف جا نکلے ، ۲۳۳

الوہا ہیا مسافر الوہا ، ۲۳۹

سام فرانسسکو
ہم نے امریکہ کو ، امریکہ نے
ہمیں دریافت کرنا شروع کردیا ، ۲۴۴
ہا ں عشرتوں کا شہر ہے اور ہم ہیں دوستو ۲۴۹
قصہ بریگیڈیر صاحب کی جادوشراب کا ، ۲۵۳

۱۹۷۰ء کا سفر

لندن
آوارہ گرد ڈائری ، ۲۶۱
لندن میں ہرے رام وغیرہ ، ۲۶۸
موم بتی کی تلاش میں ، ۲۷۲
حکیم جی لندن بھی پہنچ گئے ، ۲۷۷
متفرقات لندن ، ۲۸۱
شرلک ہو مز کے کوچے میں ،۲۸۶
گلفام کو مل گئی سبز پری ، ۲۹۱
ذکر برٹن صاحب کا ، ۲۹۶

پیرس
لندن کو ٹا ٹا ، ۳۰۴
پیرس بھی کوئی شہر ہے ،۳۰۸
فرانسیوں میں یہ بڑی خرابی ہے کہ ، ۳۱۱
یونیکسو کی گیلری سے ، ۳۱۷

آوارہ تر بادا

ہماری آوارہ گرد کی ڈائری ہماری اپنی ذات کے برعکس خاصی مقبول ثابت ہوئی پانچ مہینے میں پہلا ایڈیشن نکل گیا اس کا اثر مختلف لوگوں پر مخت؛لف ہوابعضوں نےاسے پڑھتے ہی رختِ سفر باندھا ٹکٹ کٹایا بیوی بچوں کی بلائیں لیں ا ور آنسو پی کر یورپ روانہ ہوگئے کہ ادوائن کی رسی سے کھلنے واقلے ہوٹلوں اور ا ن کے حمام بادگرد غسل خانوں کی زیارت کریں بعضوں نے کہ کہ تھوڑے دل والے تھے اورمہم آزمائی کا حوصلہ نہیں رکھتے تھےاپنا لپٹا ہوا بسترکھول دیا کہاگر پردیس میں یہی کچھ ہوتا ہے توہم سیاحت سےبھر پائے حتی کہ بعض ٹریول ایجنسیوں کے کاروبار پر زد بھی پڑی ا ور انھوں نے مطالبہ کیا کہاس کتاب پر پابندی لگائی جائے بیرونی ممالک میں جن ہوٹلوں ا ورشہروں کا ازالہ حیژیت عرفی ہمارے قلم سے ہوا انھوں نےبھی احتجاج کیا ا ور مطالبہ کیاکہ مصنف کو کوئی ا ور سزا نہیں دی جاتی تو کم ازکم اتنا کیا جائے کہ اس کتاب کا کسی مہذب یعنی یورپ کی کسی زبان میںؒ ترجمہ نہ چھپنے دیا جائے چونکہ یوں بھی کوئی مترجم اسے کسی زناب میں ترجمہ کرنے اورکوئی پبلیشر اسے چھاپنےکوتیار نہ ہورہا تھا لہذاہمیںؒ یہمطالبہ مانئے میں زیادہ وقت نہ ہوئی خود ہم نے اپنی تمام کتابوں کےحقوق ترجمہ جو اپنے حق میں محفوظ رکھے ہیں ا ور کسی کو ترجمہ کرنے یا چھاپنے کی اجازت نہیں دیتے تو اس میں بھی ایک حکمت ہمارے چین کے سفر نامے کی شہرت سن کر خان صاحب یعنی ہمارے وفد کے لیڈر پرنسپل ابراہیم خاں ڈھاکے سے فرمائش ہی کرتے رہ گئے کہ ہمیں بھی دکھاؤ تم نے ہمارے بارے میں کیالکھا ہے چونکہ دیرینہ اورمخلصانہ تعلقات کو ختم کرنا موصود نہ تھا لہذاہم نے انھیں بتایا کہایڈیشن ہاتھوں ہاتھ ختم ہوگیا آئندہ ایڈیشن کی سب سے پہلی جلدآپ کی نزرکی جائے گی پوچھئےتوہم بین اللسانی

ترجموں کے اصولی طور پرخلاف ہیں خود پرنسپل ابراہیم خاں نے جواسی سفرکا سفرنامہ بنگلہ میں لکھا تھا اس ایک حصہ ہم نے پڑھواکر سنا ہمارے اخلاق ا ورشرافت اور عالی دماغی کی بہت تعریف کی گئی تھی اور آخر میں لکھا تھا کہ ابن انشا صاحب کی رحریر بڑی پرلطف ہوتی ہے ا ن کو بلاشب اردوکاملادوپیازہ کہا جاسکتا ہے یہ زریں رائے کسی اردو والے کے ہاتھ لگ جائی تو۔۔۔۔۔۔

جب ہم دنیا کے گردسفر پر روانہ ہوئے تو ہمیں معلوم تھا کہ دنیا گول ہے اس لئے ہمارے سرورق کے آرٹسٹ کی طرح ہمیں بھی اندیشہ تھا کہ کہیں اپنے بستر اور سوٹ کیس سمیت الٹے خلا میں نہ گر جائیں ہمیں اپنی فکر تو کم تھی کیونکہ ہم تو گرتے ہی رہتے ہیں سامان کا خیال زیادہ تھا غنیمت ہے کہ سلامتی سے واپسی آگئے قاعدے سے صرف اس ایک سفر کی رودود پر بھی دنیا گول ہے کا سرنامہ لگ سکتا تھا لیکن کچھ فالتو سفر بھی ہم نے کررکھے تھے وہ بھی اس میں ملا دیئے یوں تو ہماری آوارگی ہمارے ۱۹۶۱ء کے سفریورپ سے شروع ہوتی ہے ا ور۱۹۶۳ء میں ہم ایران سے فارسی بولتے اور۱۹۶۴ء میں لنکا سے وہاں کی ملاحت باتوں پرجان چھڑکتے لوٹے تھے لیکن ۱۹۶۶ء ۱۹۶۷ء اور ۱۹۶۸ء ہمارے لئے سیاحت کے بھرپور سال تھے پورب اور پچھّم ہماری وحشت کا صحرا تھے انھی سالوں میں ہمارے دوستوں نے بھی مشہور کیا تھا کہ پاکستان تو ہم کبھی کبھی آتے ہیں وہ بھی صرف حجامت کرانے اور کپڑے دھلوانے کے لئے کیونکہ دوسرے ملکوں میں ان کاموں کی اجرت زیادہ ہے۔

۱۹۸۸ء میں ہمارا پہلا سفرچین کا تھاچین اپنی ذات سے ایک دنیا ہے اگر چہ اتنی زیادہ گول نہیں ہے اس کی روداد سے ہم شتابی سے فارغ ہوئے بلکہ چکیے ہوتو چین کو چلئے کا چوتھا ایڈیشن حال ہی میں آیا ہے اس سفر میں تنہا نہ تھے ادیبوں سے ہے چین سے لوٹے تو مئی ۱۹۶۶ء میں جاپان روانہ ہوگئے

جو کوئے یار سے نکلے تو سوئے دور چلےبس ایک ہفتے کا فصل بیچ میں رہا ہوگا جاپان یونیکسو کے مہمان تھے اس سفرکا ٹوکیو کا باب تو اس سفرنامے میں شامل لیکن ہانگ کانگ کا احوال ضرور شامل ہے۔

۱۹۶۷ء ہی کی جولائی میں ہم نے انقرہ کی ایک کانفرنس میں ملک کی طرف سے شرکت کی اور اسی سال کے ستمبر میں ہمارا تین ماہ کا تربیتی دورہ ہمیں یورپ ا ور مشرق وسطی لے گیاجس کی رعداد آوارہ گردکی ڈائری میں آئی ہے ۱۹۶۸ء کے اپریل میں ہم کوالالمپور میں دیکھئے گئے ستمبر میں یونیکسو کے ایک جلسے کے لئے سنگاپور میں تھےا ور نومبر میں سچ مچ دنیا کی گولائی ناپنے پرنکل گئے اس سفرنامے میں اس کی داستان ادھوری ہے سان فرانسیکو پر ختم ہوجاتی ہےحالانکہ اس کے بعد کئی پڑاوٗ پڑے شگاگو ،سینٹ لوئی،واشنگٹن اور نیویارک اور وہاں سے زقند بہ زقند سویڈن اورترکی۔۔ترکی میں اب کے انقرہ کے علاوہ مولانا روم کے شہر قونیہ کی زیارت کا بھی موقع ملااور ہم نے درویشیوںؒ کا روتی رقص بھی دیکھا۔

اس سفرکی داستان ادھوری کیوں رہی یہ بھی سب لیجیئے ہم ابھی کراچی سے چل کر سنگا پقر پہنچے تھے کہ صدر ایوب خاں کا راج سنگھا سن ڈانوڈول ہونے کی خبریں آنے لگیں ،جلسے،جلوس،ہڑتالیں ، مظاہرے وغیرہ۔۔ ہمارے امریکہ پہنچنے تک ان میں ایسی شدت پیدا ہوئی کہ ہمارے رفیق سفر فضل الباری صاحب کی بھوک اڑگئی کہ وہ باقاعدہ صاحب فراش ہوگئے وہ مشرق پاکستان کے وزیرِصحت تھے ان کا کہنا تھا کہ ایوب خاں نہیں رہے رہے گاتو منؑم خاں بھی نہیں رہے گا ا ورمنعم خاں نہیں رہے گاتو ہم بھی نہیں رہےگا تومنعم خاں بھی نہیں نہیں رہے گا ہمارا بھی منسڑی جائے گادودھ پیتے اور فریاد کرتے تھے فریاد کرتے تھےاوردودھ پیتے تھےلندن پہنچنے تک ان کا مورال اتنا گر چکا تھا کہ ہم سے دعاسلام کئے بغیر دھاکے جانے والے جہاز میں بیٹھ گئے اور واقعی ویاں جاتے ہی گدی سے اتر گئے۔

سان فرانسیکوتک تو ہم لکھ لکھ چٹھیاں درواں دیاں بھیجتے رہے پھر سوچا کہ اس غوغا آرائی میں ہمارے قصےکون سنےگا کیوں سنے گا بس ہم نے بھی آہ آہ نہ کی ہم بھی چپ رہے ہماری طبیعت

کا قاعدہ یہ ہے کہ جوفیالفور لکھ لیں سو لکھ لیں جس کو کل پر ٹالا رہ خود ہی پرسوں پر ٹل گیا خیر میاں آزاد۔جو بندھ گیا موتی ہے جو رہ گیا وہی بہت ہے بلکہ سے زیادہ بھی ہے۔

یکم جون ۱۹۷۲ء ابن انشا

فلپائن

۱۹۶۷ء

جانا ہمارا فلپائن اور ڈرنا بات بات پر

اگر کسی مسافر کی کوئی نقدی یا کوئی قیمتی چیز یا دستا ویزات وغیرہ ہوٹل کےکمرے سےگم ہوجائیں تو ہوٹل ہذا قطعی ذمہ دار نہ ہوگا مہمانان عزیز کو خبر دار کیا جاتا ہےکہ خواہ چند لمحے کے لئےبھی کمرے سے باہر جائیں کمرے میں کوئی قیمتی چیز نہ چھوڑیں اور دروازہ مقفل کر کے باہرنکلیں رات کوکمرےمیں سوتے وقت دروازےکی دوہری چٹخنیاں بھیضرور چڑھالیں ہوٹل ہذا کسیمسافرکےکمرےمیں صنف مخالف کے کسیرکن کا آنا مستحن نہیں سمجھتا اگرکوئی معزز میمان کمرےکے بیرے یا ہوٹل کے اسٹاف کے کسیاوررکن سےملا کرکچھ کرلےتو ہوٹل خودکو بریالزمہ سمجھے گا ہم اپنے میمان عزیز کو یقین دلاتے ہیں کہ ہم اس کی ایسی خدمت کریں گے کہوہ ساری عمر یادرکھے گا۔

یہ اس ہوٹل کے کمرے میں لٹکے ہوئے نوٹس کی نقل مطابق اصل ہے ہر چندکہ یہ ہوٹل یہاں کے قابل اعتبار ترین اورمعزز ہوٹلوں میں گنا جاتا ہے تا ہم میمان کے جان و مال سلامتی کی گارنٹی دنیا دور اندیشی لکے خلاف سمجھتا ہے لہذا اس وقت بھی جب کہ رات کے ۱۱ بجے یہ ہم سطور لکھ رہے ہیں کمرے کی نہ صرف دونوں چٹخنیاں لگی ہوئی ہیں بلکہ لکھنے کی میز دروازے سے بھڑا کر اپنا سوٹ کیس اس پر رکھ دیا ہے شام کے جھٹ پٹے کے وقت کھڑکی کے پیچھے ایک چہرہ نظر آیا تھا ہم نے کھڑکی کھول کر موصوف سے کہا کہ اے جان قیس تیرا ارادہ کدھر ہے آج بالا آپ کی کھڑکی کے شیشے صاف کرنا چاہتا تھا ہم نے کہا کر لو لیکن صرف شیشے صاف کرنا بالا مجھے نہیں معلوم تھا آپ کمرے میں آرام کر رہے ہیں پھر کسی وقت آ کر کرلوں گا روم بوائے سے ہم نے ۹ بجے ہی کہہ دیا تھا کہ کھانا کھا چکے ،چائے ہم پی چکے اب ہم آرام کریں گے تم بھی آرام کرو پھر بھی دوبارہ دروازہ کھٹکھٹایا کر پوچھ چکا ہے کہ اورکوئی خدمت سوچنے کی بات ہے منیلا کہ ہوٹل والے غریب الوطن مسافروں کے آرام و آسائش کے بارے میں کتنے فکرمند رہتے ہیں اللہ انھیں جزائے خیر دے کابل کے ہوٹل کا روم بوائے تو ایسا استغفار کا مارا ہواتھا کہ آواز دینے پر بھی نہ آتا تھا اس نے پوچھ لیا تھا کہ صاحب کب اورکس روز جائے گا بس اس روز وقت نکال کر بخشیش لینے ضرور آ گیا تھا۔

جب بھی ہم کہیں سفر کا اختیار کرتے ہیں لوگ طرح طرح کے معاملے میں ہمیں سردی سے ڈرایا گیا تھا منیلا کے بارے میں سردی کا عذر نہیں چل سکتا تھا کیونکہ یہاں بارہ مہینے گرمی رہتی ہے لہذا چوری چکاری کا ذکر لے بیٹھے کراچی میں ہمارے ایک جرمن دوست ہیں اکثر سفر کرتے رہتے ہیں ہم ان سے شیرواد چاہی تو بولے منیلا ۔۔میاں اخبار پڑھا ہے اس وقت جرائم کے معاملے میں سب سے آگے نکلا ہوا ہے سائیگون اور نیو پارک سے بھی

جی پڑھا ہے

پھر مت جاؤ

جانا ضروری ہے

وہاں چوری ضرور ہوتی ہے جیب ضرور کٹتی ہے اپنے ساتھ کوئی رقم رقم لے کر مت جانا جی اچھا۔۔۔

ٹیکسی والے بڑے بدمعاش ہیں ایئر پورٹ سے ٹیکسی میں بیٹھو تو رستے میں گھما کر کسی ویران علاقے میں لے جاتے ہیں مسافر کو ا ٹھا کر باہر پھینک دیتے ہیں اور سوٹ کیس لے کر غائب ہو جاتے ہیں لہذا اپنے ساتھ سوٹ کیس نہ لے جا نا۔

جی بہت مناسب ،

میرے ایکی دوست کے تو انھوں نے کپڑے بھی اتار لئے تھے،

تو کیا کپڑے بھی نہ پہن کر جاؤں ؟

بولے یہ میں نہیں کہتا ہاں سب سے بڑی قباحت یہ ہے کہ وہاں کسی آبرو محفوظ نہیں اقوام متحدہ کے دفتر کی ایک میم صاحب وہاں تنہا گئی تھیں ہم نے کہا جس قوم کی آبرو کا آپ حوالہ دے رہے ہیں اس کا ہمارے معاملے پر اطلاق نہیں ہوتا ،مصرہو کر کہنے لگے میں پھر کہتا ہوں مت جاؤ ضرور جائیں گے ہم نے کہا ہم سمجھ گئے تھے کہ یہ فرنگی آدمی ہے نہیں چاہتا کہ ہم کسی ایشیائی سے شیرو شکر ہوں کسی قسم کا تعلق قائم کریں جائز اور ناجائز کی بحث تو بعد میں آتی ہے۔

یہ اچھا ہے کہ ہمارے فلپائنی دوست بنی پایو کو ہمارا خط مل گیا تھا اس لئے وہ اپنی فرلانگبھر لمبی کار لے کر ہمیں لینے منیلا ائر پورٹ پر آئے ہوئے تھے ایک اور بزرگ بھی ایک الاقوامی ادارے کی طرف سے ہماری پیشوائی کو موجود تھے یہ قوم کے بھارتی تھے ہم نے ان کا شکر یہ ادا کیا بالے تو اچھا اپنے دوست کے ساتھ جارہے ہیں آپ ٹھیک ہے فلاں ہوٹل میں آپ کا بندوبست ہے تھوڑا مہنگا ہے لیکن نسبتا محفوظ ہے آپ ان سے کہ دیجئے کہ اقوام متحدہ کے کام سے آئے ہیں تھوڑی سی رعایت بھی شاید کر دیں

ہم نے اپنے پر کرفیو لگا لیا

بنی پایو ٹوکیو کی کانفرنس میں ہمارے ساتھ تھے یہاں ان کا بہت بڑا مطبع اور نشرد اشاعت کا کارخانہ ہے یہاں کی وائی ایم سی اے کے بھی نائب صدر یا سکتر وغیرہ ہیں منیلا کی خوبصورت خلیج کے ساتھ ساتھ عالی شان اور خوش وضع عمارتیں دیکھتے شہر کو چلے روزہ ہمارا دیگر دنوں کی طرح اتفاق سے اس روز بھی نہیں تھا لہذا خوش چہرہ اور خوش ادا حسیناؤں کے چہروں پر بھی اچٹتی اور غیر اچٹتی نظریں ڈالتے جا رہے تھے کا کہ کفران نعمت نہ ہو ہمارا ہاتھ بےخیالی میں تھوڑا کار کی کھڑکی سے باہر نکل گیا ممکن ہے کسی کی مسکراہٹ کے جواب میں ہمارے سلام کرنے کی کوشش میں ایسا ہو گیا ہو بہرحا؛ل بنی پایو صاحب نے فورا ڈانٹا کہ ہاتھ اندر کرو۔

ہم نے کہا ۔۔۔غلطی ہو گئی واقعی ایکسیڈینٹ ہونے اور ہاتھ کو گزند پہنچنے کا اندیشہ ہے کراچی میں ایک شخص نے اسی بس کی کھڑکی سے ہاتھ باہر نکالا تھا ۔۔۔۔۔۔۔۔۔

بولے اس قسم کے حادثے کی بات نہیں کر رہا یہاں کت با کمال ہاتھ مارکر گھڑی اتار لیتے ہیں چلتی کاریں جاتے مسافر کی بھی ۔

جی ہاں ہم نے اس کو بتایا کہ کراچی میں ایک جرمن ایشیائیوں سے ہمارے تعلقات خراب کرنے کے لئے یہ یہ کہہ رہا تھا۔

بولے ٹھیک کہہ رہا تھا اور دیکھو شام کو چہل قدمی کا شوق ہے تو اسے کراچی واپس جاکر پورا کرنا تمہارے ہوٹل کے آس پاس جو باغ ہے آبو ہوا تو اس کی اچھی ہے لیکن اگر اس میں کوئی تم سے بات کرنے کی کوشش کرے سگرٹ جلانے کے لئے ماچس مانگے یا دعوت گناہ و ثواب دے تو اپنا پڑھا لکھا بچار لینا وہاں تمہیں ایسے شوخ اور طنار حسین بھی نظر آئیں گے کہ تمہارا جی لوٹ جائے لیکن ان سے

میں سے بیشتر لڑکے ہیں لڑکیوں کا بھیس بنائے ہوئے ہیں ٹورسٹ کو بیکا پھسلا کر اپنے ساتھ لے جاتے ہیں اور پھر سب کچھ لوٹ کر دھکا دے دیتے ہیں ۔

ہم نے کہا پولیس تو ہوگئی لوگوں کے جان و مال کی حفاظت کے لئے ہم بے راہ ردی کے لئے احتیاطا تھوڑی سی گنجائش رکھنا چاہتے تھے ہنس کر بولے وہ ان لوگوں کے ساتھ ملی ہوئی ہے تو گویا جہاں جائے آدمی اکیلا نہ جائے کسی فلپائنی دوست کے ساتھ جائے فرمایا ایسا فلپائنی دوست کہاں ملے گا جو ہمہ وقت آپ کی مصاحبت کرے پھر بعض علاقوں میں تو شام کے بعد بھی جانے کی ہمت نہیں ہم نے کہا تم نے نے تو ہمیں ڈرایا ہم پیدل چلیں گے ہی نہیں ہمیشہ ٹیکسی میں جائیں گے۔ بولے ٹیکسی والے ہی تو ان جرائم پیشہ گردہوں کے ایجنٹ ہیں ۔۔۔یہی تو مسافروںؓ کو گھیر کر لے جاتے ہیں لہذا خواتین و حضرات ہر چند کہ ہمارا ایک ہفتہ وار یہا ں قیام ہے لیکن ہمارا منیلا کا سفرنامہ اس سے آگے چلتا نظر نہیں آتا جب ہم اپنے پر کرفیو لگا کر ہوٹل کے کمرے میں مقید ہو بیٹھیں گے تو لکھیں گے کہ اس بات پر اتنی استطاوت نہیں کہ اپنے ساتھ مسلح گارد رکھیں آج پبلک لائبریری کے نیچے برتنوں اور ریفریجریڑوں وغیرہ کی ایک نمائش میں جانے کا اتفاق ہوا دیکھا کہ وہاں بھی ہر اسٹال پر محافظ اسٹین گن لئے کھڑے ہیں شام کو ایک پاکستانی دوست نے فون پر ہمیں یاد فرمایا ہم نے کہا ہم نے کہا جناب آپ خود تشریف لاکر ہمیں ہوٹل سے اپنے ساتھ لے جائیں تو بندے کو عذر نہیں چنانچہ وہ لے گئے اچھی خاطر عاطر کی وہاں بھی انھوں نے اوران کی بیگم نے جو خاصے دنوں سے یہا ں ہیں ایسے قصے سنائے کہ ہماری گھگی جو اب تک نہ بندھی بندھ گئی۔۔ انھوں نے کچھ معزز پاکستانیوں کا قصہ سنایا کہ ٹوکیو جاتے ہوئے ایک شب کو منیلا میں ٹھر گئے تھے لمبے تکڑے جوان تھے شام کو شہر کی سیر کو نکل پڑے ایک بار نظر آئی اس میں گھس گئے بار میں رومانی فضا پیدا کرنے

کے لئے نیم تاریکی کا انتظام رہتا ہے اور پھر مسافر نوازی کے دیگر انتظامات بھی ہوتے ہیں ایک دو دو پیک کے بعد اٹھنے لگے تو ساتی دو شیزائیں گلے کا ہار ہو گئیں کہ صاحبو بھی سے کہاں جاتے ہو

روئے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد

پھر کچھ ٹھر گئے اور تماشے اہل کرم دیکھا آخر جب گیارہ بجے بر آمد ہوئے اور تھوڑی دور جا کر سو دو زیاں کا حساب لگانے کے لئے جیبوں میں ہاتھ ڈالے تو کیا دیکھتے ہیں کہ بٹوے۔۔۔۔۔۔۔۔۔

میں یہیں قارئین کرام آپ کا اندازہ غلط ہے بٹوے غئب نہیں فقط میں سے رقیمیں غائب تھیں کسی کے سو پانڈ گئے کسی کے دو سو پونڈ ہمیں خبر ملی تو چندہ کر کے ان کو زادراہ کے لئے چند ڈالر دیئے گئے یہ ہمارے دوست کچھ عرصے پیکنگ میں بھی رہتے تھے ان کا کہنا ہے کہ وہاں ہماری عادتیں خراب ہو گئی تھیں نہ کبھی سوٹ کیس بند کئے نہ گھر کو تالا کیا معنی کنڈی لگائی جب چاہو جیا ں چاہو گھوم آوَ نہ سامان کی فکر نہ بچوں کے متعلق کوئی اندیشہ یہاں چند ہی دن میں پے در پے نقصان اٹھانے کے بعد احساس ہوا کہ ہم کمیو نسٹ معاشرے میں نہیں آزاد دنیا میں ہیں اور فلپائن تو خیر سے اخلاق کے علاوہ سیاسی طور پر بھی ایسی آزاد دنیا ہے کہ ان کے مائی باوا امریکہ نے تو فقط چین ہی کو تسلیم نہیں کیا اور روس کے علاوہ چیکو سلوویکیا پولینڈ۔ہنگری۔رومانیہ۔یوگوسلاویہ وغیرہ کو بھی نہیں تا کہ انمیں سے کسی ربط ضبط کی آلائش سے آزادی کو گزنز نہ پہنچے۔

ہمارے احباب جانتے ہیں کہ ہم نے قدرت سے ایسا نرم اور گراز دل پایا ہے کہ رات کو بھوت کا کوئی قصہ سن لیں یا کہانی پڑھ لیں تو بعض ضروری حاجات کے لئے بھی بستر سے باہر نہیں نکل پاتے یہ تو پھر چوروں اور گرہ کٹوں اور بدمعاشوں کے قصے تھے بھوت پریت تو فقط ڈراتے ہیں وہ بھی ڈرنے والوں کو چاقو خنجر اور آتشیں اسلحہ کا استعمال نہیں کرتے لہذا قدرتی تھا کہ ہمارے یہ وست یہ سارے قصے بیان کرنے کے بعد ہم سے کہتے کہ اشھا اب اپنے ہوٹل جاوَ تو ہم جانے سے انکار کر دیتے ہم نے کہا

میاں خدا کا خوف کرو اس اندھیرے میں ہمیں تنہا بھیجتے ہو۔

بولے حوصلہ کرو

نشان مرد مومن با گو یم

چو مرگ آید تبسم برلب اوست

ہم نے کہا یہ وہ خوف نہیں جو اقبال کے شعروں سے دور ہوجائے لیکن خیر ہم نے غلطی کی کہ ٹیکسی ڈرائیور کا تن وتوش نہ دیکھا ٹیکسی میں تھوڑی دور جانے پر غور کیا تو چہرے پر جرم اور سیہ کاری کی لکیریں صاف نظر آئیں ٹیکسی نکالی بھی اس ویران راستے سے اور ہونٹوں پر بھی اس کے شیطنت آمیز مسکراہٹ تھی ہم نے جتنی دعائیں یاد تھیں پڑھنی شروع کیں لیکن ایک بھی پوری نہ پڑھی گئی اضطراب کے باعث بیچ ہی میں بھول جاتی تھی آخر جب اپنے ہوٹل کا چہرہ نظر آیا تو ہم نے حیات تازہ پائی میٹر میں ۵۵ سنتا دو ہوئے تھے ہم نے ایک پیسوائے دیا اور باقی ۴۵ سنتا دو کے لئے ہاتھ پھیلایا وہ ستمگر بولا کیا مطلب ٹپ نہیں دو گے ہم نے سیر چشمی سے کہا ہاں ہاں ہم بھول ہی گئے تھے بخشیش ہے اور بخشیش رکھ لو۔

جیب کٹوانے کے لئے ہوٹل سے باہر جانے کی ضرورت نہیں

پہلے ہی روز ہم نے بیرے کو صبح صبح بلایا اور کہا کہ ناشتہ لاؤ چائے مکھن توس اور انڈے ،دیکھو یہ جو تم لوگ انڈوں کے ساتھ سور کے گوشت کے قتلے وغیرہ رکھ دیتے ہو ہمیں نہیں چاہیئے سمجھے ؟

بولا فرائیڈ ے

ہم نے کہا فرائیڈ کی تخصیص نہیں ہم مسلمان ہیں یہ حرام چیز کسی دن بھی نہیں کھاتے خالی انڈے لانا سمجھے ؟ وہ پھر بو:لا ۔ فرائیڈے ،

اب ہماری سمجھ میں آیا کہ کیا کہہ رہا ہے ہم نے کہا ہا ں ہاں فرائیڈ بھاگ جاؤ جلدی لاؤ۔۔ وہ لایا انڈے بیشک دو تھے پیالیاں دو سے کچھ کم اور توس ایک کے دو کئے گئے تھے اور مکھن ۔۔ اتنا کم کہ توس تو بڑی چیز ہے کسی آدمی کو بھی لگائیں تو خوش نہ ہو البتہ بل میں اس کنجوسی کی کسر نکالی گئی تھی ساڑھے پانچ روپے خیر ہم نے اپنا زرکھایا چائے کم پی خون کے گھونٹ زیادہ پیے اور کام پر نکل گئے عجب عشق کیا ہے صبر بھی کراس میں تو یہی کچھ ہوتا ہے لیکن اپنے معیار زندگی کا اتنا بلند ہو جانا ہمیں کچھ پسند نہ آیا دوسرے روز یہ سوچ کر کہ شاید کمرے میں ناشتہ منگانے سے فرق پڑا ہوگا ہم نے نیچے ڈائینگ ہال میں جا کر انھی چیزوں ۔۔۔ کا آرڈر دیا بل آیا تو آ ٹھ روپے ہم نے کہا برادر یہ کس چیز کا بل ہے بلاؤ مینجر کو ہمیں الگ الگ بتاؤ کہ چائے کتنے کی ہے انڈے کتنے کے ہیں اور اس توس کے کیا دام ہیں کہ ذرا پنکھا تیز چلے تو اڑ جائے۔

فردا فردا تو ان کی قیمتیں ان بھلے مانسوں نے ہمیں پھر بھی نہ بتائیں یہ ان کا تجارتی راز ہوگا ہاں بل کو کم کر کے چار روپے کر دیا ہم نے گرج کر کہا پہلے آ ٹھ روپے کیوں لگائے تھے

بولے حساب جوڑنے میں غلطی ہو گئی ۔

غلطی تو انسان کا خاصہ ہے جو غلطی نہیں کرتا وہ انسان نہیں لیکن معلوم ہوا کہ ان لوگوں کو ان معنوں میں انسانیت کچھ زیادہ ہی عطا ہوئی ہے شام کو ہم نے احتیاطا پوچھا کہ ہمارے کمرے کا کیا کر ایہ ہے ہوٹل کے کائنٹر پر جو نرخنامہ لگا تھا اس کے حساب سے بیالیس روپے بنتا تھا اور ہمیں اقوام متحدہ کے نام پر جو بیس فیصدی رعایت کی بشارت دی گئی تھی وہ لگا کر چونتیس روپے سے بھی کم کم ہونے چائیں تھے اس میں ناشتہ شامل نہیں لیکن ہوٹل کے مینجر نے خندہ پیشانی سے کہا کہ جناب آپ سے کوئی زیادہ تھوڑا ہی لیں گے پچاس روپے ہے ۔

پچاس روپے اور بیس فیصدی کی رعایت کیا ہوئی بولے وہ نکال کر ہی تو پچاس روپے بنتے ہیں ورنہ تو باسٹھ روپے تھے لیکن تن نے نر خنامے میں تو کچھ اور لکھا ہے جی ہاں لیکن آپ کے کمرے میں ٹیلی ویژن بھی تو ہے تو یہ پندرہ سولہ گویا ٹیلی ویژن دیکھنے یا نہ دیکھنے کا جرمانہ ہے کیونکہ ہمیں تو اس کی فرصت ہی نہیں ہے تم نے ہمیں پہلے کیوں نہ مطلع کیا بولے بہر حال پچاس روپے ہوں گے ہم نے کہا فورا ہمیں کوئی اور کمرہ دو یا ٹیلی ویژن ا ٹھالو معلوم ہوا کہ لٹنے یا جیب کٹوانے کے لئے یہا ں ہوٹل سے باہر جانے کی غرورت نہیں یہ کام ہوٹل میں بھی ہوتا ہے اور سشنہ و خنجر کے بغیر اس کا حتمی ثبوت یوں ملا کہ ہم ایک خط گھر پوسٹ کرنا چاہتے تھے کاؤنٹر پر کہاکہ ہمیں اس کے اسٹامپ دیجئے مینجر نے کہا جسآدمی کے پاس اسٹامپ ہیں تو اس وقت نہیں ہے آپ ہمیں دے دیجئے ہم پوسٹ کرا دیں گے اور پیسے آپ کے بل میں لگا دیں گے ہم نے کہا ٹھیک کل جو ہم نے قارئین جنگ کے نام منیلا سے پہلا خط پوسٹ کرن چاہا تو پھر کاؤنٹر پر دیا پاکستان کو خط پچاس سنتا دو یعنی آدھے پیسو میں جاتا ہے بارہ آنے سمجھئے چونکہ کئی صفحے کا خط تھا لہذا ہم نے کہا کہ اس کا وزن کر کے بتاؤ کہ کتنے پیسے لگیں گے اس شخص نے کہااس کا وزن چار ریٹ ہے پچپن سنتادونی

فی ریٹ کے حساب سےدو پیسو بیس سنتا دو ہوئے ہمیں حیرت تو ہوئی لیکن خیر ان سے کہا کہ اس ٹکٹ دیجئے وہ پھر کہنے لگا اس وقت ٹکٹ والا کلرک نہیں ہے آپ فکر نہ کیجئے ہم پوسٹ کر دیں گے خط تو انھیں دے دیااور ساتھ پیسے بھی دے دیئے ایک پوسٹ کارڈ ہانگ کانگ بھیجنا تھا اس کے انھوں نے ۳۵ سنتا دو بتائے وہ بھی نذر کئے لیکن اب ہمارے دل میں یہ اندیشہ پیدا ہوا کہ جانے یہ لوگ پوسٹ کرتے بھی ہیں یا نہیں پیسوں کی بات نہیں لیکن اتنا لمبا خط ہم سے دوبارہ نہ لکھا جاتالہٰذاہم نے فیصلہ کیا کہ بڑے ڈاک خانے میں جا کر خود پوسٹ کریں گے بڑےڈاک خانے والوں نے وزن کیا تو کہا دو ریٹ وزن ہے جناب ایک پیسو لگے گا ہم نے کہا پھر وزن کیجئے چار ریٹ تو نہیں ہے انھوں نے کہا جی نہیں دو ہےایک پیسوہی لگے گا اور کارڈ ؟

کارڈ پر تیس سنتا دو ،

ہوٹل نہ ہوا مسافروں کی مومیائی نکالنے کا کارخانہ ہوگیا یہ سچ ہے کہ مسافروں کی جیبیں کے ہوٹلو ں میں بھی کاٹی جاتی ہیں سنا ہے ایک ہوٹل میں تو کوکا کولا ڈیڑھ روپیہ لگایا جاتاہے لیکن یہ تو نہ ہوگا کہ ایک ہی چیز کا آج کچھ دام لگایا ہے کل کچھ اور نہ خطوں کے ٹکٹوں وغیرہ کے سلسلے میں یوں بے ایمانی کی جاتی ہوگی ریڈرز ڈائجسٹ نے جنوری ۱۹۶۷ء کے شمارے میں بے شک لکھا ہے کہ بےایمانی منیلا والوں کاضابطہ حیات ہے بلیک مارکیٹ قومی خاصہ ہے اور دوسری جنگ کے بعد سے چوری چکاری قتل و غارت وغیرہ اب کا لازمہ زندگی بن گئے ہیں لیکن ایسا کہنا زیادتی ہوگاپوری فلپائنی قوم کو جرائم پیشہ کہنے کی جسارت صرف ریڈرز ڈائجسٹ ہی کر سکتا ہے اگر کسی قسم کی اخلاقی گراوٹ وغیرہ ملتی ہے تو امریکیوں ہی کی دین ہےفقط منیلا کی بات نہیں سائیگون بنکاک بلکہ ہر جگہ کا جہا ں جہاں امریکوں کا پڑاؤ ہے یا رہا ہے یہی حال ہے۔

منیلا میں پاکستانی سفارت خانے کے محمدعلی خان صاحب کی وجہ سے بڑا سہارا رہا ایک دو وقت ان کی

روٹیاں بھی توڑیں وہ اور ان کی بیگم کرم نہ فرماتے تو ہم وشنو بھوجن کھاتے اور رام رام کرتے گھر لوٹتے تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ فلپائن والے حران شے بڑی رغبت سے کھاتے ہیں ہمارا مطلب رشوت سے قطع نظر اس وقت سور سے ہے اب رہ گئی مچھلی تو اٹھارہ سال ساحل سمندر پر گزارنے کے باوجود ہمیں اس سے رغبت تام پیدانہ ہو سکی تیسری چیز بیف ہے یعنی بڑا گوشت یہ بھی ہم حتی الو سع نہیں کھاتے لیکن یہاں کھانا پڑا تو کچھ زیادہ ہی بڑا معلوم ہوا اس کا بھید بھی آ خر کھلا ۔

ایک روز جو ہم محمد علی خان صاحب کے دولت خانے پر گئے تو دیکھا کہ دو بکریاں لان میں چر رہی ہیں ہم نے کہا کیوں حضرات کیا آپ کو کوئی غم نہیں جو بکریاں خریدہی ہیں تب انھوں نے بتایا کہ کیا کیا جائے یہا ں جو بیف ملتا ہے وہ موٹے دانے کی بھینس یا بھینسے کا ہوتا ہے ہماری طبیعت اس پر آتی ہے پر نہیں آتی مضافات سے کسی آتے جاتے سے بکریاں منگوا لیتے ہیں اور ایک کو ذبح کر کے ریفریجریٹر میں رکھ کر دس دن کھاتے ہیں خیر ہم مسافر یہ اہتمام ہر روز کہا ں سے کرتے کوشش یہی کی کہ کوئی گھاس پات کھانے کو مل جائے مٹر ہوں یا بین ہوں وغیرہ مرغ سے ہمارا جی یوں اٹھ گیا کہ ایک روز چاول اورمرغ کی کری یعنی شوربے دور سالن کا آرڈردے دیا تھا آج تک اس کی روز ایک رنگت اور الجھے پن کو یاد کر کے جی متلاتا ہے تفریح کے شوق میں ایک روز مقامی اسٹائل کے کیفے میں بھی چلے گئے جہا ں آئینے کے اوپر ہر چیز کی قیمت لکتی رہتی ہے عین ایرانی ہوٹل کا سانقشہ ہے اور بیرے پانی کا گلاس انگلیاں ڈبو کر لاتے ہیں اور لوگ کھانا کھاکر ہڈیاں فرش پر پھینکتے ہیں شکل بھی ہوٹل والے کی ایرانی کی سی تھی بنیان پہنے کھڑا تھا ہم نے کوکاکولا تو وہاں ضرور پیا اور کسی چیز کو جی نہ چاہا بعضے نیم تاریک ریستورانوں میں تنہا جاتے بھی جی گھبراتا ہے ایک سے دو آدمی ہوں تو ہر طرح کے کھانے کے تجربے میں بھی مضائقہ نہیں محمد علی خان اور ہمارے فلپائنی دوست کہاں تک ساتھ دیتے ہمیں تو گھومنے اور سیر کرنے کا ہو کا ہے ان میں سے کوئی یہا ں گرا کوئی وہاں گرا ایک دن

پیدل گھومے ٹیکسی حسب ضرورت لیتے رہے لیکن بعدمیں جیپنی پر آگئے۔

ذکر جیپنی کی سواری کا

آج ہم نے اپنے آپ کو ہمت اورغیرت دلائی اور شہرمنیلا کا نقشہ اور جان دونوں کو ہتھلی پر رکھ کر پرانے شہر کا رخ کیا اس کے لئے ہمیں حضرت دل سے خاصی جرح کرنی پڑی اسے اسلام کے مجاہدوں اور سرفروشوں کے حوالے دے کر گر مایا دبے لفظوں میں اپنے اسلاف کا حوالہ بھی دیا جن کا پیشہ کسی مجبوری ہی کی نہیں خود کشی اور جاں سپاری کی باتیں تو بہت کرتے ہیں لیکن عمل کا وقت آتا ہے تو ان کو کوئی اور ضروری کام یاد آجاتا ہے اور سنترے کا رس پی لیتے ہیں دلیلیں تو ہماری یہاں بھی کام نہ آئیں لیکن جب ہم نے کہا کہ بے شک راہ کٹھن اور مصائب بے شمار ہیں لیکن مومن ہے تو بے تیغبھی لڑتا ہے سپاہی تو دل صاحب بہت بھنائے اور بولے آخراتر آئے نہ اوچھی حرکتوں پر یہمارا کیا تمہاری ساری قوم کا یہ حال ہے کہ جونہی لا جواب ہوئے اقبال کے شعر پڑھنے شروع کر دیئے مرد مومن تو تم ہو میں جانیتا ہوں لیکن خیر چلو میاں چلو معلوم نہیں اس علاقے کا کیا نام ہے جہاں ہم رہتے ہیں لیکن رونق اس کی دیدنی ہے خوبصورت اسٹور ، کیفے ،سپر مارکیٹ،ہوٹل،بنکوں،کی عمارات بنک یہا ں اتنے ہیں کہ شمار کرنے مشکل ہیں بزنس بہت ہے بنکوں کی عمارتیں چودہ چودہ منزل اونچی چلی گئی ہیں آگے پارک کو پار کرکے پرانے شہر کی طرف تو چلو وہ آثار نظر آتے ہیں اصل کی پرتگیزی ہے پھر وہ دریا ہے کہ ظلمات کا دریا کہیئے اصل رنگ کچھ اور رہا ہوگا لیکن سارے شہر کے کیچڑ نے اسے دلدل بنا رکھا ہے اسے پار کیجئے اور اپنی جیب پاکٹ سے ہوشیار ناصحوں نے جس راستے ہمیں جانے سے منع کیا تھا قدم خود بخود ادھر ہی کو اٹھ گئے ٹیڑھے خستہ خراب مکان ۔۔۔۔رزال یہا ں کے قومی ہیرو

ہیں جن کی قبر ہمارے پڑوس کے پارک میں ہے اورجس پر اردو کے سوا ہر زبان میں کلمات عقیدت ثبت ہیں لیکن یہ ٹیڑھے میڑھے پرانے شہر کے مکانات بھی تاریخی حیثیت رکھتے ہیں مثلا یہ تختی دیکھئے ۔۔ یہ ڈھنڈار مکان رزال کی کمین گاہ رہا ہے یہ گلی۔۔۔ وہ گلی۔۔۔آباد گلی۔۔۔ویران گلی۔۔۔یوں لگتا تھا جیسے صدر کے گو آن علاقے میں آگئے ہیں کونے کے ایک ریستوران پر ٹھیکی لی ہمیں دیکھتے ہی ایک آدمی نے یہ لمبا چاقو اٹھایا اور ہماری طرف خشمگیں نظروں سے دیکھا ہم نے بھی ایک آدمی اسے خشمگیں نظروں سے دیکھا کیونکہ اس کے علاوہ کر ہی کیا سکتے تھے اس پر وہ اس چاقو سے ڈبل روٹی کاٹنے لگا منیلا میں سواریاں تو بھانت کی ہیں ٹرام تو نہیں لیکن بس ہے ایک ٹانگا بلکہ ٹنکیا سی بھی پرانے شہر میں چلتی ہیں یوں جانئے کہ جیسے سائیکل رکشا کو تانگے کے پہیئے لگا دئے جائیں اور آگے گھوڑا جوت دیا جائے پرانے شہر میں سائیکل رکشا بھی نظر آیا لیکن اگر راج کسی سواری کا ہے تو جیپنی کا ہے انجن اور سامنے کا رخ اس کا جیب ہی کا ہوتا ہے لیکن پیچھے تو سیع کر کے چار سیٹوں ایک طرف اور چار سیٹیں دوسری طرف بنائی گئی ہیں جیسے ہمارے چار سواریوں والے موٹر رکشا ہیں اور ڈرائیور کے ساتھ دو آدمی سامنے بیٹھ جاتے ہیں جیپنی کو جہاں جی چاہے ہاتھ کھڑا کر کے یا آواز دے کر روک لیجئے اور لپک کر بیٹھ جانئے شہر میں جہاں بھی اترنا ہے وہاں دس سنتا دودے کر اترجائے سفر چھوٹا ہو یا بڑا اس کا کرایہ مقرر ہے اتوار کا روز ہم نے اسی شغل میں گزارا کہ جہاں جی چاہا اتر گئے اور دوسری میں سوار ہو گئے اس کو بھی کہیں رکوا کر اتر لئے اورتھوڑی دیر پیدل چلتے رہے پھر کسی اور میں بیٹھ گئے یہ آخری مضافات کے قصبے کیسوں سٹی میں داخل ہوئی تب ہمیں پتہ چلاکہ کسی اور نگر میں آ گئے ہیں وہاں سے واپس جیپنی لی اورچونکہ راستے کا کوئی علم نہ تھا نے ہاتھ باگ پر تھا نہ پا تھا رکاب میں لیذا آ خر میں ٹکیسی لی اور کہا چلو مابوئے ہوٹل ایک روز ہمارا جی فلم دیکھنے کو چاہا یہا ں بائیل نام کی ایک فلم لگی ہوئی ہے ہم تو خیر کو پیکر محسوس میں دیکھنا پسند نہیں کرتے لہذا کسی فلم میں خدا ہو تو مظاہرے

اور شکایتیں کر کے اسے پہلے سے بند کرا دیتے ہیں لیکن اس فلم میں خدا چادر کی بکل مارے اور ہاتھ ایک لمبی سی لاٹھی لئے آتا ہےاور حضرات ابراہیم سے کلام کرتا ہے اپنے اللہ تعالی سے تو جسما ملاقات کا کوئی امکان نہیں عیسائیوں کے خدا کی زیارت کا شوق ہمیں کشاں کشاں لے گیا بائبل کے نام سے انھوں نے عہد نامہ قدیم کے چھ واقعات کو فلمار رکھا ہے آدم اورحوا باغ عدن ہابیل و قابیل لشتی نوح منارہ بابل اور ابراہیم علیہ السلام ان میں باب پیدائش کی منظرکشی تو خاصی اکتا دینے والی ہے آدم اور حوا بھی کچھ جچے نہیں صاف امریکی ایکٹر معلوم ہوتے ہیں باغ عدن کا نقشہ بھی یونہی سا ہے اس سے تو گاندھی گارڈن اچھا بہکانے والا سانپ تو ہمیں نظر نہیں آیا اماں حوا نے خود ہی بہک کر سیب توڑا اورمزے سے کھا لیا دانہ گندم کی روایت شاید ہمارے ہاں کی ہے اور جو تو جیہ اس قصے کی کی جاتی ہے اس کے لحاظ سے یہی بر محل ہے ہابیل اورقابیل کی اداکاری بھی ایسی ہے کہ معلوم ہوا کوئی پاکستانی فلم دیکھ رہے ہیں ہاں ان سب کی تلافی کشتی نوح والے حصے میں ہو گئی کشتی بنانا اس میں جانوروں کا آنا اورپھر بابا نوح کی شخصیت بہت ہی با کمال ایکٹر جان ہٹن اور اس وقت جو روپ دھار رکھا تھا اس میں بالکل ہمارے مخدوم مطلبی فرید آبادی نظر آتے تھے منارہ بابل کی تباہی کا نقشہ بھی اچھا ہے لیکن ابراہیم علیہ السلام لا وصہ ہمیں اتنا پسند نہیں آیا یاد رہے کہ ہم تو حضرت اسمعیل کو ذبح مانتے ہیں لیکن عیسائی حضرت اسحاق کو اس کہانی میں یہ مقام دیتے ہیں بہر حال اتنا اچھا نہیں تو برا بھی نہیں تھا ہاں حضرت ابراہیم کی بی بی ایواگارڈ اپنے کو چھپانے میں بالکل کامیاب نہیں رہیں ۔

یہاں ولایت کی طرح فلم مسلسل چلتی رہتی ہے کسی بھی وقت چلے جایئے ایسا اکثر ہوتا ہے کہ آخری نصف حصہ پہلے اور پہلا حصہ بعد میں ہمنارے ساتھ بھی یہی ہوا ہم جب سینما میں داخل ہوئے تو حضرت نوح کو کشتی بنانے کا حکم ملا تھا اور وہ لکڑیاں تلاش کرتے پھرتے تھے دنیا کو پیدا ہوتے ہم نے اس کے بعد دیکھا خیر ذکر فلم کا نہیں سواریوں کا تھا گلیگسی سینما سے فلم دیکھ کر نکلے تو ساڑھے

چھ بجے کا عالم تھا ہمیں تو یہ بھی معلوم نہ تھا کہ یہ جگہ کہاں کس طرف کو ہے کدھر ہے ایک صاحب اپنی کار میں چھوڑ گئے تھے اپنی عقل حیوانی سے سمت کا اندازہ کر کے ٹیکسی لے لئے کھڑے ہو گئے لیکن ٹیکسی کو نہ ملنا تھا نہ ملی اتنے میں ابر بھی گھر آیا اور تر شح بھی ہونے لگا ہمارے فلم دیکھنے کے دوران میں شاید بارش ہوچکی تھی کیونکہ سڑک پر پانی کھڑا تھا اور بڑا عمدہ کیچڑ کا گھان تیار تھا وہاں ٹیکسی نی ملی دس قدم اورہٹ کر کھڑے ہو گئے پھر چوک پرجا رکے لیکن کوئی فائدہ نہ ہواآ خر کہاں سوچاکہ ہم کہاں تک ترے پہلعو سے سرکتے جائیں ٹیکسی نہیں تو جیپنی سہی ان میں بھی اس وقت رش تھا لیکن خیرایک میں سوار ہو گئے ایک جگہ سب سواریاں اتر گئیں ہم بیٹھے رہ گئے ڈرائیور نے کہا صاحب کیا واپس جائے گی ہم دس سنتا دو دے دے کر اتر گئے اور ایک دوسری میں سوار ہوگئے بہت دور جاکر ہم نے ساتھ والے مسافر سے پاچھا کہ ہم کہاں جا رہے ہیں اس نے مسکرا کر کہا تم خود ہی بتاؤ ہم نے کہا ہمارا عزم تو ہوٹل ملو ہائے کا ہے وہ بولے کہ اسے اعرابی یہ راہ تر ترکستان کوجاتی ہے تم تو الٹی طرف کئی میل آچکے اب سڑک کے دوسری طرف کھڑے ہوکر جیپنی پکڑو یہ تیسری جیپنی کوئی کوئی پانچ منٹ کے بعد اسی سینما کے سامنے سے گزر ی جہا ں سے ہم فلم دیکھ کر چلے تھے لیکن ایک جگہ اس سے بھی ہمیں اترنا پڑا کیونکہ اس کا راستہ کچھاور تھا ایک مسافر نے ارازاہ مہربانی اشارہ سے کہا کہ اس میں بیٹھ جاؤ وہ تمہارے ہوٹل کی طرف جائے گی وہ موصوفہ جن کی طرف اشارہ کیا گیا تھا ایسی جلد باز تھیں کہ ہمارا انتظار کئے بغیر چل نکلیں یہا ں کے لوگ جیپنی کے بہت خلاف ہیں کیونکہ ان کو شکوہ ہے کہ اس کے ڈرائیوراسے جیٹ ہوائی جہاز تصور کر کے اسی حساب سے اڑتے ہیں اور ایکسی لیٹر پر پاؤں رکھ کر ارزاہ رقیق القلبی آنکھیں بند کر لیتے ہیں کہ خلق خدا کا خون ہو بھی تو کم از کم وہ نہ دیکھیں اس روز ہمیں معلوم ہوا کہ ہم جیپنی سے زیادہ تیز دوڑ سکتے ہیں کیونکہ ہم نے اس بھاگتے بھوت کو جا لیا اور آ خر صحیح سلامت منزل مقصود پر پہنچ ہی گئے۔

ایک بھارتی پروفیسر ہمارے ہوٹل میں ٹھرے ہوئے تھے وہ جیپنی کا نام سن کر بہت ہنستے تھے کہتے تھے کہ جیپ سے جیپنی یوںؐ بنایا گیا ہے جیسے بھوت سے بھوتنی ۔۔۔لوگ کچھ بھی کہیں ۔۔ہم تو جیپنی میں بیٹھ کر بہت خوش ہوئے منیلا میں یہی ایک چیز دیکھنے کی پائی

متفرقات منیلا

اوتار سنگھ ،بچتر سنگھ ، بختاور سنگھ، گوربخش سنگھ،گعر بچن سنگھ،راجہ رتن سنگھ،شیر سنگھ ۔سروپ سنگھ۔

یہ سارے نام ہم نے ٹیلی فون ڈائر کٹری سے لئے ہیں امر تسر یا چندی گڑھ کی ڈائر کٹری سے نہیں نہ کابل شہر کی ڈائرکٹری سے منیلا کی ڈائر کٹری سے بہر کجا کہ رسیدیم آسماں پیداست ایک دو نام اور بھی سنگھ کے ساتھ ہیں کارمن سنگھ اورپبلا سنگھ یہ ہماری سمجھ میں نہیں آئے ہمارے جذبہ حبالوطنی نے جوش مارا تو ہم نے پاکستانیوں کے نام تلاش کرنے شروع کئے بعضے ناموں کے ساتھ احمد ہوتا ہے ڈائر کٹری میں ایسا کوئی نام نہ ملا نہ محمد کالا حقہ ملا نہ علی کا البتہ علی کا لاحقہ تلاش کرتے دو سندھی اور ہندوٗں کے نام ضرور مل گئے آیل مل خاص سندھی نام ہے آخر ہم نے سوچا کہ کوئی نہ کوئی خان ضرور ہوگا آ خر ایک نام ملا جوس خان جو سے کچھ سمجھ میں نہ آیاہا ں جوزے یا جوزہ ہو سکتا ہے کونجوم والوں کے نزدیک آسمان کا ایک برج ہے ہمارے پٹھان بھائیوں کے بعض نام ہماری سمجھ سے باہر بھی تو ہوتے ہیں پشتو میں بھی تو رکھے جاتے ہیں لہذا ہم نے یہی فرض کیا کہ کسی پشاوری بزرگ نے یہاں کشمش اور بادام کی دکان کھول رکھی ہے نمبر ملایا ادھر سے کسی نے اٹھایا ہم نے کہا خان صاحب سلاما لیکم مزاج شریف ادھر سے کسی نے انگریزی میں پوچھا وہا ٹ ؟ ہم نے پھر کہا ہم ہیں آپ کے ایک ہم وطن سلاما لیکم بلکہ تڑے ماشے بھی کہا پھر وہی جواب آیا وہاٹ نان سنس اب ہم سمجھ گئے کہ کوئی اور

ہے مسلمانوں کا سا نام رکھ چھوڑا ہے ہمیں دھوکا دینے کے لئے سندھی ہندوؤں اور سکھوں کی یہا ں متعدد دکانیں ہیں سنا ہے کہ سال بھر کا پرمٹ ملتا ہے اس کے بعد چندہ کر کے رشوت دے کر اس میں رشوت دے کر توسیع کرا لیتے ہیں اخبار تو یہاں کئی ایک ہیں منیلا کرانیکل ہے منیلا بلیٹن ہے فلپائن ہیر لڈ ہے اور شام کو مررر اور نیوایوننگ نیوز ہیں لیکن سب سے بڑا اخبار منیلا ٹائمز ہے اور

۲۴ یا ۲۸ صفحے تو اس کے ہر روز ہوتے ہیں اتوار کو ۱۱۲ صفحے تھے اتوار کو دوسرے اخبار بھی ہم نے لئے اس سے تو کم تھے لیکن ہمارے سنڈے ایڈیشنوں سے دگبے تگنے پھر بھی تھے یہی حال شام کے اخباروں کے سیٹرڈے ایڈیشنوں کا ہے کرانیکل نے ہفتے کے روز ۸۴ صفحے دیئے اس کے باوجود ہمیں معلوم نہ ہو سکا کہ دنیا میں کیا ہو رہا ہے کیونکہ سب سے زیادہ تو ان میں اشتہارات ہوتے ہیں ان سے جو جگہ بچے تو ان میں مختلف کالم نگاروں کے کالم دس دس کالم جیسے ریس میں گھوڑے دوڑ رہے ہوں ایڈیٹول اس پر مستزاد کچھ صفحے کارٹونوں کے نکل گئے قسمت کا حال اور بازار کے بھاؤ بھی ضروری ہیں ان کے بعد منیلا اور فلپائن کی خبریں اور سیکنڈل کوئی جگہ پھر بھی بچ گئی تو ہا ں دور جا کر خبریں باہر کی دنیا کی دے دیں کئی بار تو لوگوں کے کالم پڑھ کر پتہ چلتا ہے کہ فلاں واردات ہوئی ہے نہ ہوتی تو کالم میں ذکر کیسے آتا۔

اخبار کے یہاں آزاد ہیں اور کالم نگار تو جو جی میں آتا ہے لکھتے ہیں اکثر لوگوں کو کہتے پایا کہ ایسی آزادی بھی کیا بعضوں کے متعلق تو لوگوں نے انگشت نمائی بھی کہ کیسے ریئسانہ ٹھاٹھ کالم نگاری کے پیسے تو تھوڑا ہی ہیں دست غیب کا طفیل ہے جو لوگ ان کالموں میں اپنا ذکر نہیں شا ہتے تا کہ ان کی خوش اعمالیوں پر پردہ پڑا رہے وہ ان کی دامے ورمے خدمت کرکے ان کو خوش رکھنے کی کوشش کرتے ہیں ایک صاحب نے تو بنک بنالیا ہے دوسرے کے ٹھاٹھ راجاؤں اور مہاراجاؤں کے سے سنے اکثر کا

یہی اکثر کا حال ہےحکومت بھی ان کو راضی رکھنے کی کوشش کرتی ہے ایک نامہ نگار کو فلم سنسر بورڈ کا صدر بنا دیا ہے دوسرےکو ایک بڑا عہدہ دے کر رام کر رکھا ہے اور ایک کو تو ایئرپورٹ کا منیجر بنا رکھا ہےحالانکہ ایئر پورٹ کا ہوائی سفرکر چکے ہیں سو یہ ہم بھی کر چکے ہیں ایک صاحب نے پوچھا کیا تمہارے ملک میں تمہیں ایئرپورٹ منیجر بنا دیں گے ہم نے کہا ہر گزنہیں ہمیں تو ایئر پورٹ کےاندر جانے کے لئے بھی پاس لینا پڑتا ہے۔

لیکن سب کالم نگاروں کے متعلق یہ نہیں کہا جاسکتا جی دی کر وز ہی کو لے لیجئے نہ حکومت وقت کی پروا کرتے ہیں نہ امریکہ کی امریکی پالیسیوں امریکی اوڈوں اور امریکیوں کی ایسی کھنچائی کرتے رہتے ہیں کہ کسی اورامریکہ نواز ملک میں ہوں تو جان سے ورنہ آزادی سےضرور جائیں دوسرے جہانیاں جہا ن گشت میکسیموسولیون ہیں نوجوان ہیں اور بہت تیکھا لکھتے ہیں ہم ان سے ملے تو جمیل الدین عالی کی بات کرنے لگے کہ ہمیں بہت پسند ہے ہماری طرح منہ پھٹ ہے ادھر بات جی میں آئی ادھر زبان پر آگئی ہم نے اتفاق رائے کیا اور کہا کہ بعض اوقات تو جی میں سیمینار میں ہوئی تھی زبان پر پہلے عالی صاحب سے ان کی ملاقات ہارورڈ کے ایک بار پاکستان بھی آچکے ہیںؒ غالبا ۱۹۶۳ء میں پھر آنے کا کہہ رہے تھے دو سال ہوئے یہ عوامی چین بھی گئے تھے حکومت نے ان کا پاسپورٹ ضبط کر لیابہت لڑ جھگڑکرانھوں نے دوسرا حاصل کیا ہےان کی لائبریری دیکھی ہرملک کےمتعلق اتنی کتابیں اور تازہ سے تازہ کہ جی للچائے ایک سیکرٹری بھی رکھ چھوڑی سے بہت رشک آتا ہے ایک ہم ہیں کہ لیا اپنی بھی صورت کو بگاڑ ہم نے پوچھ ہی لیا کہ میاں میکس کیا کالم سے اتنے پیسے مل جاتے ہیں کہ یہ طرززندگی نبھاؤ اس نے کہا بہت ملتے ہیں اس کےعلاوہ ٹیلی ویژن کی آمدنی بھی تو ہے یہ دیانت دورآدمی ہیں اورغریب گنے جا تے ہیں ٹیلی ویژن کا سنئے ایک نہیں یہاں پانچ ہیں ہراخبار کا اپناٹیلی ویژن اسٹیشن ہےاور اپنا ریڈیو ہے پروگرام صبح سےشروع ہو تو آدھی رات تک مسلسل چلتے رہتے ہیں کمائی اشتہاروں کی ہےمنیلا ٹائمنر ہر

چنس سب سے بڑا اخبار ہے عام دنوں میں دو لاکھ سترہ ہزار اور اتوار کو دولاکھ تیس ہزار چھپتا ہےتا ہم زیادہ فت اس ادارےکوٹیلی ویژن اور ریڈیوہی سے ہوتی ہے پانچ چینل سے زیادہ تو یورپ اورامریکہ کے کہ کسی شہر میں بھی نہیں کہتے ہیں سینما ہال بھی یہاں نیو پارک سے زیادہ ہیں آج کل منیلا کے اخباروں میں موضوع دوباتیں ہیں ایک خوردہ فروشی کو قومیانے کا مسئلہ دوسرے منیلا شہر کی گندگی صدر مملکت مارکوس صاحب اورمنیلا کے میئرو لیگاس صاحب میں بھی اس وجہ سے یا کسی اوروجہ سے ٹھنی ہوئی ہے فلپائن میں خوردہ فروشی کے کاروبار پر بھی غیر ملکی قابض رہے ہیں زیادہ تر امریکی کچھ ہندوستانی اور چینی بھی فلپائن کی کانگریس نے قانون پاس کیا کہ ان کو بے دخل کر کے یہ کاروبار لوگوں کو دیا جائے ولیگاس صا حب زور دے رہے ہیں کہ اس قانون پر فوراعمل درآمد ہونا چاہئے ادھر مارکوس صاحب نرم روی سے کام لینا چاہئے ہیں اورلوگ یہ الزام دیتے ہیں کہ وہ امریکی کی ناخوشی کے خوف سے ایسا کر رہے ہیں کہ لوگوں کے دل کی آواز یہی ہے انھوں نے بحث یہ اٹھا دی ہے کہ یہ کیسا میئر ہے شہر میں گندگی کے ڈھیر پڑے ہیں ان کو تواٹھاتانہیں اورقومی معاملوں میں دخل دیتا ہے اخبارنویسوں نے دونوں معاملوں کو اچھا ناشروع کیا غیر ملکیوں کی بے دخلی کو بھی منیلا کی گندگی کو بھی یہ دونوں چیزیں اہل فلپائن کے لئے نئی نہیں ہے لوگ ان کے عادی ہیں اور غالبا انھیں برا نہیں سمجھتے لیکن اخباروں کے لکھنے سے عوام کو بھی غیرملکی لوگ اورکوڑے کے ڈھیر نظر آنے لگے ہیں ایک صلح کل کالم نگارنے لکھا ہے کہ بھائی ہم غیر ملکیوں کی بے دخلی تو چاہتے ہیں لیکن ایسے منیلا چہر میں جوکوڑے کرکٹ سے پاک ہو۔

دیکھاجائے تو ایک دن میں ان دونوں چیزوں کا صفایا ممکن نہیں نہ غیر ملکیوں کیا نہ کوڑے کرکٹ کا بلکہ دونوں کے لئے یہ باتیں مشکل ہیں صدر مملکت کے لئے بھی میئرصاحب کے لئےبھی لہذا بعض مب بعض مبصرین کےنذدیک قابل عمل اورآسان حل یہ ہے کہ میئر صاحب امریکیوں کی بےدخلی پر اصرار چھوڑ دیں اور صدر صاحب گندگی کے ڈھیروں سے چشم پوشی کر لیں یعنی دونوں حضرات بیان بازی نہ

کریں نتیجہ یہ ہوگا اخبار بھی چپ ہو جائیں گے اورکوئی دن عوام بھی بھول جائیں گے کہ اس شہر میں غیر ملکی بھی ہیں یا گندگی بھی ہے میکسیوسولیون سے بات ہوئی تو اس نےبھی کہا کہ ہاں باہمی چشم پوشی ہی بہترین حل ہے لیکن گندگی کا تعلق تو ناک سے بھی ہے ۔

ایک نامی گرامی کالم نگارالیہار نردوردسیز نے جو میکا پگال کی کابینہ میں وزیر تعلیم بھی رہ چکے ہیں اور منیلا کرانیکل میں لکھتے ہیں حکومت پر طنزکرنے کے لئے ایک روزیہ پیرا اختیار کیا کجہ میکسیو کی داستان چھیڑدی کہ وہاں بعض جرنیل انگلی جرنیل کہلاتے تھے یہ وہ لوگ تھے جن کے سر پر حاکم وقت اپنی خوشنودی کا طوطا بٹھا دیتا تھا وہ یوں کہ جہا ں کسی شخص سے خوش ہوئے اس کی طرف انگلی سے اشارہ کر کے کہا آج سے تم جرنیل یا آج سے تم وزیر صحت ہمارے ہاں بھی فلپائن کےایک صدر صاحب یہ کرتے رہے ہیں کہ اکاوٗنٹنٹ جنرل کی اسامی خالی ہوئی توحاضر باشوں سے کہا کہ صاحب تم میں سے کوئی اکائنٹنٹ جنرل بننے کا شوق رکھتا ہے تو ہاتھ کھڑا کرے۔

رویز کے اس کالم کو پڑھ کرہمیں ریاست پٹیالہ یاد آئی جہاں آج اگر کوئی شخص انسپکٹر تعلیمات ہے تو دوسرے روز سپرنٹنڈنٹ پولیس بنا دیا جاتا تھا بلکہ ایک بزرگ کا تقرر تو بطور ڈاکٹر بھی کیا گیا تھا کیونکہ اس وقت اتفاق سے یہی جگہ خالی تھی ۔

رویز سیز صاحب شاید اشارے کنائے میں یہ کہنا چاہتے ہیں کہ یہاں بھی یہی ہوتا ہے واقعی ہمیں یہ بتایا گیا کہ جس روز ملک کا صدر بدلے مختلف محکموں کےافسر اوراہلکار خود کو بر طرف سمجھ لیتے ہیں اب یہ اس کی مہربانی ہے کہ کسی پرانے افسر کورکھ لے ورنہ نئے آدمیوں کو لائے گا جنھوں نے الیکشن کے کڑے وقت میں اس کی مدر کی ہو ایک بڑے عہدیداد ہمیں بھی ملے انھوں نے بتایا کہ جب میرے تقرر کا پروانہ آیا تو سب سے زیادہ حیرت مجھے ہوئی میں فلسفے کا پروفیسر تھا نہ میں نے اس قسم کا کام. کبھی کیا تھا نہ اس عہدے کے لئے امید وار تھا ہاں صدر صاحب کی انتخابی مہم میں دو تین تقریریں ضرور

ان کے لئے لکھی تھیں بادشاہ آدمی ہیں جانے کیا سوچ کے مجھے جنگلات کا ڈائر کٹر بنا دیا ہے

انڈونیشیا

۱۹۶۷ء

ایروفلوٹ کی سواری

منیلا سے واپسی پر ہم نے ڈبل ریٹ پر میلے کپڑے دھلوائے ،بال کٹوائے اور اپنے پاسپورٹ پر کچھ نئی مہریں لگوا کر انڈونیشیا کا عزم کیا تو دوست احباب دامنگیر ہوئے کہ اپنی جان اورعافیت کو عزیز رکھو اورمت جاؤ انڈونیشیا آج کل آتش فشاں کے دھانے پرہے مظاہروں کا زور ہے جھڑپیں ہو رہی ہیں لاکھوں قتلام ہو چکے اورآگے کے لئے بھی راوی چین نہیں لکھتا ٹینک راستے روکے کھڑے ہیں ناکوں پر مشین گنیں نصب ہیں خاردار تار بچھے ہیں اورصدر سوئیکا نوکا جانا ٹھر گیا ہے صبح گیا یا شام گیا آگ اور خون کے سیلاب میں تمہاری ٹیاں سی ہستی کا پتہ بھی نہ چلے گا کیوں خوشی پر کمر باندھ رکھی ہے۔

ہم موت سے اتنا نہیں ڈرتے جتنا خود کشی سے کیونکہ یہ امر قابل دست اندازی پولیس ہے تعزیرات کا غالبا واحد جرم ہے کہ کامیابی سے اس کا استکاب کرنے والے پر کوئی گرفت نہیں ہاں کوئی اناڑی پن سے ناکام رہ جائے تو جیل ہو جاتی ہے ہم نے اپنے دل سے مشورہ کیا کہ حضت واں جائیں یا نہ جائیں نہ جائیں کہ جائیں ہم دل ناداں نے کہا جان برادر مزا تو آج کل جانے میں ہی ہے امن و عافیت کے دنوں میں گئے پڑھ جا بچہ سولی ،رام بھلی کرے گا سولی پرتو ہمارے آباد جداد کبھی نہ چڑھے ہم کیا چڑھتے جنوری کی ۲۸ کو کولمبو جانے والے طیارے میں سوار ہو گئے اورپیٹی باندھ کرسگریٹ بجھا دیا جا کرتا بنکاک کے راستے بھی جاتے ہیں لیکن ایک راستہ کولمبو کی طرف سے بھی ہے اور کولمبو

میں ہمارے بہت سے دوست ہیں جو مصر تھے کہ چند روز یہاں ٹھیکی لے کر آگے جانا سیلون ہم تین برس پہلے بھی گئے تھے اور دوبارہ فدیکھنے کی ہوس تھی لیکن ہوائی جہازوں کی پروازوں کا حساب کچھ ایسا یھا کہ بس ایک رات اور آصدھا دن ملتا تھا ہم نے اسے غنیمت جانا راستہ ایسا لمبا نہیں راولپنڈی نہ گئے کولمبو جا اترے یہاں لمبے اور گھنے بالوں اور سانولے سلونے نقوش والی وہ سنگھائی لڑکی ہمارے انتظار

میں پہلے کھڑی تھی جس کا نام مانل ہے ساتھ اس والد صاحب بھی تھے ۱۹۶۴ئمیں جو صاحب ہمیں ہوائی اڈے پر لینے آئے جب گھنٹہ بھر اپنی کار دوڑا چکے اور ہم نے آبادی کا نشان نہ پایا تو ہم نے ان سے عرض کیا کہ جزیرے کی سیر ہم بعد میں کریں گے پہلے کولمبو شہر چلوانھوں نے فرمایا ہم کولمبو ہی تو جا رہے ہیں شہر سے ہوائی اڈہ کیس میل کی مسافت ہے اور تنگ پر پیچ پر راستوں میں پورا گھنٹہ لگتا ہے آج بھی یہی ہوا پہلے مضافات ختم ہونے میں نہ آتے تھے پھر شہر کی گلیاں لمبی ہوگئی آخر خدا خدا کر کے گال فیس ہوٹل کی صورت نظر آئی پرانی وضع کا کولونیل طرز کا بڑے بڑے کمروں اور لمبی وسیع غلام گردشوں والا یہ ہوٹل عین سمندر کے تٹ پر واقع ہے پانی اس کی دیواروں کو تھپیڑے مار تا گزرتا ہے ننگے پاؤں والے دھوتی پوش بیروں نے ہمیں اور ہمارے سامان کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور مینجر نے کہا اہلا و سہلا گڈ آفٹر نون فلاں نمبر کے ائیر کنڈیشنڈ کمرے میں چلے جائیے ۔

ہم چونکہ سمندر کے عاشق ہیں اور دوئی کا پردہ درمیان میں نہیں چاہتے لہذا ہم نے مینجر سے کہا اے بھدد پرش ہمیں ایئر کنڈیشنڈ نہیں چاہیئے ہمیں ایسا کمرہ دو جس کی کھڑکیاں سمندر پر کھلتی ہوں اس اس نے کہا اچھی بات ہے بیشک اس نے جو کمرہ دیا وہ سمندر پر کھلتا تھا لیکن اس طور کہ آدھے دھڑ کو کھڑکی کے باہر لٹکا کر ذہنی طرف کو گردن موڑیں تو سمندر نظر آتا ہے ہم نے مینجر سے کہا میاں سمندر تو ہم نے دیکھ لیا لیکن ہماری گردن میں موچ آگئی ہے کوئی اور کمرہ دو بولا اس وقت نہیں ہے

آپ اگلی بار تشریف لائیں گے تو عین سرے والا کمرہ کھول دونگا۔

۱۹۶۴ء میں جب ہمیں گال فیس ہوٹل میں جگہ نہ ملی تو سی ویو کلب میں ٹھرے اس کا نام سن کر ہماری باچھیں کھل گئیں لیکن پھر جلد ہی اص؛ل جگہ پر واپس آگئیں کیونکہ اسے سی ویو یعنی نظارہ بحر کلب کا نام اس لئے دیا گیاتھا کہ جس آدھ میل لمبی گلی کے سرے پر یہ واقع تھا اسے طے کر بڑی سڑک پر آئیں اور دو فرلانگ اس پر چل کر بائیں ہاتھ کو مڑیں تب سمندر کی جھلک نظر آتی ہے کولمبو میں آدھا دن اور آدھی رات دوستوں کے جلسے میں گزری اگلی صبح علی الصبح ہمیں روسی ہوائی کمپنی ایرو فلاٹ کا جہاز لینا تھا اور ایئر پورٹ کا راستہ لمبا ہونے کے باعث ہمیں صبح تین بجے اٹھا دیا گیا کولمبو سے اس جہا ز پر سوار ہونے والے ہم یکہ و تنہا مسافر تھے لہذا خاص ہمارے لئے کمپنی کی گاڑی آئی ایئر کمپنی والوں نے دفتر کھولا کسٹم والے ڈیوٹی پر پہنچے اور امیگریشن والے آنکھوں پر پانی کے چھینٹے مارتے ہوئے اٹھے فجر کی اس ساعت میں؛ سارا شہر خاموش تھا فقط لمباری ہوٹل جا بجا کھلے تھے لوگ باگ چائے کی چسکی لگا رہے تھے۔

ہوائی اڈے پر پہنچ کر معلوم ہوا کہ ایرو فلاٹ کا جہاز اپنی مرضی سے آتا ہے مرضی سے جاتا ہے اور جیٹ جہاز نہیں ہے سو پانچ بجے کا جہاز چھ بجے آتا ہے اس میں زیادہ تر روسی تھے اور تین چار انڈو نیشی جو ماسکو کراچی سے سوار ہوئے ہوں گے آدھے سے زیادہ جہاز خالی تھے ہم نے آج تک روس کی کمپنی سے سفر نہیں کیا تھا سامنے کی پاکٹ میں سے کتابچے نکال کر پڑھنے شروع کیے تو معلوم ہوا کہ ایرو فلاٹ دنیا بھر میں اپنی نوعیت کی سب سے بڑی کمپنی ہے مسافروں اور ہوائی جہازوں کی تعداد کے اعتبار سے دنیا کی کوئی ہوائی کمپنی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی ۔

ماسکو سے طہران سے دشت لوط پار کر کے آپ کراچی پہنچتے ہیں جو پاکستان کا دارلحکومت ہے تو۔۔۔ ہم نے چونک کر کتا بچے کی تاریخ اشاعت دیکھی لکھا تھا کہ اس میں معلومات یکم اکتوبر ۱۹۶۵ء تک کی

ہے خلا میں معرکے مارنے والوں کی معلومات اگر زمین کے بارے میں کچھ پیچھے رہ جائیں معافی ہے چھ سے ساتھ بجے اور ساتھ سے آٹھ جب سوئی نو پر پہنچی جو جا کجر کرتا کے وقت کے مطابق گیارہ بجے دن کا عمل تھا تو ہمارے معدے نے ہم سے تعاون کرنے سے انکار کر دیا ہم اب تک مغربی دنیا کی ایر لائنوں میں سفر کرنے کے عادی تھے جہاں ایر ہوسٹیں تھوڑی دیر بعد مسوفروں کے درمیان سے تبسم کی بجلیاں گراتی گزرتی ہیں اور کار لاحقہ پوچھتی رہتی ہیں یہاں کسی نے ان تین گھنٹوں میں بات بھی نہ پوچھی آ خر ہم خود اٹھ کر باورچی خانے میں گئے وہاں بقول کسے رواں نہ دھواں ایک صاحبہ بیٹھی ناول پڑھ رہی تھیں ہم نے کہا کامریڈ ہم تو بھوکے مر گئے کیا ناشتہ نہیں ملے گا ۔

بولیں ناشتہ کیسا ناشتہ ابھی تو سات بجے کا عمل ہے سات بجے ہم نے کہا بی بی خدا کا خوف کرو اس وقت کولمبو میں نو بجے ہیں اور جا کر میں گیارہ ہم آدھے راستے میں ہیں لہذا دس بجے سمجھو پھر گھڑی دکھا کر بولیں یہ دیکھئے سات بجے ہیں ۔

کہاں کا ٹائم ہے یہ ،

ماسکو کا

تو گو یا مشرق بعید میں بھی ناشتہ ماسکو کے وقت کے حساب سے ملے گا ہم اس عزیزہ اور ہوائی کمپنی والوں کی حب الوطنی کی تعریف کئے بغیر نہ رہ سکے کہ گھر سے ہزار روں میل دور بھی اس کا خیال رکھتے ہیں ہم نے کہا بی بی ہم خود سوشلسٹ ہیں لیکن ہمارا معدہ سوشلسٹ نہیں ہے منصفی اور مہربانی کرو اور ہمیں کچھ کھانے کو دو ان کا جی پسیجا بولیں اچھا آدھے گھنٹے بعد آپ کو ناشتہ مل جائے گا ہم نے کہا اس وقت کچھ ملے گا فرمایا کولصرنک مل جائے گی

کونسی

کوکا کولا ۔۔۔سوشلسٹ ملک کے ہوائی جہاز میں ،

فرمایا جی ہاں ------۔

اس پر ہمیں چینیوں کی باتوں پر تھوڑا یقین آنے لگا کیونکہ ہمارے نزدیک سوشلسٹ معاشرے کی ایک نشانی یہ ہے کہ وہاں کوکا کولا نہیں ہوتا خیر بعد میں معلوم ہوا کہ روس میں فی الحال کوکا کولا نہیں ہوتا یہ رسد انھوں نے کراچی سے لی تھی ناشتہ ملا اور خاصا بھاری کیونکہ ہر چند کہ ہمارا جہاز ڈھائی بجے جا کر پہنچتا تھا ہمیں بتایا گیا تھا کہ لنچ کی امید نہ رکھیں سفر آرام دہ تھا روس کے جہازوں کی تعریف بھی کرتے ہیں لیکن اتنا ہم نے سوچ لیا کہ آئندہ ایرو فلوٹ سے سفر کرنا ہوا تو گھر سے پراٹھے بندھوا کر ساتھ لے لیا کریں گے ۔

ہم نے بارہ سو روپے کا کھانا کھایا

انڈانشیا جانے کے دو روز پہلے اسٹیٹ بنک میں بیگم صبیحہ حسن سے ملاقات ہوئی فرمانے لگیں ضرور کہیں کا عزم ہے کہاں کا ہے آپ نے تو حد کردی ہم نے طعنے تشنے کو نظر انداز کرتے ہوئے بتایا. کہ اب جا کرتا جارہے ہیں بس چند روز کے لئے ۔

فرمایا مجھے معلوم نہیں تھا کہ آپ کروڑ پتی ہیں۔

ہم نے کہا ہمیں تو اب بھی معلوم نہیں واللہ بتایئے کہاں ہے ہماری دولت۔

بولیں ۔اس کا اندازہ میں نے اس امر سے کیا کہ آپ نہ صرف انڈونیشیا جانے کا بلکہ وہاں چندروز قیام کا بھی ارادہ رکھتے ہیں اس خاکسارہ نے ایک روز جاکرتا کے ایک ریستوران میں لنچ کھایا تو بیرا بارہ لاکھ روپے کا بل لایا ۔

وہ سمجھا ہوگا کہ آپ ریستوران خرید رہی ہیں ۔

یہ بات نہیں ۔

آپ پر اسے سر آ غا مرحوم کا دھوکا ہوا ہوگا ،

یہ بات نہیں کیا میری شکل سر آ غا خاں سے ملتی ہے

پھر آپ نے ہیرے جواہرات کھائے ہوں گے بندہ تو دال روٹی کھاتا ہے

فرمانے لگیں ہم بھی دال روٹی بلکہ دال بھارت ہی کھائی تھی خیر تفصیل کی حاجت نہیں آپ جارہے ہیں خود دیکھ لیں گے۔

صبیحہ بیگم کا مقابلہ تو ہم نہ کر سکے لیکن بارہ سو روپے کا کھانا تو ہم نے ایک وقت میں کھایا آج کل ایک امریکی ڈالر کا بھاؤ انڈونیشیامیں سو روپے ہے مارکیٹ اور بلیک مارکیٹ میں اس سے زیادہ ایک سو تیس روپے تک سمجھئے لیکن صبیحہ حسن جس زمانے میں گئیں اس سے ہزارگناہ زیادہ تھا یعنی ایک امریکی ڈالر برابر تھا ایک لاکھ انڈونیشی روپیت کے جس کو سبزی خریدنی ہوتی تھی روپوں سے بھرا ہوا سوٹ کیس لےکر چلتا تھا دس ہزار بیس ہزار روپے تو بخشیش میں اٹھ جاتے تھے مشینیں دھڑ ادھڑنوٹ چھاپے جا رہی تھیں حکومت نے ڈیڑھ سال پہلے سو روپے سے اوپر نوٹ منسوخ کر دیئے ان کی ایک کوڑی بھی قیمت نہ رہی چھوٹوں نوٹوں میں سے ایک روپیہ پرانے ایک ہزار روپے کے برابرقرار پایا ملک میں اس سے جوابتری پھیلی ہوگی اس کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

اس وقت بھی صورت حال یہ ہے کہ ہوٹل انڈونیشیا میں اگر ٹھریئے کہ ہیہ ایک انٹر نیشنل ہوٹل وہاں ہے تو وہ ادائیگی انڈونیشی روپوں میں نہیں بلکہ امریکی ڈالروں یا برطانوی پاؤنڈ کی صورت میں قبول کریں گے انڈونیشی ایئر لائن گیر دو اسے سفر کیجئے تو وہ بھی کرایہ ڈالروں اور پاؤنڈ وں میں مانگتی ہیں انڈونیشی روپے کا لین دین نہیں کرتیں بندھی ٹکی تنخواہ والوں کا یہ حال ہے کہ ایک اعلی افسر نے بتایا کہ میں

پندرہ سو روپے مہینہ پاتا ہوں اور میری بیوی کہتی ہے کہ اس سے فقط دودن کا خرچ چلتا ہے پندرہ سو روپے پندرہ امریکی ڈالر کے برابر ہوئے یعنی ہمارے ہا ں کےء ساٹھ ستر روپے جس کے پاس ڈالر ہیں وہ تو خیر بادشاہ ہے لیکن انڈونیشیا کسان کو انڈونیشی روپیہ کمانے میں بڑی محنت کرنی پڑتی ہےلیکن انڈونیشی روپیہ کمانے میں بڑی محنت کرنی پڑتی ہے ہم نے پوچھا کہ پھر کیسے گزارہ چلتا ہے پتہ چلاکہ قدرت مہربان ہے اگر یہ لوگ کچھ بھی نہ کریں ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہیں تب بھی خوردہ غلہ، بہت پھل پھل بہت، بھوکا مرنا نہ ممکن اب رہا کپڑا تو سارا سال گرمی رہتی ہےلنگوٹ اور انگوچے میں بھی گزر سکتی ہے مکان کے لئے بانس کے درخت ہیں تاڑ کے درخت اور پتے ہیں بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ انھی سہولتوں نے تو پوری قوم کو تن آسان اورعیش کوش بنادیا ہے دیہی معیشت میں تبادلہ اشیا کا اصول چلتا ہے الف نے ب کو کہڑا دیا ب نے الف کو جوتا دیا حساب برابر۔

قیمتیں پوچھیں تو معلوم ہوا کہ انڈا چارروپے کا ہے اور ماچس ڈھائی روپے کی ہم نے کہا ایک روپے میں کیا خریدا جا سکتا ہے جو اب ملا ممکن ہے سوئی یا بٹن وغیرہ مل جاتا ہویا پھل بہت سستے ہیں ایک روپے کے چند رمبوتان ملی جائیں گے ہم نے پوچھاایک روپے سے کم کے سکے بھی ہیں معلوم ہوا کہ ہاں پچاس سنڈ ہے پچیس سنٹ ہےوغیرہ ہم نے دریافت کیا ان سےکیا خریدا جا سکتا ہے پتہ چلا کہ کچھ بھی نہیں سوائے پٹرول کے۔

انڈونیشیا میں اگر کوئی چیز سستی دیکھی تو وہ پٹرول ہی تھا ہمارے ہاں کے ڈیڑھ آنے دس نئے پیسے کا ایک گیتن بھت دو نئے پاکستانی پیسوں کا ایک لیٹر ستم کی بات یہ ہے کہ یہی ایک چیز غریبوں کے مصروف کی نہیں حکومت نے خصوصی امداد یعنی subsidy سے پٹرول کوستا رکھا ہے ان دنوں یہ بات ہو رہی تھی کہ قیمتیں بڑھنے والی ہیں واپسی کے بعد اخبار میں دیکھا کہ بڑھ گئی ہیں آٹھ گنا ہو گئی ہیں یعنی اب ایک گیلن پٹرول بارہ چودہ آنے کا ہو گیا ہے ۔

کتابوں کا حال یہ ہے کہ ہر ہفتے عشرے کے بعد قیمت کی نئی چیپی لگائی جاتی ہے جو کتاب آج پانچ روپے کی ہے وہ کل پندرہ روپے کی ہوسکتی ہے اوراگلے ہفتے پچاس روپے جانئے ایک کتاب لکھی کہ ۱۹۵۴ء کی چھپی ہوئی تھی اس وقت اس کی قیمت ساڑھے سات روپے تھی آج وہی ڈھائی سو روپے کی ہے کتابیں نیوز پرنٹ پر غیر مجلد چھپتی ہیں اب تو وہ بھی نہیں کیونکہ متعدد کاغذ ساز فیکٹریاں ہونے کے باوجود کاغذ کا کال ہےحکومت نے نیوز پرنٹ کی قیمت ایک سو بیس روپے فی رکھی ہے بازار میں تین سو روپے سےکم نہیں ملتا انڈونیشیا کی سیاست کا اونٹ کس کروٹ بیٹھےگا اس کا اندازہ لگانے کے لئے کسی کو انڈونیشیا جانے کی ضرورت نہیں ہر نئی صبح نیا ہنگامہ ہوتا ہے اور دنیا کے اخباروں سے اس کا پتہ چل جاتا ہے کہ بلکہ ہمارے دوران قیام کی بعض خبریں تو ہمیں وا]پسی پر غیر ملکی اخباروں سےملیں عین ایسے ہی جیسے منیلا میں ہمارے ہونے پر زلزلہ آیا لیکن ہمیں کانوں کان خبر نہ ہوئی واپس آن کر ڈان میں دو کالمی سوخی دیکھی توڈر کے مارے کپکپی طاری ہوگئی سیاست کی شطرنج وہاں کچھ جماعتوں اورعقیدوں کے اعتبار سے ہے اور کچھ علاقائی پاسداریوں کے حساب سے دارلحکومت میں طالب علموں کا راج دیکھا مظاہرے کرنے کی پوری آزادی ہے مشرطیکہ وہ صدر سوئیکا نو کے حق میں نہ ہوں اخباروں پر بھی کوئی پابندی نہیں صدر موصوف کے خلاف لکھنے کی سوئیکا ر نو کے حامی اخبارات پہلے ہی بند کئے جاچکے ہیں اور جماعتوں پر پابندی لگائی جاچکی ہے لڑکوں میں مظاہروں کا شوق اور نہ پڑھنے کاذوق پیدا ہو جائےتو وہ انڈونیشیا ہو یا پاکستان تعلیم وتعلم کا خدا حافظ ہوتا ہے سونے پر سہاگہ اس بات سے ہوا کہ کاغذ نہ ہونے کے باعث کتابیں نا موجود اور مشرقی جاوا میں تو اسکول ہیں لیکن استاد نہیں کیونکہ ہزاروں اساتذہ اس شبہ میں تہ تیغ کر دئے گئے کہ کمیونسٹوں کے خیالات رکھتے تھے طالب علم مظاہرین کا وقت محضر تیار کرنے اورپیش کرنے میں صرف ہوتا ہے اور جب چاہتے ہیں سڑکیں بند کردیتے ہیں طالب علم جماعت کامی کے اخبار کے ایڈیٹر مکارم کراچی آئے تھے تو ملاقات ہوئی تھی جا کرتا میں ان سے ملاقات کے لئے جب

فون کیا پتہ چلا کہ کیسی ملاقات ،وہ مظاہرین کے ہجوم میں شامل ہیں اخبار بھی کھڑے کھڑے چھٹی منا لیتے ہیں ایک ا خبار میں محض اتنا نوٹس تھا کہ بعض مصروفیتوں کے باعث دو تین روز تک اخبار ہذا نہیں نکلے گا۔

چار صفحے کے مختصر اخبار کی قیمت چار روپے ہے

ہم نے پہلے دن کا کھنا بھی جاداریستوران میں کھایا اور واپسی کی شب کا بھی مشہور جگہ ہے اورہم نے دیکھا کہ کہ کھانے والوں میں غیرملکیوں ،بالخصوص یورپینوں کی تعدود زیادہ ہے بہت چلتا ہےلیکن ظاہری حالت اس کی خستہ اور زدہ دیکھی ہم نے کہا یہ شخص اس کی حالت ٹھیک نہیں کرتا نیا فرنیچر کیوں نہیں لاتا باہر سفیدی کیوں نہیں کراتا اور لان کی گھاس کیوں نہیں کٹواتا ہمارے میزبان نے مسکرا کرکہا سمجھ دار آدمی ہے آج سفیدی کرے کل دگنا ٹیکس لگ جائے گا یہاں جو تم عمارتوں کا ظاہر پرانا دھرانا کائی زدہ دیکھتے ہو تو اس میں استطاعت کی علت نہیں ہے اللہ کا دیا سب کچھ ہے بس ٹیکس سے لوگ ڈرتے ہیں دوسری بات جس پرہمیں حیرت ہوئی قیلولہ ہم بھی کرتے ہیں لیکن فقط روز ابروشب مہتاب میں ایران میں دیکھا کہ ؛لوگ دوپہر کو دفتر بند کر دیتے ہیں اور پھر شام کو چھ بجے دوبارہ چلے آرہے ہیں بیچ میں کھانا کھا کر سوتے ہیں لیکن قیلولہ کو انڈونیشیا میں حاصل ہے کہیں نہ ہوگاایک بجا اور دفتر بند۔ سرکاری غیر سرکاری کی تخصیص نہیں ہمیں اپنے ٹکٹ پر روانگی کا وقت بدلوانا تھا ائیر کمپنی والوں نے کہا اب تو ہم دفتر بند کر ہے ہیں باقی کل دکانیں بھی بند کھانا کھایا اور انٹا غفیل ہوئے یہاں معلوم ہوا کہ سائیکل رکشا والا بھی مسافر کو لے جا رہاہو اور ایک بج جائے تو سواری سے کہتا ہے کہ یہیں اتر جائیے صاحب۔۔۔ اب پیدل چلئے بندے کےسونے کا وقت ہے شان قلندری کا مظاہرہ رکشا والا ایک بجے سے پہلے بھی کر سکتا ہے اگر اس کے پاس اس روز کےکھانے جوگ پیسے ہوجائیں کوڑی نہ رکھ کفن کو ۔۔۔ان لوگوں کا اصول معلوم ہوتا ہے سائیکل رکشا کو یہاں بیچا کہتے ہیں ہمارے بچوں کے

ڈرانے کی چیز ہوتی ہے لیکن ڈرنے کی اصل انڈونیشی بیچا ہے ہمارے ہاں رکشا کھنچا جاتا ہے وہاں دھکیلا جاتا ہے جیسے کراچی کی سڑکوں پر آئس کریم یا چائے کے ڈبے بیچنے والے کرتے ہیں گاڑی آگے اور گھوڑا پیچھے کی مثال سمجھ لیجئے فائدہ اس میں یہ ہے کہ ٹکرا اگر لگتی ہے تو مسافر کو لگتی ہے ڈرائیور تو مزے میں پیچھے ہوتا ہے یہ اختیار بھی ڈرائیور کو حاصل ہے کہ بیچا دوڑاتے ہوئے یک لخت بریک لگالے اور مسافر اپنے حال میں بیٹھا ہوا اچھل کر بیچ سڑک کے جاگرے اس میں شک نہیں کہ ہمارے ہاں کے رکشا والے بھی مشاق نہیں مسافر کو سامنے کی سواری سے ٹکرانے یا چاروں شانے چت زمین پر گرانے کا ہنر جانتے ہیں لیکن کہیں ہمارے ہاں بھی ایسے بیچا چلنے لگیں تو ان کا کام اور آسان ہوجائے ہم ایک بار اس میں سوار ضرور ہوئے لیکن پھر فورا یاد آیا کہ ہمارا تو زندگی کا بیمہ بھی نہیں ہے اورہوتا بھی تو سنا ہے خود کشی کرنے والے کو نہیں ملتا تھوڑی دور جا کر اتر گئے اور رکشا سے جان کی امان پائی۔

ایک دن بندونگ میں

جا کرتا میں پہلی ہی شب کسی نے پاچھا کہ اے میمان عزیز بندونگ جاؤ گے ۔

ہم نے کہا، جی جان سے جائیں گے سو کے بل جائیں گے بندعنگ جائیں گے۔

بالی جائیں گے سماترا جائیں گے جہا ں جی چاہے لےجایئے ہم آپ کو ناراض نہیں کرنا چاہتے،

باقی گفتگو کو غیر تصور کرکے میزبانوں نے کہا اچھا تو جایئے بندونگ ضرور جایئے،

ایک بار ایک ستم ظریف نے صدر میں ایک وکٹوریا والے کو روک کر پوچھاتھا۔

کلفٹن جاؤ گے ؟°°

وکٹوریا والا بولا ضرورجاؤں گا حضور ،

تو پھر جاؤ اس شخص نے نہایت سر چشمی سے کہا ۔

ہم ہیہ سمجھے کہ ہمارےمیزبان بھی ایسی ہی بے تعلقانہ رواداری کا اظہار کررہے ہیں ٹھیٹک کر رہ گئے اور پاچھاکتنا راستہ ہے کیا کرایہ لگتا ہے ؟

چار پانچ گھنٹےکا ریل بھی جاتی ہے لیکن آپ کو تو مادام ستمبر اپنے ساتھ اپنی کار میں لے کر جائیں گی ۔

ہم نے کہا،چپڑاسی اور دودو ،

نہیں شکریہ یہ کوئی بات نہیں یہ تو ہمارا فرض ہے ہمارے میزبان نے نے ہمارے ان کلمات کو شکریہ تصور کیا ایک لحاظ سے تھا بھی ۔

اگلے روز ہماری سواری بادبہاری سہ پہر کوجا کرتا سے روانہ ہوئی مادام کے پاس تین کاریں ہیں ہفتے میں میں بندونگ آتی جاتی ہیں کیونکہ گھر ان کا بندونگ میں ہےکتابیں چھاپنے کا کاروبار البتہ بندونگ اور جا کرتا دونوں جگہ بٹا ہوا تھا لنکا دیکھنا ہو تو کولمبوسے باہر جایئے کینڈی تک سفر کیجئے انڈونیشیا کی جھلکیاں مطلوب ہوں تو جا کرتاسےنکلیئے انڈونیشیا کی ہریالی اور دیہاتیت جا کرتا کے مضافات سے نکلتے ہی شروع ہو گئی پھلوں کی دکانوں میں ایک پھل ہمیں عجیب اور دلکش معلوم ہوا اس کےگچھے بندھے ہوئے بک رہے تھے جہاں کار ٹھری بہت سےلوگ گرد جمع ہوگئے ہم نے مادام سے کہا۔

کیا ہے یہ ،

بولیں رمبوتان ہے کھاؤ گے پھر ہمارے جواب کا انتظار کئے بغیر چار پانچ گچھے رکھوائےسوسوا پھل ہوں گے سائزرمبوتان کا آڑو کے برابر ہوتا ہےجلد سرخ اس پرکانٹے سے کھڑے چھیلا تو اندر سے شفاف لیچی کی طرح ،مزہ اور خوشبو دلنواز۔رستہ بھر ٹھونگتے گئے عمر بھر کا کوٹا ایک ہی روز کھا لیا۔

بندونگ کی شہرت اس افراد ایشیائی کانفرنس کی وجہ سے ہوئی جو ۱۹۵۵ء میں منعقد ہوئی تھی پاکستان بھی اس میں شریک ہا تھا حالانکہ یہ زمانہ محمد علی بوگرہ مرحوم کا تھا اور اس وقت تک ہم آ ٹھواں گانٹھ افراد ایشیائی کانفرنس کے اعلانوں اور اصولوں کا بعد میں کیا ہوا سبھی جانتے ہیں آں دفتر راگاؤ خردوآں گاؤ راقصا ب برد بھارت اہتمام کرنے والکوں میں آگے آگے تھا لیکن جب کشمیر کی بات تو پنڈت جی نے کہا پنچوں کا کہا سر آنکھوں پرلیکن پر نالہ وہیں رہے گا خیر بندونگ کا جذبہ اور اعلان ضتر بعد ہوئے لیکن بندعنگ تو موجود ہی تھا ہم نے کہا ان درد کو تو دیکھیں جہا ں افریقہ اور ایشیا کے آزادی پسند ٹا جمع ہوئے تھے اور اس اجتماع نے مغربیوں کے قصر استعماریت کو لرزادیا تھا لیکن بندونگ ابھی دور تھا البتہ بوگور آ گیا تھا جہا ں وہ مشہور قصرصدارت ہے جس میں صدر سوئیکا نو اپنے اختیارات سے دست کش ہو کرجا ٹکے رہا کھٹکا نہ چوری کا دعا دیتا ہوں رہزن کوجا کرتا کے قصر مردیگا اور بوگور کے محل آنے جانے کے لئے صدر موصوف ہیلی کاپٹر استعمال کرتے ہیں جب سے ان کی ہوا بگڑی ہے اس وقت ست تو بالخصوص یہ محل جس کے ہم نے فقط بند پھاٹک دیکھے اوردور سے اس کی پرانی ساخت لی لیکن پر شکوہ عمارت کا نظارہ کیا اپنے اسباب فاخرہ کے لئے مشہور ہے ۔

صدر سوئیکا نو نے کہ شوقین آدمی ہیں اسے ملک ملک کی تصویروں ،قالینوں شیشہ آلات اور دوسرے نوادر سے سجایا ہے اس محل کی پشت پر بوگور کا مشہور نباتاتی باغ ہے اسے دیکھنا بھی ہمارے پراگرام میں شامل تھا لیکن دیکھنا کہ پھاٹک بند ہے سوچا سہ پہر ہو چکی اس لئے بند ہوگا لیکن واپسی ہماری صبح دم ہوئی تب بھی بند ملا آ خر ہم نے باغ کے داروغہ سے ملاقات کی اور اقوام متحدہ کا نام درمیان میں لائے تو بطور خاص اجازت ملی معلوم ہوا کہ آج کل اسے احتیاط بند رکھا جاتا ہے کیونکہ صدارتی محل کے عین پچھواڑے واقع ہے وہ حصہ جو صدارتی محل کے ساتھ لگتا ہے وہاں جانے پر تو خاص طور پر قد غن ہے لیکن ہم تو وہاں بھی گئے استوائی طہ کے بلند قامت اور نامور الوجود درختوں پیڑوں اور پھولوں کی سیر کی لیکن یہا ں ہم اس سیر

کو تھوڑا ہی آتے تھے اس کی ویرانی بھی ہمیں عبرت کا تماشا نظر آئی ۔

ہے بہار باغ دنیا چند روز

یعنی ہر شے کا تماشا چند روز

راستے کے ہر دو جانب جنگل تھے اور ان کے پیچھے پہاڑ تھے ابر سے ڈھکے ہوئے ہمارے بندونگ پہنچنے تک درو دیوار پر تاریکی کا پہرا لگ چکا تھا یہاں کی فضا کھلی اور خوشگوار تھے جا کرتا میں تو بیزار کرنے والی گرمی تھی لیکن یہاں خنکی کا راج تھا مکان بھی نیچی ڈھلوان چھتوں والے لگتا تھا ہالینڈ کے دیہات میں انگریز ہمارے ملک میں آیت تو انھوں نے یہاں کوٹھیاں اور بنگلے انگریزی طرز کے بنائے ڈچوں نے بھی ہا لینڈ کے طرز تعمیر کو رواج دے کر وطن کی یاد کو تازہ کیا قلب شہر سے بازار شروع ہوا کچھ دکانیں کھلی تھیں لیکن اکثر بند ہاں ریڑھیوں اور خوانچہ والے کھڑے بیٹھے ہانکیں لگا رہے تھے ذہنی طرف کو ایک میدان سا نظر آیا جس کے گرد اگرد بیچا یعنی سائیکل رکشہ والے کھڑے تھے بائیں ہاتھ کو ایک خاصی وسیع عمارت دکھائی دی مادام ستمرد نے کہا یہاں ہوئی تھی بندونگ کانفرنس،صدر دروازے کی سلاخوں کے پیچھے فوجی پہرہ بھی نظر آیا اس سے چند قدم دہنے ہاتھ ہمارا ہوٹل تھا ہوٹل سیوائے ہومان۔

ہوٹل سیوائے ہومان ایک بہت وسیع وعریض عمارت ہے کئی سو کمرے ہوں گے ممکن ہے کسی ولندیری بزرگ نے بنایا ہو کیا نکہ اندر کا ناک نقشہ مغربی طرز معاشرت کا ہے جدید تو بالکل نہیں ہے لیکن آرام دہ ہے کمرے بڑے بڑے غسل خانوں کے ٹب ٹوٹے ہوئے شیشے،اندھے یا نیم اندھے ہمارا کمرہ بھی خوابگاہ اور نشست گاہ،دو حصوں میں بٹا ہوا تھا صوفے گرد آلود اور بھاری فون پرانی وضع کے ہوٹل پہلی جنگ عظیم کے لگ بھگ کی فضا میں سانس لے رہا تھا لیکن ہمارا کمرہ حسن اتفاق سے سامنے کے رخ تھا آگے آگے کچھ برآمدہ بھی تھا سامنے بہت سے آہنی پول کھے تھے یہاں بندونگ کانفرنس کے زمانے میں مختلف ملکوں کے جھنڈے لہراتے ہوں گے کیوں کہ کانفرنس کے زیادہ تر مندوب اسی ہوٹل میں فروکش تھے

ہمارے اس کمرے میں جانے کون ٹھہرا ہوگا ۔

راستے میں رمباتان اتنے کھائے تھے کہ اب ڈنر کی جگہ نہ تھی تا ہم چند نوالے اپنا جی رکھنے کو کھائے ڈائننگ ہال میں کوئی نہ تھا بس ہم تھے اس وقت تو باجے والوں نے جو بیٹھے جمائیاں لے رہے تھے اور سر کھجا رہے تھے ہماری تالیف قلب کے لئے تھوڑا انگریزی باجہ بھی بجایا۔

اب دل آوارہ نے قصہ باہر کی سیر کا کیا جدھر رونق نظر آئی ادھر کو نکل گئے فٹ پاتھوں پر کچھ لوگ اخبار، پلاسٹک کی چھوٹی موٹی چیزیں اور سگریٹ لئے بیٹھے تھے آگے کلچوں اور کبابوں والوں کی ریڑھیاں تھیں ایک لمبا چکر کاٹ کر اور بندونگ کانفرنس کی عمارت کے چوطرفہ گھوم کر ہم پھر اپنے ہوٹل کی سڑک کی طرف آئے یہاں فٹ پاتھ پر ایک بھلے مانس نے ہمارا راستہ روکا اور پوچھا ٹیکسی ؟

ہم نے کہا ۔ نو۔ ہمارا ہوٹل قریب ہی ہے،

ہماری کند ذہنی کو بھانپ کر کنکار کر وضاحت کی ٹیکسی گرل۔

ہم نے کہا نو نو ،،

ڈچ گرل ، انڈونیشن گرل، بیوٹی فل،،

ہم نے کہا نو ۔ نو۔ نو

ہمیں حقارت سے دیکھتا ہوا ایک طرف کو چلا گیا آدھی رات کو ہم بالکونی میں سے دیکھا اب بھی وہ سامنے چوراہے میں چکر کاٹ رہا تھا یہ ہوٹل سیاحوں کا مرکز ہے لیکن اس روز کا کاروبار مندا ہی معلوم ہوتا تھا دوسرے روز ہم نے کچھ تو اپنا کار منصبی بھگتا یا کچھ بندونگ کے سر سبزو شاداب کوچوں کی سیر کی واقعی سکون کی دنیا ہے جنت کا نقشہ ہے خدا جانے اس شہر کو چھوڑ کر لوگ جاکرتا میں رہتے کیوں ہیں ویسے بندونگ بھی خاصا شہر ہے مغربی جاوا کے صوبے کا دارالحکومت ہے گورنر بہادر یہیں رہتے ہیں سنڈا والوں کا گڑھ یہی ہے جو اہل جاوا کے زیادہ محبّ و مشتاق نہیں ۔

واپسی کے سفر میں مادام ستمرد نے پوچھا صدر سوئیکا نو کے بارے میں آپ کی کیا روئے ہے ؟

ہم نے کہا ،آپ کی کیا رائے ہے ،

فرمایا ۔ پہلے آپ

آخر ہم کہا ،، ہماری روئے تو بری نہیں ہے،،

تیوری چڑھا کر چپ ہو گئیں ،

تھوڑا آگے چل کر ایک سوال کیا ،

ناسی کورنگ کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے پسند آیا ۔

ہم نے ذہن پر بہت زور دیا کچھ یاد نہ آیا آخر پوچھایہ کون بزرگ ہیں کوئی جرنیل ہیں صدر سوئیکا نو کے حامی ہیں یا خلاف ہیں ،

کھل کھلا کر ہنسیں کہا یہ کسی آدمی کا نام تھوڑا ہی ہے میں تو ناسی کورنگ کے بارے میں پوچھ رہی ہوں،، اب ہم پر کھلا کہ اسپر فضا گاؤں کی طرف اشارہ ہے جس میں سے ہم گزر رہے تھے ہم نے کہا اچھا ہے فضا ہے آبادی کم معلوم ہوتی ہے ،،اپنی چاندی کی گھنٹیوں والی آواز میں پھر ہسیں عمر تو ان کی ایسی کم نہیں لیکن ہنستے اورباتیں کرتے میں بچہ لگتی ہیں آ خر بولیں بابا میں رات کے کھانے کی بات کر رہی ہوں رات کے مسالہ دور بھونے ہوئے چاولوں کی طرف اشارہ ہے ،،

ہم نے کہا ہمارے معمے بھجواتے وقت یہ وضاحت کردی جاتی ہے کہ شے مذکورہ کا تعلق نباتات سے یا حیوانات سے یا جمادات سے آئندہ آپ کسی چیز کے متعلق پوچھیں تووضاحت کر دیا کیجئے کہ رمبوتان کسی جرنیل کا نام ہے یا درخت کا مہوہ ہے یا عمارت ہے پرندہ ہے یا دودھ والا جانور ،،

اجنبی ملکوں میں ناموں کے ساتھ مسافرکو اس قسم کے تجربے ہوا ہی کرتے ہیں اگر مادام ستمرد ہمارے ہا ں چند دن رہیں اورتھوڑی بہت شدبد بھی یہاں کے ناموں کے متعلق حاصل کر لیں تب بھی اس امر

کا امکان ہے کہ پوچھیں کھارادر کیت متعلق کیا روئے ہے ،،
اور وہ فرمائیں اچھا ہے لیکن اس میں مرچیں زیادہ تھین ۔
ہم پوچھیں،، روغن کو آپ نے کیسا پایا ،،
اور وہ جواب دیں کہ بڑا شاعر ہے لیکن زبان مشکل لکھتا ہے آ خر چند دن کے قیام میں تو جوش اور روغن کا پتہ نہیں چلتا خصوصا جبکہ مرغن دونوں ہوں ۔

باتیں اس کی یاد رہیں

اب جو ذکراس بطل جلیل کا آیا ہے تو کچھ باتیں اس کی سنیئے باتیں اس کی یاد رہیں پھر باتیں نہ ایسی سنیئے گا،،
صدر سوکارنے دوسری جنگ عظیم میں جاپانیوں سے تعاون کیا تھا کیونکہ ولندیزوں سے اوران کے واسطے سے اتحادیوں سے سو کار نو اوران کے حیرت پسند ساتھی خوش تھے جاپانیوں سے تعاون کیا لیکن ان کے سو فیصد پٹھو یہ کبھی نہ بنے اپنی قوم کو مضبوط اور مسلح کرتے رہے جاپانیوں نے ان سے آزادی کا وعدہ کیا تھا جاپانی شکست نہ کھاتے تو یہ کہنا مشکل ہے کہ اس وعدے کا ایفا کہاں تک ہوتا خیر ادھر جاپان کی طاقت ٹوٹی ادھر اتحاد ی دوبارہ قبضہ کرنے اور ہالینڈ کو مسلط کرنے کے لئے آموجود ہوئے لیکن انڈونیشی قوم نے اپنی آزادی کا اعلان کیا جمہوریہ بنالی اور پھر مل کر بیٹھ کر سو کار نو کو اپنا صدر مقرر کیا ۔
یہ سب کچھ بڑی بے سرو سامانی میں ہوا بس پنچایت بیٹھی اور ایک نبات کہہ دی ان کی بی بی فاطمہ نے ایک کپڑا لال لیا اور دوسرا سفید اوتر دونوں کو سی کر پرچم بنا لیا زمین میں ایک بانس گڑا تھا اسے اکھاڑ کر یہ پرچم اس سے لٹکا دیا یہ بانس کچھ ایسا لمبا بھی تھا لیکن اس وقت بس یہی میسر تھا باجے بھی نہ بجے

اعلان آزادی بھی جو ساڑھے تین سو سال کی غلامی کا جوا اتار پھینکنے پر پڑھا گیاآب زر سے کسی خریطے پر رقم نہ کیا گیا تھا بلکہ سوکار نو فرماتے ہیں کہ ایک بچے کی اسکول کی کاپی سےلکیر وار کا غذکا ایک ورق پھاڑ کر میں نے اپنے ہاتھ سے لکھ دیا تھا اور میرے ساتھ ڈاکٹر حتی نے اس پر دستخط کر دیئے تھے یہ سب کچھ توہوا لیکن ہالینڈ والوں کو تو اپنی سلطنت کا گم گشتہ نگیں انڈونیشیا بازیاب کرنے کی فکرتھی ان کےساتھ جمعیت تھی اورہتھیار ڈالتے وقت جاپانیوں کو بھی یہ وعدہ کرنا پڑا تھا کہ ہم سلطنت اور نظام سلطنت آپ کے حوالے کریں گے نتیجہ یہ ہواکہ انھوں نے نئی جمہوریہ کومع اس کے صدر کے جو کھدیا تو ابھیں جا کرتا سے بھاگ کر جو گجا کرتا میں پناہ لینی پڑی۔

جب قوم نے ڈاکٹر سوکار نو کو اپناصدر بنالیا امیر مملکت نامزد کیا تو سوکارنو کہتے ہیں کہ نہ مجھ پروقت طاری ہوئی نہ میں نےکوئی جذباتی تقریر کی یہ ساراکھیل معلوم ہوتا تھا لوگوں نے آپ صدر بن جائیمیں نے کہا ۔۔اچھا بھئی ۔او۔۔کیٔس مقام بلند پر فائز ہونے کے بعد بھی شام کو مجھے پیدل ہی گھر آنا پڑا بھوک لگ رہی تھی روستے میں ایک تکے کباب بیچنے والاننگے پاؤں بیٹھا انگیٹھی سلگاتےنظر آیا۔

ہزایکسی لنسی صدر جمہوریہ انڈونیشیا وہیں اپنے پائنچے اونچے کر کے زمین پر بیٹھ گئے اور کہا بنانا تو میاں پچاس ایک سخیں وہ بناتا گیا اورہم کھاتے گئے یہ تھی جشن آزادی کی دعوت لیکن اب وہ مرحلہ تھا کہ ولندیزوں نے اس آزادی پر کمپا مار کر صاحب‌صدر اوتر ان کی حکومت کو جو گجاکرتا بھگادیا تھا یہ بات ۴ جولائی ۱۹۴۶ء کی ہے ہمارے ہاں بھی آزادی کی آمد آمد کا غلغلہ تھا اور انڈونیشیا کی جمہوریہ ہمارے قومی اخباروں کی سوخیوں میں جلوہ گر ہوتی تھی لیکن اب آیئے صدر سوئیکار نوکی زبانی سنیئے۔

ہم حکومت سے زیادہ چوروں کارٹولہ معلوم ہوتے ہیں ہمارے پاس کچھ بھی تو نہ تھا نپ نائپ رائٹرکاغذ نہ ہوائی جہاز کچھ سامان ٹوٹا پھوٹا ریڈیو کا تھا وہ بھی ۱۹۳۵ء کا پرانا خزانہ عامرہ میں کچھ‌بھی نہ تھا جاپانی سکے کی بھی قیمت نہ رہی تھی ڈاکٹر سو ہار تو (یہ اور سوہار تو ہونگے) ہمارے خازیان یا وزیر خزانہ تھے

ان کے پاس نوٹوں کے گننے کا وقت نہ تھا بس ڈھیر کے ڈھیر تول کر سیروں کے حساب بھیج دیتے تھے البتہ مرکزی جاوا پہنچ کر ہم نے اپنی کرنسی خوفد تیار کرنی شروع کردی لیکن اسے کوئی بھی قبول نہ تھا ہمارے پاس اس کرنسی کی پشتی بانی کے لئے کیا تھا سوائے اس ہینڈ پریس کے جس پر ہم نوٹ چھاپتے تھے سونے چاندی کا تو نام نہ لیجئے ۔

ہمارا کام چلتا تھا اسمگلنگ سے ہر شخص اسمگل کرتا تھا آج کل(۱۹۶۴ء) جو ہمارا سفیر ہے وہ شکر اسمگل کرتا تھا امریکہ میں ہمارا سابق سفیر افیم کا اسمگلر تھا اسمگلروں کے چار مشہور اڈے تھے سنگا پور۔ بنکاک۔ ہانگ کانگ۔ اور منیلا ہمارے آدمی چاروں جگہ کام کر رہے تھے سنگا پور تو ہمارے لئے سونے کی کان تھی وہاں کے گوداموں میں جتنا کپڑا تھا وہ ہم اٹھوا لائے تھے پھر انکشاف ہوا کہ انگریزوں کو رشوت دینا بھی مشکل نہیں یہ بزرگ ہم سے افیم لیتے اور فوجی اسٹور سے جوجی وردیوں کے گٹھڑا ٹھا کر ہمارے ہمارے حوالے کر دیتے بعد ازاں اس بات پر پردہ ڈالنے کے لئے وہ اسٹور کو آگ لگا دیتے تھے ان ان دنوں ہر روزسنگاپور کے فوجی اسٹور میں کئی جگہ آگ لگتی تھی ۔

ہمارے فوجی جوانوں کی سج دھج بھی دیکھنے کی ہوتی تھی ایک رجمنٹ کو دیکھا کہ کینڈین ٹوپیاں پہنے ہوئے ہے دوسری رجمنٹ انگریزی بلا و زیب تن کئے ہوئے تھی ایک صاحب نے مجھے ایک روز مجھے ایک پیکٹ تحفے میں لا کر دیا یہ آسٹریلیا کی زمانہ فوجی کورکا اسکرٹ ہے لانے والا بہت خوش معلوم ہوتاتھا کہہ رہا تھا کہ بہت عمفدہ مال ہے اور بالکل نیا نکور ۔سکرٹ پہنتا تو میں کیا نھلا معلوم ہوتامیں نے اس کی فدو نیکریں بنوالیں اور کئی سال تک پہنیں ۔

میری کابینہ کےایک عالی مقام رکن نے تماترا سے نو سیر سونا اور ۳۰ سیر چانسی اسمگل کی اوراس سے ہم نے بیس ہزار وردیوں کی قیمت چکائی یہ صاحب جن کا نام میاں غنی تھا ہالینڈ والے انھیں چھٹے ہوئے بد معاش کے نام سے یاد کرتے تھے لیکن ہماری کابہنہ میں ان کا لقب وزیر اقتصادیات تھا۔

پیسے لے کر کام کرنے والے غیر ملکی طائع آزماؤں کے علاوہ کچھ دلی ہمدردی بھی تھے اوک روز ایک لڑکا سا آیا بولا میرا نام باب فریبرگ ہے میں امریکن ہوں اور پائلٹ ہوں آپ کے کس کام آسکتا ہوں ان دنوں ہانگ کانگ پرانے سیکنڈ ہینڈ ہوائی جہاز وں کی منڈی بنا ہوا تھا ہانگ کانگ میں کیا نہیں مل سکتا گرہ میں دام ہونے چاہیئں ہم نے دو پرانے ڈکوٹا جہازخریدے اور باب فریبرگ مجھے جگہ جگہ اڑانے لئے پھرا افسوس کہ ۱۹۴۷ء میں جب وہ سماترا کے چھاپہ ماروں کے لئے روپیہ لے کر جا رہا تھا اس کا جہاز گر کرتباہ ہوگیا۔

ہندوستان نے بھی ہماری مدد کی یہ قیام پاکستان سے پہلے کا ذکر ہے سورا باباکی لٹائی میں چھ سو ہندوستانی بھاگ کر ہم سے آملے یہ لوگ پیدائشی اسمگلر ہیں ہندوستان میں ان دنوں قحط پڑ رہا تھا یہاں سے یہ لوگ چاول لے گئے اورجوابا ایک ہوائی جہاز ہمارے لئے اسمگل کر لائے یہ جہازآدھی رات کو منیلا روانہ ہوتا تھا کافی اورکونین لے کر اور واپسی پردواؤں مشینی پرزوں اور گولہ بارود سے بھرا آتا تھا۔

یاد رہے کہ ہالینڈوالوں نے انڈونیشیا کی مکمل ناکہ بندی کر رکھی تھی لیکن وہ اپنی ضرورت سے خوداسمگل کراتے تھے وہ یوں کہ انھیں میٹن اور ربڑکی سخت ضرورت تھی یہ شے انڈونیشیا سے خریدتے اور انگریزوں سے ڈچ لیتے تھے بے خبر اس کاروبار سےکوئی بھی نہ تھا پھر جب ولندیزیوں کو مجبور ہو کر مصالحت کے لئے مذاکرات کرنے پڑے تو سوکار نو صاحب کے وفد میں ایک دیہاتی ڈاکٹر لیمینار نامی شامل تھے یہ صاحب بعد ازاں نائب وزیراعظم بھی بنے مذہبا عیشائی تھے وفدمیں‌تو شامل ہو گئےلیکن کپڑوں کے نام سے ان کے پاس فقط دو نیکریں تھیں اور دو قمیصیں ایک پہنے تھے ایک دھوتے تھے سرکاری نہ عورتوں میں‌جانے کے لئے ایک دوست سے مانگ کر ٹائی بھی پہن لیتے تھے سوکارنو نے کہا کپڑوں کا کیا کرو گے لیمینار صاحب بولے فکر مت کرو میں‌اپنے کمرے میں جن صاحب کت ساتھ رہتا ہوں ان کا قد کاٹھ مجھی سا ہے اس کے کپڑے مجھے پورے تو فٹ نہیں آتے لیکن کام چل سکتا ہے ایک دو دن کی تو بات ہے

میں نے ان کا سوٹ ادھار مانگ لیاانڈونیشی ڈیلی گیشن میں کچھ اور لوگ بھی ایسے ہی تھے بلکہ بعضوں نےتو جوتے مانگے کے پہنے تھے ادھر ہالینڈ کے ڈپلومیٹ پورے کرو فرکےساتھ چرمی بریف کیس لئے بے داغ سوٹ اور ریشمی جیکٹ میں بنے ٹھنے آئے تھے انگریز جو غیر جانبدار فریق کے طور پر شریک تھے سبھی کے سبھی یا تو سر تھے یا لارڈ وہ جب ہمارے آدمیوں کو یوئر ایکسی لینسی کہہ کر خطاب کرتے تو ہمیں بہت مزا آتا تھا۔

صدر سوئیکار نو آزادی کے مزے بیان کرتے ہوئے اپنی رام کہانی میں فرماتے ہیں اب ہم نے بین القوامی دنیا میں بھی پر پرزے نکالے اورسب سے پہلے عرب لیگ ہندوستاب ،برما ،افغانستان ،چین،امریکہ،برطانیہ، اور چیکو سیلو ویکیا سے اپنے سفارتی تعلقات قائم کئے فلپائن میں ہمارے پہلے ہزاایکسی لینسی سفیر کی تنخواہ چھ ڈالر تیس روپے فی ہفتہ تھی سفارت خانہ ایک حجام کے گھر میں واقع تھا اور وہیں سفیر صاحب اور ان کی بیگم کھانا بھی کھاتے تھے ایک روز صدر فلپائن نے یاد فرمایا تو یہ اسی نائی کا کوٹ ادھار مانگ کر پہن کر گئے ایک روزسفیر صاحب کی کل پونجی بیس سینٹ یعنی سوا روپے کے لگ بھگ رہ گئی تو میاں بی بی نے بازار سے تین سیب خریدے اور ان کو پانی کے ساتھ کھا کر دو دن گزار دیئے۔ جب ہندوستان اور چین نے اپنے تو قص خانے جو گجا کرتامیں کھولے تومیں نے ان کو سرکاری ضیافت دینا مناسب خیال کیا برتنوں کے نام سے میرے پاس پلاسٹک کی چند ہری پیالیاں اور پرچیں تھیں آ خر میرا آدمی مطہر بھاگا بھاگا بازار گیا اورایک چینی ریستوران سے پلیٹیں اوتر چھری کانٹے مانگ کر لایا دستر خوان وغیرہ پڑوس کے گھروں سے اکٹھے کئے۔

ہمارا پہلا ہم مہمان فلپائن کے صدر مولو صاحب تھے مشروبات کے نام سے ان کو ہمارے ساتھ پانی پینا پڑا شراب کہاں سےلاتے۔

ہر ملک کے صدر کا ایک فوجی افسر ایڈی کانگ بھی ہوتا ہے اس کے بغیر کروفر پورا نہیں ہو سکتا ایک لڑکا

مجھے پسند تھا میں نے اس سے کہا دیکھو میاں آج سے تم لیفٹینٹ ۔۔۔۔سمجھے

وہ بہت خوش ہوااور مجھے سلام کیا لیکن اس کے بعد میرے ایک مشیر نے کہا یہ آپ نے کیاکیا ہالینڈ کی ملکجہ جو لیانا فقط ایک کروڑ باشندوں پر حکمران ہے لیکن اس کا ایڈی کانگ کرنل ہے سات کروڑ کے حکمران صدرجمہوریہ انڈونیشیا کا ایڈی کانگ محض ایک نفٹینٹ کہتے تو تم ٹھیک ہومیں نے کہابلاؤذرا نفٹین صاحب کو،،

نفٹین صاحب آئے تو میں نےکہا تم کب سے نفٹین ہو ٹ۔

جناب کوئی ڈیڑھ گھنٹے سے ہیں اس نے سلوٹ مار کر کہا ۔۔

خیر ہم ایم نو جوان‌قوم میں اور تیزی سے ترقی کرنا چاہتے ہیں‌آج سہ پہر سے تم میجر۔

ان‌دنوں میں جب جی چاہتا جو گجا کرتا کی گلیوں میں نکل‌جاتا کبھی بچوں کے ساتھ گیند کھیلتا کبھی کسی گھر میں داخل ہو کر گرم گرم سبزیوں کا ذائقہ چکھتاکسانوں سے ان‌کااحوال پوچھتا کیسے ہو بال بچے راضی ،،

لوگوں نے بھی آزادی کا مطلب جوچاہا سمجھا ٹرام‌میں کسی نے کرایہ مانگا تو ٹکہ سا جواب دیتے کیسے پیسے اب ہم آزاد نہیں کیا،،ہماری فوج افواج کی پہلی‌سالگرہ پر مناسب سمجھا گیا کہ گھوڑےپر بیٹھ کر جائزہ لوں مشکل یہ تھی کہ مجھے گھوڑے کی سواری نہ‌آتی تھی ۔

کیا کرو گے فاطمہ دتی نے پوچھا ۔

سیکھوں گا کسی سے میں نے کہا ۔

لیکن پریڈتو کل ہے۔

پھر تو ایک دن میں سیکھنا ہوگا،،

آخر میں نے ایک افسر سے کہا بھائی میرے لئے کوئی بہت مسکین ،ضعیف سال خردہ نیم مردہ گھوڑا ڈھونڈ کے لاؤ رسم ہی توپوری کرنی ہے ،،

لیکن افسر نے کہا۔۔نہیں جی نہیں صدر کی سواری کوئی مذاق نہیں ہے جو ان درشنی گھوڑا آئے گا میں اس پر سوار تو ہوگیا لیکن باجے گاجے بجے تو بدک کر بھاگا میری جان نکلی جا رہی تھی لیکن اتنے لوگوں کے سامنے ہیٹی کیسے کراتا تن کر سیلوٹ کے لئے ہاتھ اٹھا لیا اور اسلامی یعنی شروع کی اس حیوان کے جی میں بھی نیکی آئی اور اس نے مجے نیچے پٹخا نہیں،،

زاں پیشہ کہ ہم انڈونیشیا سے آگے چلیں اور صدر سوئیکار نو سے اجازت لیں ایک بے تلف ٹکڑا ان کی سوانح میں سے اورملا حظہ ہو موقع یہ ہے کہ پہیرو شیما پر بم پڑا اور جاپانیوں کو اپنا حشر سامنے دکھائی دیا تو انھوں نے طےکر کے کہ انڈونیشیوں کو آزاد کر دیاجائے کچھ لیڈروں کو ہوائی جہاز میں سائیگون طلب کیا واپسی پر جہاز ہمیں ملاوہ ایک بمبار۵ تھا جس میں جا بجا گولیوں کے سوراخ تھے اس میں بس پائلٹ اورکو پائلٹ تھے یا ہم سیٹیں بھی نہ تھیئں یا تو کھڑےہو یا سارا وقت لیٹے رہو اتنی بلندی پر سردی میں ٹھٹھر رہےتھے ٹمپریچر کنٹرول کرنے کا کوئی انتظان نہ تھا حتی کہ بیت الخلا بھی نہیں تھا۔

مجھے تو زوروں کا پیشاب لگ رہا ہے میں نے ایک ساتھی سے کہا اس نے ادھر ادھر دیکھ کر کہا۔

اور تو کوئی جگہ ہے نہیں یہیں کر لو،،

تھوڑی دیر تک تو میں نے ٹالا پھر اٹھ کر جہاز کے عقبی حصے میں گیا اور وہاں بیٹھ کرپیشاب کیا ستم یہ ہوا کہ اسی لمحے گولیوں کے سوراخوں میں سے ہوا کا جھونکا آیا اور اس نے ایک زور وار تریڑے کی صورت سب کچھ اچھ کرمیرے پاک صاف ساتھیوں پر ڈال دیا بیچارے بیٹھے بیٹھے شرابور ہو گئے۔

ایسے جہاز میں واپسی علامت تھی اس بات کی کہ اب جاپانیوں کو ہم سے توقع اٹھ گئی ہے لیکن ہم تو اسے بھی ان کی شرافت ہی کہیں گے کہ واپسی کے لئے سواری سی لیکن جانے کو نہیں کہا۔

متفرقات انڈونیشیا

اگر آپ کو کچھ شد بد ہندی کے سنکرت الاصل لفظوں کی ہے اور کچھ دخل عربی میں بھی ہے الفاظ کی حد تک سہی تو انڈونیشی زبان کے بہت سے الفاظ آپ کے لئے اجنبی نہ نکلیں گےیہی بات آپ ملائیشا کے بارے میں بھی سمجھتے اگر چہ رسم الخظ کا فرق رہے گا انڈونیشیا والے رومن رسم الخظ رکھتے ہیں ملائیشیا میں عربی رسم الخظ بھی چلتا ہے پھر رومن میں ایک ہی لفظ کے ہجے انڈعنیشیا والے کچھ کریں گےملائیشیا والے کچھ وہ اس لئے کہ انڈونیشیا دلندیروں کے تحت تھا اور یہ ملک انگریزی کے سایہ عاطفت میں رہے انڈونیشیا میں ج کے لئےdj لکھنا ہوگا کیونکہ خالی جے جے کا تلفظ ی یا ژ کا ہے ملا یااور سنگا پور میں انگریزی کا سا تلفظ ہے مشہور جرنیل نا سوتیاں کو ہمارے ہاں بہت سے لوگ ناسوشن لکھتے ہیں یہ خیال کرکے وہاں tionد کا مطلب شن ہی ہوگا یہ بات نہیں ہے یہ سچ ہے کہ اب انڈونیشیا کے لوگ بھی ڈچ سے دور اور انگریزی زبان سے قریب آرہے ہیں اوراس کا اثر تلفظ بھی پڑے گا ہجوں کی اصلاح بھی ہو رہی ہے کی آواز ڈچ حساب سے دہی ہے جو انگریزی میں u کی ہے سوکار نو کو ہم لوگ سوئیکارنو اس لئے لکھتے ہیں کہ رومن حروف میں وہ بالعموم soekarno لکھا جاتا ہے نئ کتابوں میں اس کی بجائے u ہی ہے خود سوکار نو صاحب کو دستخط کرنے ہوں تو پیچھےانگریزی میں ٹائپ ہیں sukarno ہی لکھا ہوگا لیکن دستخط تو عمر بھر کی عادت ہیں ان کا بدلنا ایسا آسان نہیں ان میں وہی oe برقرار ہے انڈونیشیا کے مشہور اور مرحوم سوشلسٹ رہنما کو ہمارے ہاں سلطان شہر یار لکھا جاتا ہے سلطان تو خیر وہ نہ تھے سوتن تھےلیکن sjahrir کو جو بعض لوگ سجاہریر پڑھتے رہے وہ بھی غلط تھا کیونکہ sj کا مطلب ش ہے شہریار تھے یا کچھ اور۔۔۔ یہ ہم نہیں کہ سکتے۔

انڈونیشیا میں اسلام آنے کی طرح کوئی چھ سات صدی پہلے آیا وہ پرانا نہیں اس سے پہلے یہاں مقامی ہندو بادشاہتوں کےاثرات زیادہ رہے ہیں بالی کے جزیرے میں توہندو اب بھی خاصی تعداد میں ہیں اور ہندو

روایات اوراساطیرانڈونیشیا زندگی میں رسی بسی ہیں رامائن اورمہارات وہاں کے تہذیبی ورثے میں شامل ہیں رقص سے لے کر دیگر تفریحات اورمہا بھارت وہاں کے تہذیبی ورثے میں شامل ہیں رقص سے لے کر دیگر تفریحات کٹھ پتلیوں اور نقابوں تک پران کی چھاپ پے پرانے طرز تعمیر پر بھی ہندو اثرات غالب تھے پھر ان کی جگہ مغربی اثرات نے لی مسجدوں کا طرز تعمیر بھی وہاں ہم سے الگ ہے بیچ کا گنبد تو خاصا بڑا ہوتا ہے بلکہ نصف کڑے ستے زیادہ لیکن کونوں کے منارے اونچے نہیں ہوتے ویسے مسجدیں بھی‌ایک وضع کی نہیں کئی وضعوں کی دیکھنے میں آئیں اس کا ذکر میں ہم یہ بھی بتاتے چلیں کہ انڈونیشیا میں‌قریب قریب‌سبھی مسلمان‌شافعی مسلک کے‌ہیں شیعیت ان جزائر میں کبھی نہیں پہنچی احمدی حضرات البتہ تھوڑی سی تعداد میں ہیں ۔

آبادی کا نمایاں حصہ مسلمان ہونے‌کے‌باوجود انڈونیشیا میں دوسرے مذہبوں سے رواداری برتی جارہی ہے ایک عمارت عالی شان ہمارے ہوٹل سے کچھ دور اور سر ینا ڈیپارٹ منٹل اسٹور کے سامنے بن رہی ہے معلوم ہوا یہ امور مذہبی کے لئے وقف ہوگی ہم نے پوچھا یہاں اسلام پر ریسرچ ہوگی کیا ہمارے دوستوں نے بتایا کہ نہیں یہ سبھی مذاہب کے لئے ہے ویسے اسلامی اور اسلام پسند سیاسی اور غریب سی جماعتوں نہضتہ العلما وغیرہ کا اثر بھی خاصا ہے نہضتہ العلماء یا مشومی جماعت سے صدر سوئیکار نو کی کبھی نہ بنی خود پختہ عقیدے کے مسلمان ہیں اسلام سے والہانہ شیفتگی رکھتے‌ہیں لیکن سیاست‌میں ان کانظر اول تا آخر قومی رہا ہے سارے‌سیاسی فلسفوں پر ان کی نظر ہے۔

سوئیکارنو کو زیادہ بنگ کار نوکہتے ہیں بنگ کا مطلب ہے بھائی یعنی‌ساری قوم ان کوبڑا بھائی کہہ‌کر خطاب کرتی تھی س ہندی سنسکرت کی طرح تحسین کے معنوں میں‌آتا ہے جیسے پوت سےسپوت دیسی سے سدیشی ہندی میں‌ہے۔۔ سکارنو کا مطلب اچھا کار نو قابل تحسین کارنو ہوا خالی نام‌کار ٹھہرا اور ان کے دوست ان کو کارنو ہی کہا کرتے تھے سوکار نو صاحب کی خود نوپشت سوانح عمری سے معلوم ہوا

کہ یہ مہا بھارت کے مشہور کردار کرن کا انڈونیشی روپ ہے بعد میں کسی نے اس کے ساتھ احمد بھی لگا دیا جانے کیوں احمد کبھی بھی سوئیکار نو کے نام کا جزو نہیں رہا عورتوں کے ناموں کے ساتھ دیوی اور وتی ہوتی وغیرہ بھی پرانے ہندو اثرات کے گواہ ہیں ۴ اصلک واحب۔مکان۔عمر۔کتاب۔عموم۔وغیرہ ان سب ناموں سے ہمارے کان آشنا ہیں دنوں کے نام تو خالص عربی ہیں پیر کو اثینن کہتے ہیں سنگل ثلانہ ہے بدھ رابع جمعرات خضامس اوتر جمعہ کو جمعتہ لکھا اور بولا جاتا ہے ہفتے کو سبتو کہتے ہیں اتوار کے لئے البتہ لفظ احد بھی استعمال ہوتا ہے اورمقامی لفظ منگو بھی کچھ اور الفاظ سنئے زبان فقیر۔مشاورت۔تعلیم۔قلم۔تقوے مسکین۔عادۃ وغیرہ ہندی اثرات کے ثبوت میں روتی (روٹی) مریچا (مرچ) اور دوت سفیر کو پیش کیا جا سکتا ہے خاتمہ کلام پر اخیر الکلام کہتے ہیں یہاں مکتب بھی ہیں ہماری طرح مسجدوں کے ضمیمے کے طور پر لیکن اپنے اچھے پڑھے لکھے انڈونیشی دوستوں کو دیکھا کہ عربی رسم الخض نہیں پڑھ سکتے کچھ لوگ پڑھتے بھی ہیں اور ملائیشیا میں چھپی ہوئی مشترک روایات کی کتابیں عربی رسم الخض او ر ملاۂ زبان میں لکھی ہوئی خریدتے بھی ہیں لیکن ان کی تعداد زیادہ نہیں ہر طرف رومن کا چلن ہے اور اے پاکھتانی بھائیو سنو جواندگی کا تناسبوہاں سو فیصدی کے لگ بھگ ہے سبھی پڑھے لکھے نہیں تو پڑھے توضرور ہیں ۔

جن جن ملکوں میں موٹریں سڑک کے داہنے ہاتھ چلتی ہیں وہاں ہمیشہ یہی محسوس ہوا کہ اب ٹکر ہوئی کہ ہوئی افغانستان م۹یں بھی ہمارا قریب ترین ہمسایہ ہے یونہی الٹی گنگا بہتی ہے پشاورکابل جاتے ہوئے پاکستان کے علاقہ میں تو وہی ڈرائیور بائیں ہاتھ گاڑی رکھتاہے لیکن توزخم سے سرحد کی لکیر گزرتے ہی داہنے ہاتھ کو ہوجاتا ہے فلپائن میں بھی یہی دیکھا کیونکہ وہ ہسپانوی اثر کے تحت رہا ہے ہالینڈیں میں بھی یہی توقع تھی لیکن وہاں ہماری طرح بائیں ہاتھ کا رواج ہے بس یہ ایک نشانی رہ گئی ہے کہ یہاں انگریز کا عمل و دخل رہا ہے یا پھر رہفلیز کا نام ہے کہ انڈونیشیا ہو یا ملائیشیا ہرجگہ آپ کے حسن کے شیطان مشہور تر ۔کچھ لوگ تو یہ مشا بہت ان کی شہرت کے علاوہ ان کے خصائل میں بھی ڈھونڈتے ہیں لطف

یہ ہے کہ عہد اس کا فقط چار سال رہالیکن بوگورکا مشہور نباتاتی بغ دیکھا تو معلوم ہوا کہ ریفلیز نے داغ بیل ڈالی میوزیم دیکھا تو معلوم ہوا اسی بنایا تھا سنگاپور میں تو خیر ہوٹل باغ۔سرائیں محل بھی ریفلیز کےنام پر ہیں طبیعت کے لحاظ سے زر پسند اور جاہ پسند یا امپیریسٹ تو تھا لیکن انڈونیشی تہذیب وثقافت پر اس کی گہری نظر تھی اس نےانڈونیشیا دوبارہ ولندیزیوں کے قبضے میں گیاتو انھوں نے سارےطور طریقے یکسیر بدل ڈالے ہالینڈ والےجزائر مشرق الہنذا کے علاوہ سنگاپور اور جزیرہ نما ملایا میں بھی در آئے تھے آ خر یہ بند ر بانٹ ہوئی کہ انگریز انڈونیشیا سے نکلے اورولندیزیوں نے سنگاپور کا پنڈ چھوڑا خیر یہاں ذکر ٹریفک کا تھا کہ ولندیزیوں کیا جاپانی تک دھارے کارخ نہ بدل سکے۔

ٹریفک کے ذکر میں سنئے کہ کاروں ،ٹرکوں کی ریل پیل یہاں کراچی سے بھی زیادہ نظر آئی ایسے ٹریفک جام دیکھے کہ ہمارے ملک میں جب جاپانیوں سےرستگاری کے بعد سوئیکارنو نے آزادی کا اعلان کیا توکسی لیڈر کیا صدر موصوف کے پاس کوئی کار تک نہ تھی ان لوگوں میں سے کوئی گاڑی چلانا جانتا تھا حتی کہ سوئیکار نو صاحب بھی سائیکل کی سواری کرتے تھے لیکن اتنی بڑی جمہوریہ کے صدر کے لئے گاڑی تو چاہیئے ہی تھی آ خر کسی نے بتایا کہ ریلوے کے فلاں جاپانی افسر کے پاس ہےسات آدمی اس میں بیٹھ سکتے ہیں اور پردے بھی اس کے پیچھے لٹکے ہوئے ہیں ایک شخص بھاگابھاگا گیا اورگیراج میں سے اسے چرا لایا انڈونیشی ڈرائیور بھی محبّ وطن تھا اس نے پہلے تو تعجب کیا پھر انکار کیا لیکن جب اسے بتایاکہ یہ صدر کی سواری کے لئے ہے بولا یہ لو جی چابیاں لیکن مجھے چھٹی ۔وہ تو اپنے گھر بھاگ گیا جو کسی گاؤں میں تھا یہ لوگ گاڑی دھکیل کر صدر کے محل تک لائے ۔

انڈونیشیا

۱۹٦۷ء

سنگا پور میں قدم رنجہ

سنگا پور کے جزیرے کا رشتہ جزیرہ نمائے ملایا سے ایسا ہی ہے جیسا منورہ کے جزیرے کا کراچی سے جہاں ہمارے ہاں کیماڑی ہے وہاں ملائیشیا کا شہر جو ہور ہے جوہور کا نہیں تو سلطان جوہور کا نام تو آپ نے سنا ہی ہوگا اسی تذکرے میں ہم عرض کر دیں کہ ہانگ کانگ بھی اسی طرح جزیرہ ہے اور اس کا رشتہ بھی سر زمین چین سے ایسا ہی ہے فرق یہ ہے کہ سر زمین چین کی نوک کا ایک سرا ابھی انگریزوں کی عمل داری میں ہے اسے کولون کہتے ہیں اور کولون کے ریلوے اسٹیشن سے چل کر ریل گاڑی میں کینٹین ۔پیکنگ ۔شنگھائی غیرہ سیدھے جا سکتے ہیں لیکن ہانگ کانگ اور کولون ہر چند کہ مل کرایک سیاسی وحدت ہیں اور مجموعا ہانگ کانگ ہی کہلاتے ہیں لیکن ان کے درمیان پل وغیرہ کا سلسلہ نہیں بس فیری چلتی ہے جسے اردو میں بیڑی کہیئے سنگاپور اورملائیشیا کے درمیان کی کھاڑی پر البتہ پل ہے پون ایک میل لمبائی پل پار کیجئے اورملائیشیا میں داخل ہو جائیے جا کرتا سے گیرو ایئرلائن کا طیارہ کوئی بیس منٹ کی دیر سے چلا بعد ازاں معلوم ہوا کہ یہ تا خیر ہمارے اعزاز میں ہوئی ہے تو ہم یہ سوچ کر آبدیدہ ہو گئے کہ ایک لوگ ہیں اور ایک ہمارے وطن عزیز کے پی آئی اے والے ہیں کہ ایک روز ہمیں بس پانچ منٹ کی دیر ہوگئی تھی راستے میں رک کر انسان چائے کی ایک پیالی بھی نہ پیئے پان بھی نہ کھائے ان لوگس نے جہاز کے دروازے بند کر کے سیڑھی کھینچی لی ہم نے بہت کہا کہ ہم شاعر آدمی ہیں اتنی ڈھیل تو ہمیں دے دو لیکن وہ ان نفاستں کو کیا جانیں الٹا ہماری دل آزادی کے لئے یہ کہا کہ ہم تو لاٹ صاحب کے لئے بھی جہاز لیٹ نہیں کرتے شاعر کیا چیز ہوتا ہے۔

لیکن انڈونیشیا کے گیرو دا ائر لائن نے بھی مشرقی وضعداری کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا سامان کے معاملے میں بھی خاصی مروت برتتے ہیں اگر کانٹے پر زون ۴۴ پونڈ زیادہ ہو جائے تو منہ دوسری طرف کر لیتے

ہیں جیسے دیکھا ہی نہیں ہمارے پاس وزن چودہ پونڈ زیادہ تھا لیکن کاؤنٹر والے صاحب نے کہا ٹھیک ہے جی چودہ پونڈ سے کیا فرق پڑتا ہے اس کے مقابلے میں سنگاپور سے وطن واپسی پر کینٹا زوالوں نے محض اتنی سی بات پر کہ ہارے پاس تیس پونڈ وزن زیادہ ہو رہا تھا ایسی بے مہری اور سردمہری برتی کہ جو تبکدے میں کریں بیاں تو کہے صنم بھی ہری ہری قصہ جہاز کی روانگی میں تا خیر کایوں ہے کہ سوا سات بجے جب جہاز نہ چلا تو لوگوں میں کھسر پھسر شروع ہوئی کہ کیا بات ہے مسافروں کو آوازکیوں نہیںؑ پڑی انڈونیشیا انقلابات کی سر زمین ہے اس لئے جہاز کی تا خیر کی کچھ بھی وجہ ہو سکتی تھی ایک صاحب نے کہا اس جہاز سے سوکارنو صاحب کو جلا وطن کیا جا رہا ہے دوسرا بولا مسافروں کی تلاشی ہوگی ایک انڈونیشی قلی ہمارے قریب آ کر کچھ فقرے بول گیا اور کچھ اشارے کرگیا لیکن انڈونیشی زبان ہمیں آتی نہیں اوران لوگوں میں ہمارا شمار کبھی نہیں ہوا جن کے لئے اشارے کفی ہوتے ہیں لہذا معذرت کر کر رہ گئے بھین اپن کی سمجھ میں نا آوت۔

ہوائی اڈے کا لاؤنج میں یوں بھی طلبا نے دھما چو کڑی مچا رکھی تھی ایک پورا جتھا امریکہ کے بیٹینگ طلبہ کا تھا جن کوانڈونیشی طلبہ کی جماعت کامی کے رضا کار اپنے حق میں ہموار کرنے کے لئے بقول شخصے ان کی ناسوں میں دھواں دےرہے تھے انتظار سے تنگ آ کر ہم پچیس روپے میں شربت کا ایک گلاس بھی پی آئے کیونکہ گرمی بہت تھی اتنے میں ایک شخص بھاگتا ہوا آیا کہ ابن انشا کون صاحب ہیں ہم نے عرض کیا کہ رائندہ کوئے بتاں ہمیں ہیں کیا ارشاد ہے اس نے فہما ئشا کہا کہ کسٹم میں چلئے اپنے سامان کی پڑتال نہیں کی جاتی ہم سمجھے یہاں بھی نہ ہوگی پاسپورٹ پر مہریں نہ کرائی تھی کہ اس پر جگہ ہی باقی نہ تھی ع

مگر کہ زندہ کئی خلق راو باز کشی

خیر یہ تو اپنی بات ہے فی الحال واقع ہم بھول گئے تھے اب ان صاحب کے ساتھ کسٹم میں گئے صرف

میں گئے صرف ہمارا سوٹ کیس دھرا تھا کسٹم افسر نے کچھ پوچھے بغیر محض ہماری شکل دیکھ کرکہ ایسا مسکین آدمی کیا بے ایمانی یا اسمگلنگ کرے گا ہمارے سامان پر چاک کا نشان کردیا امیگریشن والوں نے بھی چپکے سے مہر لگا دی ہم نے کہا کے آدمی سے رفع شک کے لئے پوچھا کہ جہاز کیوں لیٹ ہوا اس نے کہا جناب آپ کے سامان کی چیکنگ کی وجہ سے اب جلدی کیجئے اور طیارے پر تشریف لے چلئے۔

خدا جانے سمگھا پور یا سنگار پور اس شہر کا نام کس سکھ نے رکھا کیونکہ شہر یہ چینیوں کا ہے بیشک سکھ بھی یہا ں بہت ہیں جابجا ٹیکسی ہانکتے اور بانی کرتے اور کانوں پر بیٹھے نظر آتے ہیں لیکن اسی پچاسی فیصد آبادی چینی ہے باقی باقی میں کچھ ملائی کچھ ہندوستانی نسل کے لوگ اور کچھ یوروپین اور یوریشن ہندو ستانی میں سے اکثر جنوبی اور سیلون کی طرف کے ہیں دکانداروں میں سندھی ہندو بھی خاصے ہیں اور کچھ شمالی ہند اور پاکستا ن کے ہندو مسلمان۔سنگا پور ۔ہانگ کانگ۔ وغیرہ کو دیکھ کر یہ احساس ہوتا ہے کہ جس طرح غالب کے زمانے میں عیش حسین خان کے لئے بنا تھا اسی طرح دربانی اور چوکیداری سکھوں کے لئے ایجاد ہوئے ہیں بڑے بڑے ہوٹلوں ۔کلبوں اور اسٹوروں والے شاندار لہراتی ہوئی بابا کرسمس کی سی داڑھیوں والے سکھوں کو لال نیلی وردیاں پہننا کر دروازوں پر کھڑا کر دیتے ہیں یہ محض آرائش کی چیز ہوتے ہیں دربانی اور چوکیدار ہتومحض ثانوی حیثیت رکھتا ہے کیونکہ ایک سکھ باباکو ہم نے یوں بھی دیکھا کہ صدر دروازے سے ٹیک لگائے کھڑا بھی ہے اورخراٹے لیتا ہوا سو بھی رہاہے بج رہا ہے اور باآوازہے سال گزشتہ توہانگ کانگ میں ہماری وجہ سے دو سکھوں میں کھٹ پٹ بھی ہوگئی ہوا یہ کہ ہمیں ایک بلڈنگ کے دروازے پر دو سکھ نظر آئےتو ہم نے ایک سے پوچھ لیا کہ سردار جی سے مشورہ کیا اور اسی میں اختلاف رائے ہوگیا ایک نے دوسرے کو طعنہ دیا کہ تم بھی سکھ ہی ہو بارہ برس سے یہا ں ہو اور اتنا نہیں جانتے دوسرے کو یہ بات بری لگی کہ اے سکھ کہا گیا ہے اس نے بھی ترکی بلکہ پنجابی بہ پنجابی جواب دیا آ خر ہم چپکے سے سٹک گئے اور کسی اور سے پتہ

پوچھا معلوم ہوا کہ ہمیں اسی بلڈنگ کی تلاش تھی جس کے دروازے پر یہ دونوں سردار جی مدت العمر سے پہرہ دے رہے تھے۔

یاد رہے کہ سنگا پور ایک زمانے میں ہمارا گرائیں بھی رہا ہے یوئی ہندوستان ہی کا جزو تھا تاریخ اس شہر کی یہ ہے کہ سٹمورڈ ریفلیز صاحب نے جن کا ذکر انڈونیشیا کے ضمن میں ہم کر آئے ہیں کیونکہ یہ جاوا کے برطانوی گورنر جنرل بھی رہے۔۔۔۱۸۱۹ء میں سلطان جوہور سے اس امر کی اجازت لی کہ اس جزیزرے پر ایسٹ انڈیا کمپنی کی طرف سے ایک تجارتی کوٹھی قائم کر لیں سلطان نے اجازت دی یا دینی پڑی اس کے پانچ سال بعد ریفیزصا حب نے سلطان سے ایک اور معاہدے پر دستخط کرالئے اور یوں چین اور ہندوستان کی تاریخ دہرائی گئی یعنی اعرابی کے اونٹ نے پورے خیمے پر قبضہ کر کے اعرابی کو باہر نکال کیا اب پورا جزیرہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے بادا کی جا گیر ہو گیا ۱۸۳۰ء میں اسے احاطہ بنگال میں شامل کیا گیا اور ۱۸۵۱ء میں یہ براہ راست گورنر جنرل انڈیا کے زیرِ نگیں ہوگیا اب آزاد ہے لیکن آزادی کے فرغل میں اب بھیء کچھ پیوند ولایتی کپڑے کے ہیں یعنی برطانیہ کو فوجی اڈہ رکھنے کی اجازت ہے لیکن اب جبکہ سارے مشرقِ بعید میں برطانیہ کا ٹھاٹھ دہرارہ گیا ہے ٹامی بنجارہ یہاں سے بھی لاد چلنے کی فکر میں ہے۔

دوسری جنگ عظیم میں وہ سنگاپور جس کے استحکام کا ایسا شہر ہ تھا پکے ہوئے پھل کی طرح جاپانیوں کی گود میں آن گرا ہم لوگ تو خیر انگریز کی ہر چیز کو اس کی حکمت عملی سمیت لوہاٹ سمجھتے تھے سرادک اور ملایا کے امیروں اور سلطانوں کو بھی کچھ ایسا ہی گمان تھا کہ شغال جاپان نے ادھر دانت آزمانے کوشش کی تو شیر برطانیہ ایک پنجہ مار کر اس کا بھرکس نکال دے گا لیکن آزمائش کا وقت آیا تو مولوم ہوا کہ کم ازکم سنگا پور کی حد تک شیر برطانیہ کا غذی شیر تھا،

ملایا کا پانی حملے کا آغاز ۸ دسمبر ۱۹۴۲ء کو ہوا اسی روز چار بجے صبح سنگاپور پر پہلی بمباری ہوئی ساٹھ آدمی

ہلاک ہو گئے دو دن بد برطانیہ کا مایہ ناز جنگی جہاز پرنس آف ویلز اور کروز رری پلس جاپانی تار پیڈو اور بم کھاکر سمندر کی تہہ میں پہنچ گئے ۲۱ جنوری کو حملہ آور ملایا کوزیر کر کے آبنائے جوہور پر پہنچ گئے تھے جو سنگا پور کو سر زمین ملایا سے جدا کرتی ہے ۷ فروری کو جاپانی سنگاپور کے جزیرے میں گھس آئے اور۸ فروری کو سنگا پورکاقصہ تمام تھا۔

جاپانی کمانڈر انچیف جرنیل یاماشیتا اور برطانوی کمانڈر اے پر سیول کے درمیان اس موقع پر جو سوال و جواب ہوئے وہ خاصی عبرت کا سامان ہیں۔

یا ماشیتا ،،دیکھے صاحب جواب سید ھا صاف اور مختصر چاہئے آپ غیر مشروط طور پر ہتھیار ڈالتے ہیں یا نہیں اورکچھ نہیں سننا چاہتا ۔

پرسیول ،، ہوں

یاماشیتا ،،کیا انگریزوں کی قید می کوئی جاپانی سپائی ہیں ۔

پعسیول ،،نہیں ایک بھی نہیں

یا ماشیتا ،،اور جاپانی باشندے ؟

پرسیول ،،جن جاپانیوں کو نظر بند کیا گیا تھا انھیں ہندوستان بھیجا جا چکا ہے

یاماتیتا،، اچھا تو آپ ہتھیار ڈالتے ہیں یانہیں اگر ڈالتے ہیں توغیر مشروط طعر پر ڈالئے ہاں یا نہ جواب دیجئے ۔

پر سیول،،جکل تک کی مہلت دیجئے۔

یاماشیتا،،ہر گز دی جاسکتی ہم آج رات حملہ کردیں گے ۔

پرسیول ،،اچھا آج رات ساڑھے گیارہ بجے کاوقت تو دیجئے ۔

یا ماشیتا ،،معلوم ہوتا ہے ہمیں حملہ کرنا ہی پڑے گا ہاں میں یا نہ میں جواب دیجئے ۔

پر سیول،،چپ

یاماشیتا ،،مجھے کن جواب چاہئے غیرمشروط حوالگی چاہئے جواب دیجئے ۔

پر سیول ،،اچھا صاحب

یاماشیتا،،اب آئے نہ راہ راست پر ۱۰ بجے رات جنگ بندی کا حکم ہوجانا چاہئے ۔

جوہوراور واپسی

دنیا کاکو ن شہر ہے جہاں قابل دید چیزیں نہیں ہم دکھانے پر آئیں توکراچی میں بھی بہت کچھ دکھاکر سیاح کو حیران کر سکتے ہیں اگرتاریخی آثار،محلات اور باغات تو ہر پرانے شہر میں مل جاتے ہیں لیکن اونٹ گاڑی توبغداد ایتھنز ،قاہرہ غیرہ میں چرغ رخ زیبالے کر ڈھونڈ یں جب بھی نہ ملے گی۔

لاہور میں بھی کئی مقامات دیدنی ہیں مغلیہ خاندان کے دو اندیش حکمرانوں نے کیمرے اوردور بینیں لے کر یورش کرنے والے سیاحوں کی ضرورت کا ابدازہ پہلے سے طےکرلیا تھا ایک بادشاہ قلعہ بنا گئے اور اس کے درو دیوار پر شیشے کانچ وغیرہ لگا گئے کہ دیکھو اور حیرت کرو ایک اور بادشاہ نے ایک اونچی سی مسجد بنا دی جس کو مسجد یں دیکھنے کا شوق ہو لال رنگ کی شاہی مسجد دیکھ لے کچھ سیاحوں کوفاتحہ پڑھنے اور شاعروں وغیرہ کے مزار دیکھنے کا شوق ہوتا ہے ان کی سہولت کے لئے قوم نےعلامہ اقبال نام کے ایک بڑے شاعر کو مار کر عین مسجد اور قلعہ کے درمیان دفن کر دیا تا کہ کم فرصت سیاح

سیاح ایک جگہ سب کچھ دیکھ کرواپسی کے لئے جہاز پکڑ سکیں مزید دلچسپی پیدا کرنے کےلئے ملکہ نور جہاں نے بھی یہیں انتقال کرنا اور مزار بنوانا پسند کیا ادھر باغبان پورے کی طرف جگہ خالی تھی جھگیاں

وغیرہ ابھی نہیں پڑی تھیں نہ کسی ہاوسنگ سوسائٹی والوں نے برڈ لگایا تھا وہاں ایک باغ بنا دیا گیا اور بیچ میں کچھ درخت لگا کر چو بچے بنا دیئے یہ شالا مار باغ ہوگیا سنگاپور آ کر ہمارا بس چلتا تو ہم اپنے ہوٹل کے کمرے میں چادر تان کر تصور جاناں فلاں کےے پڑے رہتے لیکن مجبوری یہ تھی کہ کوئی میزبان ہمیں گھسیٹ کر لے جاتا تھا کہ آؤتمہیں فلاں باغ دکھائیں فلاں گرجا بہت خوبصورت ہے حالانکہ سنگا پور اورہانگ کانگ میں آدمی درو دیوار اور تابع مہمل ہے خرید کے لئے کیئے سنگا پور اور ہانگ کانگ کے ہوائی اڈے پر اترتے ہی مسافر جیب سے ایک لمبی سی فہرست نکالتا ہے جس میں عزیزوں اور دوستوں اوراس کی اپنی فرمائشیں درج ہوتی ہیں وہاں سے رخصت ہوتا ہے تو دونوں ہاتھوں میں پھولے ہوئے تھیلےاورلقچے ہوتے ہیں گلے می کیمرہ اور ایک ہاتھ میں ٹرانز ہوتا ہے اورسوٹ کیس کو دو قلی مل کر اٹھا ئے ہوتے ہیں آپ کتنا ہی ٹورسٹ لٹر یچر مسافر کےسامنے پھیلائیں وہ سنگاپور میں ریفلیز پلیس ،اسٹمفورڈ روڈ اور آرچر ڈ روڈ کے علاوہ کوئی اورجگہ دیکھنے کا ردا دار کم ہی ہوتا ہے ۔

ہانگ کانگ میں چیزیں ارزاں تر ہیں لیکن ارزاں سنگا پور میں بھی ہیں بس انیس بیس یااٹھارہ بیس یاسترہ بیس کافرق ہوتا ہے کپڑے اور پوشاکیں بہت سستی پیسے والے کے لئے کیمرے گھڑیاں ،ریڈیو،ٹیلی ویژ۔ن کرشمہ دامن می کشدکہ جا اینجاست

لیکن دوکانوں پر قیمتوں کا فرق بھی ہےریفلیز پلیس میں جہاں عوامی چین والوں کااسٹور ایمپوریم،اوردوسری بہت سی دکانیں ہیں جو شے رابنس کے مشہور اسٹور سے دس ڈالر میں ملے گی دوسری جگہ چھ ڈالر میں بھی دستیاب ہو سکتی ہے۔

یہاںخریداری کا اصول یہ ہے کہ دکاندار دس ڈالر مانگے تو پانچ ڈالر کہئے چھ سات ڈالر پر سو داپٹ جائے گا لیکن فارمولا دکاندار کوبھی معلوم ہے وہ قیمت ہی تین گنی بتائے گا تا کہ کم کرکےبھی دگنے پر بیچ سکے ایک روز یہی محسوس کر کے کہ آدھےداموں چیز دے کر بھی یہ لوگ لوٹتے ہیں ہم نے

یہ کہا کہ دکاندار نے ایک سوئٹر کے دس ڈالر بتائے ہم نے کہا دو ڈالر دیں گے اسے ایسا گاہک کبھی نہ ملا تھا مارے صدمے کے بیہوش ہو گیا لیکن دوسرے روز پھر ہمیں بھی بیہوش ہونے کا موقع ملا ہم نے دس ڈالر کی چیز کے دو ڈالر لگائے دکاندار کے پاس شاید اتنی فرصت نہ تھی کہ بھاؤ تاؤ کرتا فورا بولا لے جائیے صاحب نکالئے دو ڈالر ایک روز ہمارے میزبان نے کہا اٹھاؤ ڈھول اورتاشے اورچلو جوہور ہم نے کہا جوہور تو ملائشیا میں ہے اور ویزا ہمارے پاس نہیں بولے پاسپورٹ ساتھ لے لو مل جائے گا لذت آوارگی میں ہم تیار ہو گئے۔

آبنائے سنگا پور کا پل کیا تو ادھر کی چوکی والوں نے روکا سنگا پوروالوں کو شناختی کارڈ کھانا پڑتا ہے باقی کو پاسپورٹ پوچھا کتنے دن کا ویزا چاہیئے ہم نے کہا دوڈھائی گھنٹے کا دے دیجئے بس جوہورکو ہاتھ لگا کر واپس آنا ہے بولے ایک مہینے کادیئے دیتا ہوں کیا عجب آپ کا جی زیادہ ٹھہرنےکو چاہئے پھر کہاں بھاگتے پھرئیے گا ۔

تھوڑی دیر میں پاسپورٹ مہر ہو کرآگیا واپسی میں تو اتنی بھی چیکنگ نہ ہوئی نہ ملائیشیا کے سرے پر نہ سنگا پور میں داخل ہوتے۔

اردو میں کئی محاورے ہیں خدا شکر خورے کو شکر دیتا ہے جیسی رح ویسے فرشتے وغیرہ ہمیں معلوم نہیں اس موقع پر کس کا استعمال پر محل ہوگا ہم اپنی سیاحت میں ایران گئے افغانستان گئے لنگا گئے فلپائن گئے انڈونیشیا گئے جاپان گئے ہر جگہ سب سے پہلی چیز جو نظر پڑی یا تو وہ کوئی سکھ بھائی ہوتا تھا یاگو ردوراہ تعجب تو یہ ہے کہ یورپ کے سفر کے آغاز میں ہم بلجیم اترے توبرسلز کےہوائی اڈے پر سب سےپہلی چیز جو نظر آئی وہ بھی ایک سردار جی تھے جوہور میں بھی داخل ہوتے ہی ہم نے کار موٹے موٹے لفظوں میں گورمکھی رسم الخط میں لکھا نظرآیا۔

گوردوارہ جوہور بارد نیچے نظر ڈالی تو دوسرا جی ایک سائیکل پت بیٹھے ایک ون وے سڑک پر غلط سمت میں

جاتے دکھائی دیئے ہمارا جی خوش ہوگیا بات ہوئی نا۔

جوہور کاچڑیاگھر مشہور ہے ہمیں تو کچھ خالی خالی ویران سانظر آیا دوسری جنگ بمباری کے گولے اس پر بھی پڑے تھے سامنے سلطان جوہور کامحل تھا وہی جوایک زمانے میں سنگاپور کے بھی مالک تھے یہ ملایا کی جنوبی نوک تھی سبزہ نظروں میں کھبا جاتا تھا چڑیا گھر سے مایوس ہو کر اور کوکا کولا پی کر ہم عین سمندر کے کنارے ایک بینچ پرآبیٹھے سڑک بالکل سمندر ساتھ ساتھ جاتی ہے یہ ساحل ریتلا نہیں ہے بلکہ پکا ہے پکا بنایا گیا ہوگا۔

اب بھوک بھی چمکنے لگی تھی اس لئے ہم نے شہر کارخ کیاہوٹل اور ریستوران اچھے سے اچھے ہوں گےلیکن ہمیں مارکیٹ کاماحول بھایا عورتوں کے کھلے کھلے ڈھیلے شلو کےعجب بہار دیتے ہیں مارکیٹ کےایک طرف قطار کباب والوں ،دہی بڑےوالوں کی دکانیں تھیں یہاں کراچی میں توہم ایسی دکانوں کو گندہ کہہ کر ان سے منہ موڑ لیں لیکن پردیس می ہر شے انوکھی لگتی ہے ہم لوگوں نے ایک بینچ سنبھالا اورساقی کا آرڈر دیا ساقی یا ساتے ملایا اور انڈونیشیا کا مشہور کھاجا ہے مٹن تکا کہئے بوٹیاں بانس کی تیلیوں میں پروئی ہوتی ہیں ساتھ ایک پیالہ چٹنی کا ہوتا ہے پوری سیخ کو چٹنی میں ڈبو یئے اور دانتوں سے بوٹیاں سونت سونت کر کھایئے ہمیں یہ ایسی چٹ پٹی معلوم نہ ہوئی جیسی دیکھنے میں لگتی ہیں مسالوں کا فرق ہوگا مرچ کا مزا ہم انڈونیشیا میں چکھ چکے تھے کہ زبان پر رکھی اور تالو چیخ گیا یہاں ہم نے اس کی احتیاط رکھی کھا کر ہم بانس کی تیلیاں نیچے پھینکنے کو تھے کہ ہمارے دوست نے روک دیا اور کہامیز ہی پر رکھو بل کا وقت آیا تو بیرے نےانہی تیلیوں سے سیخوں کی گنتی کی رقم یاد نہیں لیکن کھانا سستا تھا سنگاپور میں آخری شب ہم نے نیشنل تھیٹر میں قزاقستان کےباخور طائفے کا ناچ رنگ دیکھا ہمارے سنگاپور پہنچتے ہی ہماری میزبان نے ہم سے کہہ دیا تھا کہ فلاں روز تم مس نمازی کے ہاں کھانے اور تھیٹر دیکھنے پر مدعو ہو ہم نے کہا مس نمازی ؟ بولیں ہاں میری سہیلی ہیں ایرانی نژاد ہیں اوران سے میں نے تمہاری تعریف کرتے

ہوئے یہ بھی کہا کہ انشا صاحب فارسی بولتے ہیں پس تیار رہنا اس بات پر ہمارا دل بیٹھ گیا کیونکہ حافظ سعدی وغیرہ ہوں تو ان سے ہم بخوبی گفتگو کر سکتے ہیں آج کل کے ایرانیوں سے کیا بات کریں یعنی ان سے بات کر کے کیا اپنی زبان خراب کریں جب ہماری میزبان نے کہا کہ وہ اردو بھی بول لیتی ہیں تو ہماری جان میں جان آئی۔

خیر تماشا دیکھنے ہم بھی گئے اور وہ ہوا بھی مس نمازی کا پورا کنبہ موجود تھا ان کے والد بھی کھیل ختم ہونے پر منتظمین نمازی صاحب کو آرٹسٹوں سے ملوانے اسٹیج پر لے گئے کیونکہ نمازی صاحب سنگا پور کے سر کردہ شہریوں میں سے ہیں یہ طایفہ قزاقستان کا تھا ہم نے جاتے ہی فارسی آزمائی لیکن وار خالی گیا ایک گاہ پرواری خاتون جو اس منڈلی کی چودھرائن معلوم ہوتی تھیں بمشکل اپنا بوجھ سنبھالتی مٹکتی ہوئی آئیں اور دونوں ہاتھ جوڑ کر کہا نمستے ہم نے کہا اور ہمارے نمازی دوستوں نے نظر انداز کر کے منہ پھیر لیا کسی نے انھیں بتایا کہ یہ ایرانی ہیں اور یہ پاکستانی تو شاید خفیف ہوئیں انگلی سے نیم دائرہ سا بنا کر اور زور دے کر اپنی شکستہ انگریزی میں کہنے لگیں جانتے ہو یہ تمام اداکار مسلمان ہیں تمام کے تمام ہم نے پوچھا کوئی فارسی والا بھی ہے ایک صاحب بھاگے بھاگے گئے اور ایک صاحب کو پکڑ کر لائے یہ آذر بائیجان میں رہے تھے خیر کچھ کچھ فارسی گوئی کا غبار نمازیوں کا نکلا ایک آدھ ٹانکا ہم نے بھی لگا یا۔

کراچی سے کوالمپور تک

ہم کہیں کسی کانفرنس میں شرکت کے لئے باہر جائیں تو ہمارا وفد ایک ہی آدمی پر مشتمل ہوتا ہے اور ہم اس کے لیڈر کے طور پر اپنا تعارف کراتے ہیں لیکن اب کے یونیکسیو کے جلسے میں شرکت کے لئے ہم کوالمپور روانہ ہوئے تو جناب قدرت اللہ شہاب کی رکاب میں تھے وہ لیڈر تھے اور فرسٹ کلاس میں ٹانگیں پھیلا کر روانہ ہوئے گئے ہمیں کرد پسند نہیں لہذا پیچھے اکانومی کلاس کا ایک گوشہ پسند کیا یوں ہمارا ٹکٹ بھی اکانومی کلاس ہی کا تھا۔

پیسے تو ہم نے پورے دئے تھے اور نقد دئے تھے لیکن تھے تو کالے آدمی بی او اے سی والے کہیں بھی ہوں اپنے جہاز کو انگلستان کا علاقہ سمجھتے ہیں ہم بہت سی دوسری ایئر لائنوں میں سفر کر چکے ہیں ایئر ہاسٹسوں کو دیکھا کہ آتے جاتے ہیں بلائیں لیتی جاتی ہیں اور مسکراہٹوں کی کلیاں بکھیرتی گزرتی ہیں حتیٰ کہ کسی کسی پر تو ہم سے کوئی دلگداز شعر بھی سر زد ہوجاتا ہے پھر فقط غذائے روح پر نہیں ٹرخاتیں دانے دنکے کو بھی پوچھتی رہتی ہیں خیر سگالی کی رو میں کبھی ایسا ہوا کہ وہ ہم پر شہد ٹپکائیں گئیں کبھی دوسروں کی نظریں بچا کر ہم نے مکھن لگا دیا اوتر یوں گھنی چھاؤں میں بیٹھتے اٹھتے ہم غریب الوطنی کے فرض سے ادا ہوتے گئے لیکن بی او اے سی کے طیارے میں تو صاحبو ہماری ایسی پڈیرائی ہوئی جیسی انگلستان میں آج کل ہمارے ہموطنوں کی ہوتی ہے پرانے زمانے کی کوچہ محبوب میں عاشق سے بھی دربان کچھ بہتر ہی سلوک کرتا ہوگا یہ ایئر ہوسٹس صاحبہ کہ کسی طرف سے نہ چندے آفتاب تھیں نہ چندے ماہتاب گوروں پر اپنے تبسم کا چھڑ کاؤ کرتی گزرتی تھیں لیکن ہمارے قریب آکر اپنی باچھوں کو یک لخت سمیٹ لیتی تھیں سب کو تقسیم کیا اور ہر چند کہ ہم شاعر اور عاشق پیشہ آدمی کئی قسم کے شربتوں کے عادی ہیں اور مانگ بیٹھتے ہیں ان کے ہاتھوں سنگترے کے شربت سے بھی محروم رہے اور غالب بنے حسرت کرتے

رہ گئے کہ ہم کو بھی پوچھتی جور ہو کیا گناہ ہو اس میں کچھ شک نہیں ہم ان کی رعایا رہے ہیں لیکن لیکن اب تو نہیں ہیں یوں تو آج کل اقوام متحدہ کی طرف سے رعایا سے بہتر سلوک کی تاکید کی جاتی ہے شہاب صاحب سے ان کا حال ہم نے نہیں پوچھا ہم تو شیریں بیانی کے علاوہ معمولی شیرنی ٹافیوں گولیوں وغیرہ سے بھی محروم رہے ناشتے میں کچھ لال سا گوشت دیکھ کر ہم نے اعتراض کیا تو بولیں ۔۔۔اچھا تو آپ سور نہیں کھاتے تعجب کی بات ہے ہم نے کہا بی بی تعجب تو ہمیں بھی ہے لیکن بہر حال نہیں کھاتے۔

روستے میں کلکتہ آیا۔

کلکتے کا ذکر گیا تو ہمیں ہمنشیں۔۔۔تو اس میں سینے پر تیر لگنے والی کوئی بات نظر نہ آئی شہاب صاحب نے جانے اسے کس آن میں دیکھا ہوگا کہ اپنے بہت سے افسانوں کی وئنوں کو دو ہیں اتارا ہے سہسرام والی رانو بھی تو کلکتے ہی جا رہی تھی جب اس کی کار پنکچر ہوئی ۔۔ خیر ہم نہر میں گئے بھی نہیں فقط ہوائی اڈے پر ٹھیکی لینے کو اتر سے تھے گرد و گرما بے رنگ جھلسا ہوا ماحول بو دیئے غسل خانے ،لونی لگی دیوا۔ ریں پھٹی ہوئی چھتیں اور جھولتے ہوئے دروازے ۔۔۔یہ کلکتے کا ٹرانزٹ تھا یہی چمار چورس کا منظر ہم نے سال بمبئی میں دیکھا بلبل پکارے دیکھ کے صاحب پرے پرے۔۔۔۔بی او اے سی والوں سے اتنا بھی. نہ ہو سکا کہ مسافروں سے ایک ایک گلاس پانی کو پوچھ لیتے خیر جہاز کی روانگی کا اعلان ہوا تو سب کی جان میں جان آئی اب کے ایئر ہوسٹس صاحبہ ہندوستانی تھیں ماتھے پر تلک،شاید جنوبی ہند کی ہوں گی ملاحت ایسی ویسی اچھا خاصا نمک کا پہاڑ نوک زبان سے چاٹ کر برابر کردینے کو بے اختیار جی چاہئے بلکہ بندہ بشر ہے کچھ خیال ارباب وطن کی بے بسی کا انتقام لینے کا بھی جاگا لیکن اتنے میں پرچہ لگا کہ آپ ملایا کے جزیروں میں پہنچ گئے ہیں حفاظتی بند باندھ لیجئے چنانچہ باندھا کمر پر بھی خیالات کی رو پر بھی مشرق کے جزائر ہم نے دیکھے ہیں فلپائن کیا جاوا کیا اور لنکا کیا پر جو جادو کا منظر اس وقت جہاز سے

نظر آیا اس کی کیا کہئے نیچے جھیلیں ہی جھیلیں ۔جنگل ہی جنگل،ندیاں ہی ندیاں ،کھیت ہی کھیت،کاہی
،دھانی اورنیلے رنگوں کا ایک سیلاب ،سماں اس وقت کم کم بادو باراں کا تھا لینے والے چھتریاں لےکر
جہاز کے دروازے پہ پر پہنچ گئے تھے رنگا رنگ چھتریاں سب کو ایک ایک تھمادی تھوڑی دور پر چھتا ہوا
برآمدہ ہوا کاریڈیو کا دونوں طرف سے کھلا لمبا سلسلہ ان کے سائبان چھتریوں کی مثال تھے سرے اونچے مرکز
نیچا قیف کی طرح سمجھئے کہ پانی چھت پر پڑتا تھا تو ستونوں کے جوف میں سے گزرکرزمین پر اتر جاتا تھا
آج کل ہوائی مستقر تو ایک سے ایک خوبصورت بن رہے ہیں لیکن ربڑ کے فرشوں اورچوبی دیواروں والے
اس ساختمان کے کیا کہنے معلوم ہوا یہ نادرہ کارتعمیر ملائیشیا کے ایک نوجوان ماہر تعمیرات کا کارنامہ ہے اس
کے لئے کسی کو باہر سے نہیں بلایا گیا ورنہ سنوانے نے تو کیا عمارتوں اورشہروں کی شکلیں بگاڑنے کے
لئے بھی آج کل بڑی بڑی فیسیں دے کر باہر ہی سے آدمی بلائے جاتے ہیں مرلن ہوٹل کوالمپور کا سب
سے اونچا ہوٹل گنا جاتا ہے مالک اس کے چینی ہیں اور ان کا ایک ہوٹل ہانگ کانگ میں بھی ہے شہابصا۔
حب نے کمرے میں پہنچتے ہی ایک بیرے کو بلاکر کہا کہ یہاں قبلہ کس طرف کو ہے وہ کچھ نہ سمجھا
کوئی کجلا وہ بھی ایسا نظر نہ آیا کہ اس کی طرف قبلہ راست کر لیتے آ خر ہم نے ایسپشن پر فون کیا
وہاں کوئی ناقص العقل ہستی بیٹی تھی ہماری انگریزی اس پر سے پھسپھلتی ہوئی گزر گئی آ خر شہاب صا۔
حب نے فرمایا قبلہ کا اندازہ کر لیں تم یوں پوچھو کہ سورج کس وقت نکلتا ہے اور کب غروب ہوتا ہے
تاکہ مغرب اور فجر کی نمازوں کے وقت کا تعین ہوجائے جواب ملا کہ سورج نکلتا ضرور ہے لیکن معلوم نہیں
کس وقت چھ اور سات بجے کے درمیان غالبا ہم نے کہا اے بی بی ہمیں صحیح وقت چاہئے کیونکہ عبادت
praying نقطہ نظر سے ہوچھ رہے ہیں ہمارامقصود تو نماز ہی سے تھا لیکن وہ جانے کیا سمجھیں بولیں اچھا
تو آپ سورج کی عبادت کرتے ہیں صبح کو پچھلی کھڑکی کے پردے اٹھائیے گا تو سورج سامنے نظر آئے
گا ہم نے کہا خانم ہم خدا پرست لوگ ہیں بیشک کبھی کبھی بت پرستی بھی کر لیتے ہیں بشرطیکہ بت کا

مطلب آپ پتھر وغیرہ کی مورتیاں نہ لیں اس کے علاوہ مفاد پرستی سےبھی انکار نہیں لیکن سورج پرست تو ہم قطعی ہی نہیں ہیں اگر آپ نے ہمارے متعلق پڑھتے سورج کی پوجا کرنے کی کوئی بات سنی ہے تواسے محاورہ اوراستعارہ سمجھئے اس سے زیادہ نہیں ہماری تقریر نقطہ عروج کو پہنچ رہی تھی کہ ادھر سے فون بند ہوگیا ناچار ہم نے ڈائرکٹری سے اپنے دوست سید ناصر کا نمبر نکالاوہ توتھے نہیں ان کی بیگم نے ہماری مشکل حل کی ۔

پھر وہیں گلیاں پھر وہی ہم

دل پھر طواف کوئے ملامت کو جائے ہے

کوئے ملامت کوتو خیر کیا جائے ہے اور پیدل نہیں جائے ہے لفتا نزا سے جائے ہے لفتا نزا جرمن ہوائی کمپنی ہے اور یہ بات ماننی پڑے گی کہ یہ لوگ جوکام کرتے ہیں پکااور مکمل کرتے ہیں کسی بات کے کسی پہلو کو فراموش نہیں کرتے ایک معمولی مثال لیجئے جہاز کے باتھ روم کے اندر موٹا موٹا لکھا ہے یہاں سگریٹ پینا سخت منع ہے اس کے باوجود ایش ٹرے کا بھی انتظام ہے کہ اچھا آپ نہیں باز آتے تو کم از کم اس کے ٹوٹے تو ایش ٹرے ہیں بجھائیے اس پر ہمیں وہ دانشمند خدمت گار یاد آیا جسے آقا نے معالج صاحب کو لانے کو بھیجا ان میں سے کس چیز کی ضرورت پڑ جائے۔

دن کو یونیکسیو کی کانفرنس ۔۔۔۔روت کو پاسا مالم یوں تو اٹھارہ ملک ہیں لیکن سامنے کی چنڈال چوکڑی ممتاز ہے ان میں ملائیشیا کے محفوظ ہیں نیپال کے ڈکشت فلپائن کے بنی پایو اور پاکستان کے من آتم کہ من دامن چاند تارے چرخ سے ٹوٹے چراغاں ہو گیا پانچواں ستارہ جو شام کو آتمتا ہے حروف تہجی کی وجہ سے دن میں ذرا دوربیٹھتا ہے ایران کا جہانگیر شمسواری محفوظ اور بنی پایو ہمارے پہلے سے دوست

ہیں ٹوکیو کی دو سال پہلے کی کانفرنس میں ایک روز جی چاہا کہ شہر کے ہجوم میں گم جاؤ اور اللہ کی قدرت کا تماشا دیکھو محفوظ نے صاد کیا اور ہم نے زیر زمین ٹرین پکڑی منزل کوئی نہ تھی لہذا جہاں ٹرین ختم ہوتی تھی وہاں اتر کر باہر آگئے پوچھا یہ کون نگری ہے معلوم ہوا کہ آسا سو سا کا علاقہ ہے اہلاو سہلا یہاں کی راتیں جاگتی ہیں اور لوگ ستارہ می شکنند آفتاب می سازند جن کو ایمان عزیز ہے اور جان عزیز ہے ان کی گلی میں آئے کیوں ہمیں اتفاق سے یہ دونوں چیزیں عزیز تھیں لہذا ایک چھوٹی سی مارکیٹ میں مڑ گئے اور ریشمی چھتریاں خرید کر لوٹ آئے پھر اسی سال کے اپریل میں محفوظ میاں نے کوا لپور میں گھمایا اور میمانوازی کا حق ادا کیا بینی پایو سے بھی ایسی ہی راہ ورسم پہلے سے ہے ڈکشت اور جہانگیر ہوٹل بھی تھے پاکستان کو ان لوگوں نے کانفرنس میں اپنا لیڈر ٹھہر ایا اس لئے بھی کہ اس کام میں جس کے لئے یہ کانفرنس تھی پاکستان کی کار گزاری سب سے آگے تھی نتیجہ یہ ہوا کہ ایک بار پاکستان یعنی ہم نے قرار دار پیش کی ہندوستان نے ناحق مخالفت میں تقریر کی رائے شماری ہوئی تو ہندوستان رہ گیا ایک بھی ووٹ اسے نہ ملا اس میں ہماری بات کی اصابت کے علاوہ اس ٹکڑی کی کوششوں اور لابی کو بہت دخل تھا یہ اصولی لڑائی تھی ورنہ ہندوستانی مندوب ہمارے ذاتی دوست تھے کرتار سنگھ دگل شائستگی اور یار باشی کا کامل نمونہ بعد ازاں ایک روز دگل جی نے ایک قرار دار پیش کرنی چاہی تو ہم پہلے سے مشورہ کر لیا اور مسودہ میں ترمیم داصلاح کا حق دیا خیر وہ مسئلہ ایسا تھا کہ ہمیں تائید کرنی ہی تھی۔

اس کانفرنس میں زیادہ انگریزی بولنے والے تھے لیکن لاؤس کا نمائندہ انگریزی نہ جانتا تھا محض اس کے لئے تین مترجم بلائے گئے تھے دونو بھاری بھر کم مردان معقول اور اتفاق سے دونوں اسرائیل سے درآمد کئے گئے تھے انگریزی کو فرنچ اور فرنچ کو انگریزی میں ڈھالتے تھے جنھیں لاؤس کا نمائندہ کبھی سنتا تھا اور ایک میم صاحب تھیں ذات کی یونانی زوجہ کسی انگریز کی ایسی شیریں زبان مترجمہ بھی چشم فلک سے کیا خود ہم نے کبھی نہ دیکھی تھی اگر کسی مقرر کی تقریر میں ہمیں خاطر خواہ دلچسپی نہ ہوتی تھی تو ایئر فون لگا

کر اس فرانیسی ترجمہ سننے لگتے تھے فرانیسی ہماری سمجھ میں نہیں آئی تھی لیکن ان صاحبہ کی زبان سے کانوں کو بھلی معلوم ہوتی تھی ایک بار تو اس کانفرنس میں پنجابی بھی بولی گئی ہوا یہ کہ دگل صاحب کی سمجھ میں ایک نکتہ نہیں آرہا تھا چیئر مین نے بھی وضاحت کی لیکن دگل صاحب نے کہا میں نہیں سمجھا آ خر ہم نے پنجابی میں بتایا وگل صاحب نے کہا اچھا تے اتے ایہہ گل اے پھیر ٹھیک اے۔

لاؤس کے منائندے نے ایک روز اپنی تقریر میں کہا دینا ہاتھی کی رفتار سے چل رہی ہے اور ہم لاؤس میں کچھوے کی رفتار سے اس پر لوگوں کو پوچھنا پڑا کہ لاؤس میں ہاتھی کی رفتار کیا ہوتی ہیت اور کیا اس سے بھی تیز رفتار کوئی اور جانور وہاں ہے موصوف نے بھی یہ فرمایا کہ اس کانفرنس میں پلاننگ کی باتیں ہو رہی ہیں ہر کوئی پلاننگ کی بات کرتا ہے میں اپنے ملک سے چلا تو ہمارے وزیر صاحب نے کہا تم یہ دیکھ کر آنا کہ یہ کیاچیز ہوتی ہے چونکہ یہ فیشن ایبل لفظ ہے ہمیں اپنے ہاں بھی پلاننگ کرنی چاہیئے میں پیرس میں بھی یونیکسیو کے دفتر گیا اور ان سے کہا آپ کے ہاں کوئی شخص پلاننگ کا ماہر ہو تو ہمیں دے دیجئے پتہ چلا کہ کل سولہ آدمی ہیں اور سب کے سب مصروف ہیں ہم نے ان صاحب سے کہا کہ وہ پلاننگ کی فکر چھوڑیں کام کریں کیونکہ بعض ملکوں میں پلاننگ پر اتنی زیادہ توجہ دی جا رہی ہے کسی کو عملی کام کرنے کی فرصت نہیں رہتی بولے ہمارے ہاں تو کام کرنے والے بھی نہیں پلاننگ والے نہ سہی وہی کہیں سے دلوادیجئے ۔

دوپہر کو ہماری ٹکڑی اٹھتی اوراسلامک ریستوران میں جا براجتی تھا تو یہ جنوبی ہند کے مسلمانوں کا لیکن بریانی اس میں اچھی ملتی تھی اور پھر لسی بھی بنا دیتے تھے ایک روز عمر خیام میں کھانے کا طے ہوا اس کا بہت شہرہ سنا تھا عجب دلچسپ جگہ نکلی عمر خیام کا جو تصورکسی انجان کا ہو سکتا ہے ان لوگوں کا بھی تھا دروازہ کھولتے ہی دیکھا کہ ایک موری باندھے کھڑے نمستے کر رہی ہے کھانے کا کمرہ مغل روم ہے کھانوں کے نام بھی جہانگیر قورمہ،شالاماری پلاؤ،اور شاہجہانی کوفتہ وغیرہ ہیں میز پر ایک بی بی کاندھے

پر خم اٹھائے ایک بڑے میاں کو شراب کا جام پیش کرتی دکھائی گئی تھی مینو کے اندر باعیات بھی دے

رکھی تھی مع ترجمے کے ہم نے اور ہمارے ایرانی دوست جہانگیر نے ان رباعیات کو جو کہ نسخ میں تھیں پڑھنے کی کوشش کی لیکن نہ پڑھ سکے کیونکہ وہ فارسی میں نہیں تھیں ان ظالموں کو فارسی عربی کا فرق کیا معلوم کہیں سے عربی ترجمہ اٹھایا اور بلاک بنا کر چھاپ دیا اسی کو اصل سمجھتے ہونگے درواروں پرصرف مغل آرٹ ہی نہیں تھا جا بجا راجپوت آرٹ بھی تھا اورمرتیاں تو طاقوں کی محرابوں میں جابجا ہاتھ باندھے نمستے کرتی کھڑی تھیں گویا غیر مشرقیوں کے لئے نہایت عمدہ سکہ بند مشرقی ماحول کا انتظام تھا کھانا اچھا تھا مگر دام بھی چوکھے تھے اسلامک ریستوران کے مقابلے میں کوئی پانچ گنا۔

تماشا گزری کا

شام ہوئی اور میاں محفوظ نے اپنی کار نکالی جسے وہ کولمبور سے اپنے ساتھ لیتے آئے تھے اور پورے جزیرے کا چکر کاٹتے ٹھکیاں لیتے تماشا مرے آگے دیکھتے آدھی شب کی خبر لاتے ایک ٹھکی پاسالم پر ضرور ہوتی تھی پاسالم یعنی شبینہ بازار ۔نائٹ مارکیٹ۔اے صاحبو ہونٹوں پر زبان پھیرنے کی ضرورت نہیں یہ شبینہ بازار وہ جگہ نہیں جو آپ سمجھتے ہیں بلکہ پھیری والوں کا بازار ہےجوجانے کب سے ہفتے کے ہر روز ایک نئی جگی پر برپا ہوتاہےہمارے ہاں اگلے دنوں میں یہ بازار گزری کہلاتے تھے ٹک دیکھ مرے یار تماشا گزری کا بدھ کو آرچر ڈروڈ پر یعنی مرکز شہر کےڈیڑھ میل تک فٹ پاتھ کے ساتھ ساتھ پھیلا ہوا کھوئے سے کھوا چھلتا ہوا ہر چیز چار آنے میں ،کی ہانک بھی لگاتے ہیں باقی دنوں میں نواحی بستیوں میں ایک روز تو شہر سے باہر جنگل میں تھا جسے یوں بھی ووڈ لینڈ کہتے ہیں آپ کتنا بھی بچیں کچھ

نہ کچھ لے کر ہی لوٹیں گے بارہ بجےاور لوگوں نے ٹیوب لائٹیں اتاریں اور سودا سمیٹ کر ٹرکوں پربار کرنا شروع کیا یہاں کے بھاؤ تاؤمیں عجب مزا ہے۔

کیالوگے میاں اس قمیض کے

بیس ڈالر ،، سنگا پور کو امریکی ڈالر کا ایک تہائی ہوتا ہے

بیس بہت زیادہ ہے

آپ کیادیں گے،،

سات،،

واہ صاحب اچھی قدر کی پندرہ دےدیجئے ۔

نہیں سات

اجی کچھ تو بڑھئے بارہ کی تو ہماری خرید ہے اچھا بارہ ہی دے دیجئے۔

نہیں سات

اچھا آٹھ دےدیجئے

کہ جو دیا سات،،

پھر تو جائیے سات میں نہیں ملے گی۔۔۔اجی کہاں چلے کتنی لیجئے گا،،

جمعرات کو میکفر سن روڈ پر یا یایو چوکانگ روڈ پر یہی میلہ ہے جمعہ کو نیوٹن روڈ کی باری ہے ہفتے کوروڈ لینڈ میں جنگل میں منگل ہے اتوار کو سمادانگ پیر کو اودن روڈ منگل کو چانگی روڈ یا یا یا لیبر روڈ اور بدھ کوپھر آرچر ڈروڈ ہر جا کہ رفت خیمہ زرد بارگاہ ساخت چلو کہ سستی لگادی ہےخون دل کی کشید۔ آپ پیسے والے ہیں یانک چڑھے ہیں اورزندگی کا لطف نہیں اٹھانا چاہتے تو ریفلیز پلیس میں رابنسن کے اسٹور میں گھس جائیے جو چیز چاہیے مل جائے گی بند ھوالیجئے لیکن جو مزہ چینج ایلی allqy change

یا آرکیڈ میں خریداری کا ہے وہ کہیں اور نہیں یہ دو پتلی سی گلیاں ہیں چینج ایلی کے باہر تو نوٹ بدلنے والے کھڑے ہیں کسی بھی ملک کا سکہ آپ کو خریدنا یا بیچنا چاہیں ان کی خدمات حاضر ہیں اور بھاؤ کا بھی انتظام ہے اس گلی کو چینج ایلی اسی لئے کہتے ہیں گلی میں گھسئے تو فقط کرشمہ ہی نہیں بلکہ دکاندار بھی دامن دل می کشد کہ جا اینجاست۔

گھڑیاں کیمرے ۔پین۔کپڑے۔ جو تیز یدار و بتاؤ کیا خریدو گے اور ہاں جیب پاکٹ سے بھی ہشیار یہاں ٹک نگاہ چوکی اور مال دوستوں کا دس کی چیز پانچ میں مل تو جاتی ہے لیکن دل کو دگدھا رہتی ہے کہ شاید چار میں مل جاتی ہے یہاں یہاں یہ بھی امکان ہے کہ آپ آٹھ روپے میں پارکر پین لے لیں اور خوش خوش گھر جائیں اور چند روز میں ملمع اتر جائے کیونکہ کون چیز ہے جس کی نقل ہانگ کانگ کے کارخانوں میں نہیں بنتی اور یہاں نہیں بکتی۔

لب ساحل کے خیابان یعنی اسپینڈ میں شام کو رومانی جوڑے آبیٹھتے ہیں بینچ میں اور وہ ہیں اور ان کی دنیا ہے یہاں کیا نہیں ہوتا ظالم سماج انکھیوں سے دیکھتا اور دانت کچکچاتا گزر جاتا ہے ایک کشتی بیچ سمندر کے لنگر انداز ہے اس تک جانے کے لئے ایک لانچ ہے اس کے اوپر کے حصے میں موم بتیوں کی روشنی میں نا ؤنوش کا انتظام ہے نیچے رقص گاہ ہے ایک شب محفوظ میاں ہمیں وہاں بھی لے گئے پینے والا تو جمعیت میں فقط ہمارا ایرانی دوست تھا ہم نے کوکا کولا سے شوق کیا اور بیٹھ کر چلے آئے ہمیں یہ ایک بوتل بھی سات روپے میں پڑی آگے کی بات آگے والے جانیں کیبرے نائٹ کلب اور نہ جانے کیا کیا بہت ہیں لیکن بنکاک کے پاسنگ بھی نہیں ویٹ نام سے چھٹی پر آنے والے امریکیوں کی یورش رہی تو یہ شہر بھی بنکاک بن جائے گا۔

۷۸ فیصد چینی ہیں کوئی ۱۲ فی صد ی ملائی چھ فیصدی ہندوستانی پاکستانی باقی تین میں نہ تیرہ میں ہندوستانی زیادہ تر جنوبی ہند کے پھر بھی سندھی دکاندار اور سکھ بہت بڑی تعداد میں ہیں سندھی تو قریب قریب بھی

حیدر آباد کے اور سب کے سب پیسے والے سکھوں میں کچھ بڑے متمول باقی دکانوں اور بینکوں کے چوکیدار ان دنوں سنگا پور میں رونق افروز ہونے والوں میں فقط ہمیں تنہا مشہور آدمی نہ تھے ہپی لوگوں کے گود گھنٹائی شری مہیش یوگی بھی آپدھارے تھے لیکن آج کل مشرق میں روحانیت کی اتنی قدر نہیں جتنی مغرب میں ہوتی ہے کیوں کہ یہ مال ادھر ہی کا ہے ادھر ہی سے جاتا ہے سنگا پور کے اخبار نویسیوں نے تو ان کے تقدس کو نظر انداز کرتے ہوئے فقرہ بازی تک کی اور کہا یہ آپ کیا مالا یہاں مٹکے لئے پھرتے ہیں اور یہ مرگ چھالا ہرن کی کھال کس مرض کی دوا ہے وہ آئیں باتیں شائیں کر کے رہ گئے اور بولے سادھوؤں کا یہی سامان ہوتا ہے بین الاقوامی محبت کے بھوکوں کو انھوں نے رشی کیش آنے کی دعوت دی تا کہ ہمالیہ کے دامن میں سکون سے بیٹھ کر اپنی آتما کو سکون سے مالا مال کر سکیں یہاں ۲۵ جنوری سے ان کی بین الاقوامی کلاس شروع ہو رہی ہے رشی جی تارک دنیا آدمی ہیں لہذا سنگاپور کے سب سے اونچے ہوٹل ۔۔۔ہوٹل ملائیشیا میں ٹھہرے تھے لیکن صوفے پر آلتی پالتی مار کر ہی بیٹھتے تھے ایک صاحب نے پوچھا سنا ہے آپ لکھ پتی ہیں آپ کے پاس پیسہ کہاں سے آتا ہے انھوں نے جواب میں فقط انگلی اٹھا کر آسمان کی طرف اشارہ کر دیا سچ یہ ہے کہ ہمارے رشی جی بین الا قوامی پیمانے کے ڈبہ پیر ہیں اب انہوں نے اعلان کیا ہے کہ دوسال کے اندر میں نیم ریٹائر ہوکر ہمالیہ کے دامن میں جا بیٹھوں گا ریٹائر کا لفظ انھوں نے استعمال نہیں کیا پبلک کے پرزدد اصرار کی صورت میں یہ ارادہ ترک کردینے کی گنجائش رکھی ہے ۔

ہائے راما ہم کہاں آگئے

بنکاک میں راما ہوٹل ہماری قسمت میں لکھا تھا یہ بھی لفتا نزوالوں نے لکھ دیا تھا یہ ہلٹن ہوٹلوں کے سلسلے کی ایک کڑی اوراس کڑی میں پر دئے جانے پر ہم خوش بھی ہوئے تھائی لوگوں کی حبالوطنی کا پہلا ثبوت ہمیں اس ہوٹل میں ملا انگریزی کو یہاں قہ مقام حاصل نہیں جو ہمارے ہاں ہے زیادہ تر دکانوں کینام اوراشتہارات تھا زبان ہی میں نظر آئے نمکاک پوسٹ یہاں کا ایک ممتاز انگریزی اخبار ہے رائے تھا مسن کی جاگیر میں شامل ہے اور مینجنگ ایڈیٹر اس کے ہمارے دوست سید محمد علی ہیں جو ڈان اور پاکستان ٹائمز وغیرہ میں رہ چکے ہیں اس کی پیشانی پر نمایاں طور پر لکھا رہتا ہے

سب سے کثیر الا شاعت اخبار "تعداداشاعت پندرہ ہزار

راما ہوٹل میں حب الوطنی کا مظاہرہ یہ لوگ بایں انداز کرتے تھے کہ تھوڑا کئے مسافر کی انگریزی نہیں سمجھتے تھے تا کہ وہ تھائی سیکھے کونٹر پر ہماری گفتگو کچھ اس قسم کی ہوئی۔

ہم ہمارے دوست تنویر احمد خاں کی کوئی خبر ہے انھیں ہمارے انتظار میں یہاں ٹھہرنا تھا۔

جواب ،، لنچ کا کمرہ وہ اس طرف ہے

ہم،، وہ ٹوکیو سے آج یہاں پہنچنے والے تھے

جواب،، زیورات کی دکانیں سامنے کی گلی میں ہیں

ہم ،، وہ یہاں نہیں آئے تو کوئی پیغام تو ہوگا

جواب جی ہاں،،سنگل کمرے کا کرایہ ایک سو چالیس بھات روزانہ ہے۔

ہم ،، آپ کے بنکاک کے بارے میا ں کوئی ٹورسٹ لٹر یچر ہے ۔

جواب ،، جی نہیں بارش کل نہیں ہوئی شاید آج ہو ۔

ہم نے تنگ آکر کہا سوال ازآسماں جواب از ریسماں۔

جواب جی نہیں میرے پاس ریز گاری نہیں ہے

عاجز آکرہم نے کہاہائے راما،،ہوئے راما ہم کہاں آگئے

شام کو ابو الحسین آئے اور ساٹھ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے ہمیں بنکاک دکھایاوہ انگلی سےاشارہ کر کے کہتے یہ ہندوؤں کاپرانا مندر ہے ہم نے کہا تواس پر سیوہیڈ کوارٹرز لکھاتھا معلوم ہوا اتنے میں وہ مندرآدھا میل پیچھے نکل گیا وہ کہتے یہ نہر دیکھو ہمیں وہ کاخانہ نظر آیا انھوں نے کہا یہ شاہی محل ہے وہاں ہمیں جوہڑ میں بطخیں تیرتی نظر آئیں آ خرہم نے کہا یا تو گاڑی کی رفتار کم کرو یا پھر اس مقام کاذکر کر جو آدھ میل آگے ہے تاکہ جتنی دیر ہم گردن ادھر کو گھمائیں وہ ہمارے سامنے ہو فرمائش کی کہ بنکاک کومشرق کا وینس کہتے ہیں ذرا وہ نہروں کا جال تو دکھاؤ جس کی وجہ سے اسے وینس گردانتے ہیں ابوالحسین بولے سرکار۔۔ان سب کو پاٹ دیااس پہردکانیں اورسڑکیں بنادیں ایک جگہ اونچا مردد منارہ نظر آیا ہم نے کہا یہ کیا ۔

بولے ،،یہ منارہ فتح کہلاتا ہے

ہم نے کہا ،،کس کی کس پر فتح کی یادگار ہے ؟

ابو الحسین بولے تھائی لینڈ نے کسی لڑائی میں فرانس کو شکست دی تھی اس کی یادگار ہے

ہم نے کہا ،،تھوڑی سی تاریخ ہم نے بھی پڑھی ہےآخر وہ کون سی لڑائی تھی ۔

تب ابوالحسین نے کہا یہ تمہیں کیا کسی کو بھی معلوم نہیں پچھلے سال فرانیسی بیفر کو بھی اس جشن میں بلایا گیاتھا جو اس مقام پر ہوتا ہے اس نے کہا صاحبو مجھے خود معلوم نہیں وہ کونسی لڑائی تھی کب ہوئی تھی اگر کبھی ہوئی بھی تھی تو اسے ہم کبھی کا بھول چکے ہیں لیکن چونکہ سبھی ملکوں میں منارہ فتح قسم کی کوئی چیز ہوتی ہے تھائیوں نے بھی اے ضروری سمجھا اصل چیز واقعہ نہیں ہے جذبہ ہے ۔دیت ناصر کی

لڑائی بند ہونے کے خیال سے اگر کوئی ملک کوف کھاتا ہے تو وہ تھائی لینڈ ہے کیونکہ یہاں ڈالروں کی بھر مار اسی طفیل تو ہے ہر روز ہزار فوجی یہاں چھٹی گزار نے کے لئے آتے ہیں انھیں ۵ روز کی مہلت ملتی ہے اور ہر روز ٦٠ ڈالر خرچ کرنے ان کو لازمی ہیں یہ اسی مقصد سے ملتے ہیں اگر کوئی خرچ نہیں کرتا تو اسے نہیں ملتے یہی وجہ ہے کہ ہمارے انٹر کانٹی ٹینٹل کے درجے کے کوئی ۵۰ ہوٹل ہوں گے بار نائٹ کلب اور حمام جس میں سب ننگے ہوتے ہیں یہاں اس طرح ہیں جس طرح کراچی میں پان کی دکانیں ان کے نام بھی امریکیوں کو وطن یاد دلاتے ٥٨ یں میامی کلب۔ واشنگٹن کیبرے ناس اینجلز حمام یہ سب امریکیوں کے کپڑے اتارنے کے کاخانے ہیں فقط محاورے میں نہیں ویسے بھی ہمارے ایک دوست بتاتے ہیں کہ پہلی بار ایک بڑے ہوٹل میں ٹھہرا ۴۵ نمبر کمرہ مقرر ہوا میں نے چابی لے کر کمرہ کھولا تو دیکھا کہ وہاں ایک صاحبہ فروکش ہیں۔

میں نے معذرت کی کہ معاف کیجئے میں شاید غلط کمرے میں آ گیا۔

پٹاخ سے بولیں ،، جی نہیں آپ بالکل صحیح کمرے میں ہیں۔

آپ کا تعارف۔

یعنی کمرے کے کرائے میں

بولیں جی نہیں میری فیس الگ ہے پچاس ڈالر۔

یہ صاحب تھے مولوی قسم کے آدمی۔ بولے۔ بی بی تم جاؤ مجھے یہاں فقط ٹھہرنا ہے وہ بمشکل مانیں وہ بھی پانچ ڈالر ہر جانے لے لے کر جہاں امریکیوں کی پورش ہوجائے وہاں ڈالر کی ریل پیل تو ہوجاتی ہے لیکن اور ہر چیز مع غیرت کے نایاب ہوجاتی ہے یہ جاپان میں ہوا دوسری جنگ کے زمانے میں بنکاک میں آج ہو رہا ہے آبرد کی سوداگری میں لوگوں کو خدا کے علاوہ کچھ ہمسائے کا بھی ہوتا ہے لیکن جب سب ایک ہی رنگ میں برنگے جائیں تو کوئی خیال روکنے والا نہ ٩یں راما ہوٹل بڑا معزز ہوٹل ہے لیکن جس بوائے نے سا۔

مان پہچانا اس نےمسکراتے ہوئےاپنی لنگڑی انگریزی اور کنایوں کی مدد سے جتا دیا کہ وہ ہمارےآرام کے لئے ہر طرح کی خدمات بجا لانے کو تیار ہے خیر مسافروں میں ہم ایسے بدتقفھق بہت ہوتے ہیں لیکن ویت نام سے آنے والے سپاہی کو تو یہ پانچ دن زندگی کے مستعار ملتے ہیں ویت کانگ کی گولی اس کی منتظر ہوتی ہے پھر سحر ہو نہ ہو کسے معلوم ہوائی اڈے سے باہر ایک امریکی کو تو ہم نے دیکھا کہ بیٹھا بھوں رد رہا ہےہم نے جانا کہ کسی تکلیف میں ہے ،

ہم نے کہا ،،ہم آپ کی کیا مدد کر سکتے ہیں

بولا جاوَ جاوَ تم میری مدد نہیں کر سکتے تم یہ لٹائی بند نہیں کرا سکتے ہو یہ شخص پانچ دن زندگی مستعار کے گزار کر واپس جارہا تھا اس وقت وہ زندہ ہے کہ نہیں کہنا مشکل ہے ،

لعبت چین کا نظر بٹو

جس طرح کسی خوش منظر عمارت کی پیشانی پر ایک کالی ہنڈیا لٹکا دی جاتی ہے تا کہ اسے نظر نہ لگےاس طرح چین کی اقلیم عظیم کے گلے میں بھی ایک نظر بٹو ہے اور اسے ہانگ کانگ کہتے ہیں ۔

دراصل ہانگ کانگ کوئی ایک جگہ نہیں کم از کم دو جگہوں کا نام ہے آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ ان میں ایک کا نام ہانگ ہوگا دوسرے کا کانگ یہ بات نہیں ایک تو جزیرہ ہے کوئی گیارہ میل لمبا چوڑائی کہیں دو میل ہےکہیں تین میل حد سے حد پانچ میل اس کا نام ہانگ کانگ یا وکٹوریا ہے اور دوسری چین کے جزیرہ نما کی ایک نوک جسے ہم ہاتھی کی دم کے ڈھائی بالوں سے تشبیہ دے سکتے ہیں برطانیہ کی فوجی بارکیں بھی اور وہ فروش گاہیں بھی جہاں سے سیاح لوگ یمرے دورنہیں ٹرانزسٹر سوٹ قمیض اور الا بالا خرید کے لوٹتے ہیں لینٹن کوریل بھی یہیں سے جاتی ہے سرکاری دفاتر البتہ ہانگ کانگ میں ہیں اور جزیرہ ہانگ کانگ سے

کالون جانے کے لئے فیری میں جانا ہوتا ہے فیری ایکبہت بڑی مسطح لانچ سمجھئے درمیانی خلیج کہیں میل بھر چوڑی ہے کہیں کم ایک جگہ تو بس ڈھائی فرلانگ کا فاصلہ ہے دونوں ساحلوں میں اوراسی میں سے بڑے بڑے جہاز گزرتے ہیں جہازوں کی گزر گاہ نہ ہوتی تو کبھی کا پل بن گیا ہوتا کچھ اور جزیریاں بھی ہیں اور ساحل چین پرنئے علاقہ جات کے نام سے ایک خاصا بڑا رقبہ زمین ۳۵۵ مربع میل بھی لیکن بنیادی علاقے کولون اور ہانگ کانگ ہی جانیئے۔

ہمارا سفرنامہ یکم جون کی شام کے ساڑھے چاربجے سےشروع ہوتا ہے جب بی او اےسی کا طیارہ کولون کے ہوائی اڈے پر اترا اور قلی نے ہمارے سامان کو ہاتھ لگانےکے دوڈالر ہم سے لے لئے ہوٹل کی ہمیں تشویش نہ تھی کیونکہ ایک مشہور ہوائی کمپنی نے جس کا ٹکٹ لےکر ہم کراچی سے چلے تھے ہم سے کہہ دیا تھافورچونا ہوٹل میں جا کر فروکش ہو جانا ہمارےدوسرے ساتھی تو ہمیں حیرت سے تکتے رہ گئے کیونکہ انھیں ہوائی اڈےپر واقع معلوماتی دفتر برائے ہوٹل سے معلومات کرنی تھیں ہم گردن اکڑائے ہوٹل فورچونا کی گاڑی میں بیٹھ گرد پیش کا منظر دیکھتے سیٹی بجاتے جھٹ پٹ فورچونا پہنچ گئے اورکھٹ کھٹ سیڑھیاں چڑھتے مینجر سے جاکر کہا لایئےحضرت ہمارے کمرے کی چابی اور بھجواتے رہیئے ہمارا سامان اوپر مینجر نےکہا ،،اسم شریف

ہم نے اپنا اسم شریف بتایالیکن مینجر کی حیرانی دور نہ ہوئی بولا آپ کہاں سے آئے ہیں

ٹوکیو سے۔۔۔اور کہاں سے آتے

نہ ہمارے ہاں آپ کانام ہے نہ آپ کے لئے کوئی کمرہ،،

ہم نے کہا عزیز من ذرا غور سے دیکھو ہم کراچی سے انتظام کراکے چلے تھے۔

عزیز من نے غور سے دیکھ کرکہا یہاں مسٹر ابن کا نام توہے آپ اپنا نام انشا بتا رہے ہیں ۔

ہم نے کہا ،،ہمیں تو ہیں مسٹر اپنے ۔۔ہمنارا پورا نام ابن انشا ہے

منیجر صاحب بولے ،،پھر آپ پرسوں تشریف لائیے آپ کی بکنگ تین تاریخ سے ہے

آج کوئی کمرہ نہیں ۔

بات یہ ہے کہ ہم تین جوب کے بجائے یکم ہی وارد ہانگ کانگ ہو گئے تھے ٹوکیو ہم رہتے لیکن کھاتے کیا

اتنا ضرور ہے کہ ہم نے کراچی اور ہانگ کانگ دونوں جگہ اپنے پروگرام کی تبدیلی کی صلاح بھجوائی تھی اور

اب ہوٹل والے کہہ رہے تھے کہ ہم کو نہیں معلوم۔

اب ہم کہاں جائیں ،منیجر بولا کسی اور ہوٹل میں چلے جایئے

قریب ترین ہوٹل کنسا ہے°؟

قریب ترین تو کلوور cliver ہوٹل ہے یہ سامنے رہا میں اس کے منیجر کو فون کیئے دیتا ہوں ابھی آپ کا

سامان لے جاتا ہے،،

اچھا ہوٹل ہے°؟

ہمارے ہوٹل کے پائے کا تو نہیں خیر آپ خود دیکھ لیجئے گا کرایہ بھی کچھ کم ہے ہمارا ۴۵ ڈالر روزانہ

ان کا ۳۵ ڈالر

کلوور ہوٹل کی نیچے کی منزل پر تو کوئی سینما ہے اوپر دس گیارہ منزلیں ہوٹل کی ہیں دفتر تیسری منزل پر

وہاں تو ہم نے بس اپنا نام اور کام وغیرہ لکھوایا اور ایک بیرا ہمیں آٹھ سو بارہ نمبر کے کمرے میں لے گیا

اس کے اندر مشین دھڑ دھڑا رہی تھی ہم نے کہا یہ کیا ہے ۔

بولے ،،ایئر کنڈیشنر ہے اس سے کمرہ ٹھنڈا رہتا ہے

ٹھنڈا تو نہیں ہے،،

جی رات کو ٹھنڈا ہوگا،،

بس اس میں سے تو ٹھنڈی ہوا نہین آرہی ،،

بیرے نے کہا حضور آپ اس کے سامنے بیٹھ کے دیکھئے تو محسوس ہو ،

لیکن یہ ہوااور خشکی پلنگ تک تو آنی چاہیئے ،،

جی بیشک آنی چاہئےلیکن پلنگ گھسیٹ کراس کے پاس لےجائیے گا آرام پایئے گا۔

اچھاتو جاؤ ۔۔۔۔چابی دے دو کمرے کی۔۔۔۔خدا حافظ

بیرا بولا جناب چابی تو ہم گاہگ کو نہیں دیتے یہ ہمارے ہی پاس رہتی ہے ہوٹل کی چیزوں کی حفاظت جو کرنی ہوئی ہم نے غسل خانہ وغیرہ دیکھا سب ٹھیک ٹھاک تھا اگر چہ ٹھاٹھ کے مقابلے میں کچھ جس کے ہم ٹوکیو میں عادی ہو گئے تھے تھرماس میں سے پانی پینا چاہا تو گرم ہم نے پھر بیرے کو بلایا اچھا جناب لاتا ہوں بیرے کو بلایا بالااچھا جناب لاتا ہوں ٹھنڈاپانی کہیں سے۔

ٹوکیو میں تو موسم بہت ہی خوشگوار تھااور ہم گرم سوٹ زیب تن کئے ہوئے تھےلیکن ہانگ کانگ کاموسم اور حابس ۔۔۔ ہم نے خیریت اسی میں جانی کہ کپڑے بدل لیں سوٹ کیس میں نیچے دو جوڑے ٹھنڈے کپڑوں کے رکھے تو تھے ۔

لیکن جیب میں ہاتھ ڈالاتو سوٹ کیس کی چابی غائب خدا جانے کہاں رہ گئی ہم چابیاں پیسے ہوائی جہاز کے وغیرہ گم کرنے میں شہرت عام اور بقائے دوام تورکھتے ہیں لیکن یہ بھلا کون سا موقع تھا چابیاں گم ہونے کا بیرے کو بلایا اور اس کو ٹھہر ٹھہر کر سمجھایا کہ یہ تالا معمولی قسم کا ہے اس کو کسی بھی سوٹ کیس چابی لگ سکتی ہے کہیں سے چابیاں لاؤ اور کھول دو شاباش اس نے صاف جواب دے دیا کہ جناب ہمارے پاس نہیں ہم نہیں کھولتے تالا ۔

ہم نے کہا ،،کسی تالا کھولنے والے کو بلاؤ۔

بیرابولا اس وقت تو صبر کیجئے صبح دس بجے ملے گا تالا کھولنے والا۔

دس بجے کل ؟ بلاؤ مینجر کو ۔۔۔اچھا ہم خود ہی مینجر کے پاس جاتے ہیں

مینجر نے بھی کل دس بجے کامژدہ سنایا ہم نے کہا نا ممکن کسی تالا توڑنے والے کو بلاؤ ورنہ ہم خود توڑیں گے تالاخیر مینجر نے کسی کو پھر بھیجا کہ کوشش کرے۔

تھوڑی دیر بعد میں کوریڈ سے ایکبڑھا برآمد ہوا جس کے ہاتھ میں سوا تھا ایک ہتھوڑا۔ہماری باچھیں کھل گئیں لیکن اس وقت ان کو سمیٹنا مشکل ہو گہیا جب اس نے اپنے کام کا ہدیہ طلب کیا ---چار ڈالر ہم نے کہا بیرے سے فریاد کی چار ڈالر غضب خدا کا ارے میاں نکھے سوٹ کیس خریدنا نہیں نہ تالا بنوانا ہے حتی کہ چابی تک بنوائی منظور نہیں فقط کوئی تار یا سوا تالے میں داخل کر کے اسے کھولنا ہے ایک ڈالر دے دوں گا

،،نا،،

دو ڈالر ،،

جی نہیں

تین ڈالر

بڈھا منغض ہو کر چل دیا کہ جناب میں نے پہلے ہی مناسب دام بتائے تھے چار ڈالر سے ایک پیسہ کم نہ ہوگا ہم نے اسے بلایا اس کی ہتھیلی پر چار ڈالر رکھے اس کی مٹھی کو اپنے ہاتھ سے بند کیا اس کے ہاتھ کو بوسہ دیا اور کہا اچھا حضور تادان حاضر ہے اب کھولیئے تالا۔

اس مرد متمکن نے چابی کت سوراخ میں سوا داخل کیا ہی تھا کہ تالا کھٹ سے کھل گیا اگر کچھ وقت سے کھلتا اور شاید ہمیں اپنے چار ڈالر کے جانے کا اتنا نقصان نہ ہوتا لیکن اب طیش آیا اور ہم نے اس شخص سے کہا شکریہ لیکن ہماری آنکھوں سے دور ہو جاؤ ---اور بیرا صاحب تم بھی۔

بیرا بولا --جناب اور کوئی ہوٹل ہوتا تو اتنے سارے کام کے سات آٹھ ڈالر سے کم نہ لگتے وہ میری وجہ سے اس نے چار ڈالر میں یہ کام کر دیا مطلب اس یہ تھا کہ میں بھی امیسوار کرم ہوں دو ڈالر

بخشش میری بھی یاد رکھئے گا اور وہ واقعی اپنی بخشش لے کر ٹلا تالا کھولنے سے کتنی بخشش وصول کی ہوگی ہم نہیں کہہ سکتے۔

کمرے دو طرح ایر کنڈیشن کیئے جاتے ہیں گرمیوں میں انھیں ٹھنڈا رکھا جاتا ہے اور سردیوں میں گرم ہمارا خیال ہے کلورو ہوٹل نے اس خیال سے کہ ہم ٹوکیو کے ٹھنڈے شہر سے آئے ہیں اور گرم سوٹ پہنے ہوئے ہیں ہمارے لئے سردیوں والے ایئر کنڈیشن کا انتظام کیا تھا خیر ہم نے پہلا کام یہ کیا کہ غسل خانے میں گئے اپنی از غزل گنگنائی نہائے بھی تب کچھ سکون ہوا اب ہم نے پتلون اور بوشرٹ زیب تن کی ایر کنڈیشنز بند کیا جس سے گرمی میں قدرے افاقہ ہوا اب ہمارے پاس دو پونے دو دن تھے جو کچھ کرنا تھا انھی میں کرنا تھا پہلے تو ٹوکیو کے ٹھاٹھ کے بعد کا عالم دیکھ کر چار آنسو ردئے حساب لگایا کیا تو معلوم ہوا کہ وہاں بھی کمرے کا کرایہ یہی تھا زیادہ نہ تھا لیکن نوکرچاکر ،ماما،اصلیں بلائیں لینے کے لئے تیار رہتی تھیں اور من موہنی لڑکیاں گیشائں کا لباس پہنے لفٹ میں سلام دعا کرتی تھیں اور دل باغ باغ ہوجاتا تھا خیر میاں آزاد ع عید نیست کہ حلوہ خورد کسے ہوٹلوں کے کمروں میں ایک برڈ لٹکا رہتا ہے کہ کرایہ اتنا ہے اوراگر آپ کے ہاں کوئی چوری چکاری ہوئی تو ہم ژمہ دار نہ ہوں گے اور بارہ بجے کمرہ خالی کرنا ہوگا یہ اور ایک چھوٹا سا نوٹس البتہ لمپ کے پیچھے اور تھا ۔

ہم اپنے کرم فرماؤں کو ناشائستہ لوگوں اور ان کے ٹیلی فون سے محفوظ رکھنے کے لئے مناسب خیال کرتے ہیں کہ آدھی رات کے بعد کوئی ناشائستہ فرد آئے یا اس فون آئے تو اپنے کرم فرما کے کمرے سے نہ ملائیں البتہ اگر ہمارے کرم فرما ایسی ممنعت ضروری نہ سمجھیں تو ہر طرح سے آزاد ہیں۔

اسے دیکھا اور فلور بوائے کی موںچھوں میں سرسرائی مسکراہٹ کو دیکھا تو ہمارا ماتھا ٹھنکا یا اللہ ہماری عصمت اور آبرو تیرے ہاتھ ہے۔

نمبر ۹۷ کی تلاش میں

فورچونا ہوٹل میں کمرہ نہ ملنااور ہمارا کلوروہوٹل میں وارد ہونا سوء التفاقات کے سلسلے کی پہلی رو کڑیاں تھیں تیسری لڑی تھی ہمارے سوٹ کیس کی چابی کاگم ہونا اور اس کھلوانے کی کوشش میں ہمارا بقدر چار ڈالر مفلس تر ہوجاتا ہانگ کانگ کا پروگرام ہی اس طرح بنا تھا کہ ایرکمپنی کے خرچ پر ہوٹل میں ٹھہر یں گے اور جو چند ٹکے جیب میں ہیں ان سے شہر دیکھیں گے اور کوئی چھوٹی موٹی چیز قمیض وغیرہ خریدیں گے لیکن یہ کیا پتہ تھا کہ ہانگ کانگ میں جہاں ہم یکسیر اجنبی تھے ہمارے لئے عشق کے امتحان اور بھی ہیں ہم نے سوٹ کیس کھولا اور وہ پیکٹ نکالا جو کراچی سے ہمارے ایک دوست نے ہمیں دیا تھا کہ ہانگ کانگ پہنچو تو فلاں صاحب کو پہنچا دینا فون کردینا وہ خود پہی آکر لے جائیں گے اور چونکہ وہ لوگ پنجابی ہیں تمہاری رہنمائی اور مدد کا حق بھی ادا کریں گے پس ہم نے فون کیا پھر فون کیا پھر فون کیا لیکن ڈدائے برنخاست آخر سوچا کہ کیوں نہ خود ان لوگوں سے شرف ملاقات حاصل کیا جائے یہ جگہ واٹرنو روڈ پر تھی اور وہاں وکٹوریہ مینشن تلاش کر کے اس کی چھٹی منزل پر فلیٹ ۷۴ میں جانا تھا ہوٹل ہمارا نتھان روڈ پر تھا کسے کولون کی بندر روڈ سمجھئے اب ہم نے وہ نقشہ نکالا ہوٹل فورچونا کی لابی سے لےلیا تھا اور بیرے سے کہا ہمیں ذرا اس پر بتاؤ کہ واٹر روڈ کہاں ہے بیرے نے نہایت شفقت سے نقشہ پر انگلی پھیرنی شروع کی جو بہت جلد نقشے کی سرحد پارکر کے میز پر چلی گئی معلوم ہوا ہٹل فورچونا والوں نے یہ احتیاط کی تھی کہ اپنے گرد نواح کی چند سڑکوں اور گلیوں کے علاوہ نقشے پر کچھ نہ دیا جائے تا کہ کوئی مسافر غریب بھٹک نہ جائے خیر بیرے نے کہا جہاں یہ نقشہ ختم ہوتا ہے وہاں سے دو سوگز آگے جایئے اور پھر کسی سے پوچھ لیجئے کہ واٹر روڈ کدھر ہے ہم نے کہ کتنے ہی شہروں کی گلیوں کو پیادہ پاردند چکے ہیں سز نقشہ اٹھایا پیکٹ بغل میں مارااور خضرا راہ بیرے کی بتائی ہوئی سمت میں روانہ ہوگئے کرنا خدا کا ایسا ہوا کہ کہ چند چوک کے بعد واٹر لو روڈ مل گئی نتھان روڈ سے داہنے ہاتھ کو ایک ترچھی سی

شاخ نکل گئی تھی اس وقت ہمیں یہ اندازہ نہ تھا کہ اتنے چھوٹے آم میں اتنی بڑی گٹھلی ہو سکتی ہے یعنی اس چھوٹے شہر میں اتنی لمبی سڑکیں ہو سکتی ہیں ہم یہی سمجھے کہ سڑک مل گئی تو گھر بھی مل گیا سمجھو وکٹوریہ میشن کا نمبر ۷۹ تھا کہیں تو جا کے رکے گا سفینہ غم دل لیکن اس شب ست موج کا ساحل نہ تھا اول تو واٹر بورڈ پر نمبر تھے تو آٹھ دس مکانوں کے بعد ایک نظر آتا اب ہم نے پوچھنا شروع کیا جس چینی کو ہم اس کے کپڑوں سے تعلیم یافتہ جان کر سوال کرتے تھے وہ کاندھے اچکا کررہ جاتا اور اپنی راہ ہولیتا ایک آدھ نے انگریزی میں کہا ہمیں نہیں معلوم لیکن ایسے بھی ملے کہ ہمارے سوال کا کوئی نوٹس ہی نی لیا نہ کاندھے اچکائے نہ معذرت کی بلکہ ہمیں بھرپور نظر سے دیکھ کر چل دیئے اور ہم اپنا سا منہ لے کے رہ گئے چلتے چلتے ،چلتے چلتے کئی پار کرنے کے بعد ہم کو ۸۰ ایک جگہ لکھا مل گیا اور ہم نے کہا لو معرکہ مارلیا اب ایک اگلا یا اس سے پچھلا نمبر ۷۹ ہوگا لیکن ۸۰ کی یہ عمارت کوئی گرجا تھی اور اس کے ساتھ والے مکان کا نمبر ۷۳ تھا اس کے بعد ایک گلی تھی اور گلی کے پار ۵۹ نمبر کا مکان تھا معلوم ہوا اس سڑک کے مکانوں کی ترتیب کا فرسودا اصول استعمال نہ کیا گیا تھا اب تک ہم ڈھائی میل کی راہ طے چکے تھے اور اب تک ہمارے ساتھ جو گزری تھی اس کی بناء پر غنچہ دل بھی نہ کھلا تھا بلکہ دل تنگی کی کیفیت تھی خیر اب جو ایک بھلے مانس گزرے ان سے ہم نے فرمائش کی کہ وکٹوریہ مینشن بتاؤ اس شخص نے سڑک کی دوسری طرف اونچی اونچی عمارتوں کے ایک سلسلے کی طرف اشارہ کیا کوئی دو فرلانگ دور اور کہا وہیں کہیں ہے ڈھونڈ لیجئے۔

قصہ کو تاہ ۸۰ سے کوئی دو فرلانگ دور ۷۹ مل گئی اب فقط چھٹی منزل پر جانے اور ۴۷ نمبر فلیٹ تلاش کرنے کی بات تھی بلڈنگ میں دو تین لفٹ لگے تھے ایک کا بٹن دبایا اور انتظار کیا کہ دروازہ کھلے دروازہ کھلا تھوڑی دیر بعد اسے ہم نے اپنی طرف کھینچا تو دروازے کے کواڑ کی طرح باہر کو کھل گیا اندر جا کر ہم نے چھ نمبر کا بٹن دبایا لیکن لفٹ ساکت پھر دبایا اب کے بھی کوئی حیرت نہ ہوئی آخر دروازے کو جھٹکا دیا اور

لفٹ نے اوپر چڑھنا شروع کیا ۱، ۲، ۳، ۴، ۵، ۶، ۷، ۸، ۹، ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳، گویا ہم تیرھویں منزل پر پہنچ گئے تھے اب ہم نے پھر دبایا اور لفٹ نے نیچے اترنا شروع کیا لیکن ۶ پر اب کے بھی نہ رکا اور زمین پر آکر دم لیا اب کے ہم نے یہ ترکیب کی کہ منزل مقصود کے قریب جا کر stop کا بٹن دبایا لیکن اس لفٹ کی تعمیر میں صورت خرابی کی یہ نکلی کہ یہ پانچویں اور چھٹے مالے کے درمیان جا کے رکا پھر دبایا تو چھٹے اور ساتویں کے درمیان سفید دروار کے دامنے معلق ہو گیا ناچار ہم اوپر جاکر پھر نیچے آئے اور پھر زمینی منزل پر نکل آئے کہ کوئی شخص ملے تو اس نادر روز گار لفٹ کی ترکیب استعمال معلوم کی جائے۔ اتنے میں ایک دوسرے لفٹ سے ایک انگریز نما بزرگ برآمد ہوئے ان سے ہم نے احوال کہا تو وہ مسکرا کر دوسرے لفٹ میں لے گئے اور ہمیں ۶ پر جا کر اتارا۔

۴۷ نمبر کا فلیٹ کاریڈیو کے سرے پر تھا لیکن دروازہ اس کا بند تھا اور دروازے کے باہر ایک آہنی جنگلا لگا تھا خیر ہم نے بٹن دبایا تھوڑی دیر بعد کسی خاتون بے دروازے کو جزوی طور ہر کھولا اور کہا ،،

کیا کام ہے کس سے ملنا ہے ؟

ہم نے کہا ، ڈاکٹر فلاں اور ان کی بیگم فلاں یہاں رہتی ہیں ؟

اس خاتون نے کہا یہ تو بعد میں بتاؤں گی پہلے آپ کا نام بتایئے ؟

ہم نے کام عرض کیا یہ ایک پیکٹ کراچی سے لایا ہوں انھیں دیناہے ۔

اب انھوں نے دروازہ کھول دیا ابدر دوتین صاحب بیٹھے تھے جنھوں نے ہمیں دیکھ کر کسی کی گرمجوشی کا اظہار نہ کیا بلکہ اپنے سلام علیکم کا جواب بھی نہ سنا اور خود ہی ایک کرسی لے کر بیٹھ گئے انھوں نے یہ پوچھا کہ آپ کون ہی کہاں سے آئے ہیں بہرحال ہم نے ایک اپنی بپتا سنائی آخر ایک صاحب بولے ہاں ہمارا فون خراب ہے آپ خوش قسمت ہیں کہ ہم آپ کو مل گئے کیونکہ آج ہم یہ فلیٹ بدل رہے ہیں کہیں اور چلے جائیں گے ہم نے ان کا بہت شکریہ ادا کیا کہ آج مکان نہ بدل کر ہماری اتنی زحمت

بچالی اور پھر سلام کر کے چلے آئے۔

وقت کھانے کا ہو رہا تھا اور ہماری بھوک کی چمک اٹھی تھی راستے میں ایک دو چینی ریستوران نظر آئے لیکن جاپانی چینی کھانا اتنے دن کھایا تھا کہ اب اس کا شوق نہ تھا ہم بے خیالی میں اپنے ہوٹل سے کوئی آدھ میل آگئے نکل گئے جہاں داہنی طرف فوجی بیرکس اور خاردار تاروں کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا جس کا مطلب یہ تھا کہ ہم غلط جگہ آگئے اب کے جو ہم لوٹے تو چوک ہی پر ایک صاحب نے کھسیس نکال کر ہم سے کچھ سوال کیا پتہ نہیں کیا کہہ رہا تھا ہم نے پوچھا کیا ؟

بولا ،،چوکری،،

چینی ہم جانتے نہیں اور انگریزی میں ایسا لفظ ہمیں یاد نہ تھا لہٰذا مزید وضاحت طلب کی اب کے اس نے کہا چوکری چاہیئے۔

ہم نے کہا what، چوکری

بولا ،،عمدہ نفیس young

اب ہم جان گئے کہ ہندوستا نیوں پپا کستانیوں کی آسانی کے لئے انھوں نے یہ لفظ یاد کر رکھا ہے اس پر ہانگ کانگ کی حکایات اور روایات یاد آئیں ایک زمانے میں شنگھائی میں بھی یہ عالم تھا کہ راہ چلتوں کو چلتوں کو روکا جاتا تھا اور سارے شہر میں قبہ خانوں ۔چنڈد خانوں اور دلالوں کے ٹھکانوں کا جال بچھا تھا چین میں تو اب یہ چیز ناپید ہے ایسی ناپید جیسے کبھی نہ رہی ہو لیکن ہانگ کانگ میں مسافر نوازی کا معقول انتظام ہے یہاں جیب بھی کٹتی ہے اور قدم قدم پر تیرتھ رام فیروز پوری کے ڈاکٹر فومانچو اور سنہری بچھو بھی موجود ہیں ہوٹلوں میں آپ کا سوٹ کیس بھی کھول لیا جاتا ہے اور اس پر ہمیں ہوٹل کے کمرے کا وہ نوٹس کے کمرے کا وہ نوٹس بھی یاد آیا کہ ناشئستہ لوگوں اور ان کے ٹیلی فونوں سے خبردار۔

ہم جلدی سے لندن تھیٹر والی گلی میں مڑ گئے اور اگلے ہی چوک میں پھر گھر گئے پہلے تو ایک رکشا والے

نے جس کے چہرے پر سب کچھ لکھا تھاہمارا راستہ روکا ہم نے فٹ پاتھ بھلا تو ایک چھبے کی آڑ سے دو آدمی اور نکلے ان کے پاس مال تجارت ایک ہی تھا اچھااور ہانگ کانگ کی روایت کے مطابق سستا پسند ہو تو دام واپس خیریت اسیمیں نظر آئی کہ نتھان روڈ ہی پکڑو۔۔۔۔۔ریستوران کی تلاش بھی ملتوی آ خرکلورو ہوٹل ہی میں آ کر لیا اس کی چھت پر بھی ایک ریستوران ہے جس کے ساتھ جنت بگاہ اورفردوس گوش کے کچھ التزامات ہیں ہم نے اوپر پہنچ کرایک نیم تاریک برآمدے میں جلدی جلدی کچھ منگا کر کھایا ایک کوکا کولا پیا اور بیروں کو مایوس اور متحیر چھوڑ اپنے کمرے میں آگئے یہ عزم ہم نے کرلیا تھا ایک آدمی روت کوکوئی فون آئے ہم علی الصباح اس ہوٹل سے کنارہ کریں گے پہلے چابی گم ہوئی تھی اب کےکہیں خود ہی نہ گم ہو جائیں

افغانستان

۱۹۶۶ء

ایک سفر نامہ جو کہیں کا بھی نہیں ہے

ہم نے سفر نامے بہت لکھے ہیں چین وماچین کے سفر نامے ایران توران کےسفرنامے ان جگہوں کےسفر نامے جہاں ہم نہیں گئے اوران وارداتوں کا چشم دیداحوال جو ہم نے نہیں دیکھیں انسانوں کو اللہ تعالیٰ نے ٹانگیں بے شک دی ہیں لیکن دماغ بھی تو دیا ہے جس کی اہمیت ٹانگوں کے برابر نہ ہو بہرحال ہے تو۔

آج کا سفر نامہ ہے تو سفرنامہ لیکن اگر کوئی پوچھے کہ کہاں کا ہے تو بتا بھی نہ سکیں آج صبح ہم کابل کے لئے چلے تھے لیکن رات ہوگئی ہے اور کابل پہنچے نہیں ہیں پہلے راولپنڈی میں لیٹ ہوئے پھر پشاور سے چلنے میں تعویق ہوئی آخر چلے پائلٹ نے بتایا کہ آپ کے نیچے اس وقت درہ خیبر ہے پھر کہا یہ ڈہنی طرف کو جلال آباد کا قصبہ ہےاوریہ ٹیڑھی میڑھی جوئے کم آب دریائے کابل کہلاتاہے اب آپ حکومت افغانستان کے وہ فارم بھر دیجئے جن میں وطیت قومیت وغیرہ لکھنی ہوتی ہے اور اب صاحبان پائلٹ نے کھنکار کرکہا اب تھوڑی دیر میں ہم پشاور کے ہوائی اڈے پر اترنے والے ہیں کیونکہ کابل گھنگو ر بادلوں میں چھپا ہوا ہے وہاں ہم اتر نہیں سکتے امید کاسفر خوشگوار گزارا ہوگا دراصل آثار شروع ہی سے ٹھیک نہیں تھے جب سے کابل جانے کا سنا لوگ ہمیں برا بڑدرا رہے تھے کہ سردی ہے جانا نہیں مرجاؤ گے مولانا حامد علی خاں نے کہا میں کابل میں دو دو اوور کوٹ پہن کر بھی یہ محسوس کرتا تھا کہ تن زیب کا انگرکھا پہنے ہوئے ہیں حمیداختر نے نصیحت کی کہ جاتے ہی وہاں سے وگلہ نما افغانی کوٹ خرید لینا ورنہ نتائج کا ذمہ دار نہ ہوگا ان لوگوں کا ہم ذکر نہیں کرتے جو ہم سے جل کر طعنے تشنے پر اتر آئے تھے ایک تو یہاں تک کہا کہ کیا کابل میں گدھے نہیں ہوتے جو تم وہاں جا رہے ہو خیر فکر ہر کس بقدر ہمت اوست۔

ایک جونا مارکیٹ ہم شرما شرمی میں نہیں گئے ورنہ کون سی جگہ ہے جہاں سے ہم نے اپنے لئے کپڑے جمع نہیں گئے ہمیں دراصل اوورکوٹ درکار تھے اور کوئی اونی زیر جامہ تو سبحان اللہ لیکن ہماری شہرت ایسی خراب ہوئی کہ لوگوں نے قیاس کیا ہم شاید فلسطین کے مہاجروں یا افغانستان کے پاوندوں کے لئے کپڑے

جمع کر رہے ہیں نتیجہ سب نے اپنے پھٹے ہوئے گھسے ہوئے کپڑے ہمارے سر منڈھے کی کوشش کی وہ جانتے تھے کہ اگر واپس دے گا یو ڈرائی کلین کرا کے دے گا نہ دے گا تو ہماری جان ان کپڑوں سے چھوٹے گی۔۔۔دونوں صورتوں میں نقصان اسی شخص کا ہے اوور کوٹ ہمارے پاس دو ہوگئے ایک تو آ غا جعفری کا عطیہ اتنا خوبصورت اوردیدہ زیب کہ پہننے کو جی نہ چاہئے دوسرا حبیب اللہ شہاب کا جو شاید انھوں نے قطب شمالی کی مہم کے لئے بنوایا تھا ۔

کیونکہ ہم نے اسے پہنا تو بوجھ کے مارے زمین پر بیٹھ گئے دو آدمیوں نے ہماری بانہوں میں ہاتھ دے کر ہمیں دوبارہ کھڑا کیا اور پھر اسے پہن کر ہم بالکل برفانی ریچھ معلوم ہوتے تھے بس رنگ کا فرق تھا کیونکہ برفانی ریچھ غالبا سفید ہوتا ہے کلہ و دستانہ ہم پر نہیں رکھتے لیکن اس خاص موقع کے لئے ایک فلیٹ خریدی اس کا الٹا سیدھا معلوم کیا لومڑی کی کھال کے دستانے لیئے گلے میں کانگڑی ڈالنے کا بھی خیال تھا لیکن وہ کشمیر کی خاص چیز ہے ہمارے کراچی میں نہیں ملتی اس سارے سازو سامان سے لیس ہو کر دم تحریر ہم پشاور میں پڑے ہیں یہ ڈین ہوٹل کا کمرہ ۴۷ ہے آتشدان میں آگ دہک رہی ہے جس طرح ہمارے گاؤں کے فتح دین درزی نے کراچی ایف، ڈین اینڈ سنز ٹیلرز اینڈ آؤٹ فٹرز کے نام سے اپنی دکان لگائی اور چمکائی اس سے ہم سمجھتے تھے کہ ڈین ہوٹل بھی کسی احمد دین یا نوردین کا ہوگا لیکن ہوٹل کا ناک نقشہ بتایا ہے کہ یہ واقعی کسی انگریز بہادر کی ملکیت رہا ہے لان کشادہ۔احاطہ۔کشادہ،کمرے کشادہ،ہر چیز کشادہ ہے سوائے مالکوں کے دل کے کیونکہ ہمارے کمرے میں بجائے غالیچوں کے ان کی کترنیں پڑی ہیں ٹھنڈے کمرے کے فرش پر ان پر پاؤں رکھتے ہوئے یوں گزرنا پڑتا ہے جیسے کیچڑ میں پڑی ہوئی اینٹوں پر بچتے بچاتے قدم رکھتے ہوئے چلتے ہیں لاؤنج کے قالین بھی گھسے پھٹے ہیں اور عظمت رفتہ کی کہانی کہہ رہے ہیں جدید ہوٹلوں کی سی نہ اس میں شان ہے نہ آسائش اپنی عمر طبعی میں سے یہ کچھ ہنس کر گزار چکا ہے اور کچھ رو کر گزار رہا ہے سید محمد جعفری نے جو مصر ع پرانے کوٹ کی مدح میں لکھا تھا ہمیں

اس ہوٹل کو دیکھ کر یاد آیا۔

ع کسی مرے ہوئے گورے کی یادگار ہے یہ

باوجود فون کرنے کے کوئی دوست پشاور میں نہ مل سکا پشاور والوں کی عالی حوصلگی سے ہم کما حقہ متاثر ہو چکے ہیں ہمیں پی آئی اے کے دفتر جانا تھا کسی نے بتایا کہ انٹرنیشنل ہوٹل میں ہے ہم نے اپنے ہوٹل کے کونٹر پر جا کر پوچھا کہ کتنی دور ہے یہ جگہ تو کونٹر کلرک نے بتایا کہ جناب بالکل ہمارے پچھواڑے ہے بس کوئی ایک فرلانگ ہوگی آپ ہوٹل کے دروازے سے نکل کر بڑی سڑک پر آیئے اور بائیں ہاتھ کو چلیئے بس سامنے ہی ہے جب ہم اس ہدایت کے مطابق کوئی پون میل کی مسافت طے کر چکے تو ایک صاحب سے پوچھا ۔۔۔انھوں نے کہا پی آئی اے کا دفتر اجی وہ تو یہ رہا آپ کو اسی راستے پر ایک سیما ملے گا اس کے بعد پی آئی اے کا دفتر ہے اور واقعی اس جگہ سے کوئی آدھ میل آگے ہمیں وہ دفتر مل گیا یہ جگہ واقعی ڈین ہوٹل کے پچھواڑے میں ہے لیکن ایسا ہی ہے جیسے کراچی کے پچھواڑے میں کاٹھیاواڑ ہے اور لاہور کے پچھواڑے میں تبت پڑتا ہے انسان عالی حوصلہ ہو تو اسے میل اور فرسنگ کے فاصلے فرلانگیں اور گز ہی معلوم ہوتے ہمارا پشاور کی مزید سیر کرنے کا بھی ارادہ تھا لیکن اس ایک مثال سے خائف ہو گئے کیونکہ ہم ان بزرگ سے پوچھتے کہ درہ خیبر کتنی دور ہے تو وہ یقیناً یہی فرماتے کہ بس دومنٹ کا راستہ ہے سیدھے اس سڑک پر چلے جایئے اگلے چوک پر داہنے ہاتھ کو درہ خیبر ہی تو ہے ۔

ہاں کابل میں گدھے ہوتے ہیں

ہم اور رحمان شریف قبلہ کابل میں ایک ہی روز وارد ہوئے پاکستان اس لحاظ سے افغانستان کے مقابلے میں پیسماندہ ہے کہ یہاں ابھی ماہ شعبان چل رہا تھا]شاور سے ڈین ہوٹل کی میزبانی کا لطف اٹھاتے اور چلغوزے ٹھونگتے ہم جہاز میں سوار ہوئے تھے لیکن پون گھنٹے کابل کے خوبصورت ہوائی اڈے پر اترے تو پرچہ لگا کہ صاحبو ۔۔آج ہر طرف یکم رمضان کی تعطیل ہے آپ کی باچھوں جو چلغوزوں کے چھلکے لگے ہیں انھوں اچھی طرح صاف کر لیجئے ۔

کابل میں ہم دونوں چیزوں کا رعب دل میں لے کر گئے تھے ایک سرکاری کا دوسرے رمضان شریف کا ۔ سردی کے ڈر سے ہم نے جو پوستینوں ،دہرے تہرے سوئٹروں مفلروں طرح طرح کی ٹوپیوں اور کنٹوپوں دستانوں اورقطب شمالی والے اوور کوٹوں کا انتظام کیا تھا جاڑے میاں شاید اس کا سن کر دبک گئےاور کابل والں سے کہا یہ شخص یہاں سے جائے گا تو پھرتم لوگوں سے سمجھو ں گا جتنے دن ہم کابل میں رہے جاڑا بس ایسا ہی تھا جیسا پنڈی میں ہوتا ہے پشاور میں تھا بلکہ لاہور میں بھی کوئٹہ سے اک ذرا سردی کی لہر آجائے تو ایسا نقشہ تو کراچی میں بھی ہو جاتا ہے دستانے سوئٹر مفلر اور کنٹوپ اورحبیب اللہ شہاب والامہا اوور اوور کوٹ دیکھ دیکھ کر ہم اتنے دنوں جھلایا کئے ایک روز بھی کڑا کے کی دنداں شکن سردی پڑ جاتی تو ان کا مصرف نکل آتا اور ہمیں گلہ نہ رہتا۔

روزوں کے متعلق اپنے افغان اورپٹھان بھائیوں کے متشددرویے کا ذکر بھی ہم سن چکے تھے بیشک ہوٹل جس میں ہم ٹھہرے وہ روشن خیال اور مغربی قسم کا تھا تا ہم لوگوں نے بتا رکھا تھا کہ سنا ہے وہاں تڑکے ہی مسافر۵روں کو ٹانگوں سے گھسیت ا ٹھا دیتے ہیں اور بنوک شمشیر روزہ رکھواتے ہیں الحمداللہ کہ یہ اند۔ یشے بھی باطل ثابت ہوئے ہم نے کابل کے ریستارانوں اور بھٹیار خانوں کواسی طرح احترام کے پردے لٹکائے کاروبار کرتے دیکھا جیسا کراچی میں دیکھتے ہیں ہم نے ایک آدھ بار روزہ رکھنے کا ارادہ ظاہرکیا

تو ہمارے ایک افغان دوست نے کہا کہ شوق سے رکھو ہم منع نہیں کرتے لیکن اتنا دیکھ لو کہ تم سفر میں روزے کی احتیاط رکھی جاتی ہے یہ لوگ ہمارے جذبہ ایمانی کو اتنی ڈھیل نہ دیتے تو ہماری روزہ کشائی کی خبر کابل سے آتی۔

کابل میں دو ہی اچھے ہوٹل ہیں کابل اور سپن زر۔۔سپن تو ابھی حال ہی بنا ہے اور الٹراماڈرن گنا جاتا ہے اگر چہ زیادہ بڑا نہیں کابل پرانا ہے وضعدادانہ شریفانہ اور آرام دہ باہر سے اس کی سہ منزلہ عمارت بے رنگ سی ہے لیکن اندر جائیے تو لاؤنج اور کمرے اور سازو اورسامان سب نفیس ہم کابل ہوٹل میں اترے کمرے کا بھاڑ ٹھہرایا معلوم ہوا تین سوا فغانی روزانہ دینے ہوں گے دس فیصد سروس اس پر مستزاد ناشتہ اور کھانا اس کے علاوہ کسی چیز کے دام سینکڑوں میں سنیں توہمیں اختلاج ہو جاتا ہے لیکن یہ معلوم کرکے سکون ہوا کہ ایک افغانی ہماری مرحومہ دونی کے بر ابر ہوتا ہے ہم نے سوروپے پاکستانی دیئے اور ہوٹل والے نے آٹھ سو افغانی ہمیں گن دیئے حساب سے چالیس پینتالیس روپے کا کمرہ پڑا جسے آٹھ جسے کم نہیں تو زیادہ بھی نہیں کہہ سکتے لیکن ہمارے دوست ڈاکٹر گلبرگ تو یہ دام سن کر اچھل ہی پڑے کیونکہ ڈالر کے حساب سے گنیں تو یہی افغانی ایک آنے کا پڑتا ہے اور تین سو افغانی کا مطلب ہوا چار ڈالر روزانہ بات یہ ہے کہ افغانستان میں سکے کی بین الا قوامی قیمت مقرر نہیں ہے ہر بازار کا بھاؤ نکلتا ہے ڈالر کے ستر پچھتر افغانی مل جاتے ہیں اور روپے کے بہت دوڑ دھوپ سے شاید نو افغانی مل جاتے ہیں بہر حال ہم کسی چیز کے دام سن لر اسے فورا پاکستانی سکے میں ڈھالتے تو وہ خاصی مہنگی معلوم ہوتی گلبرگ صاحب کی آنکھیں ارزانی دیکھ کر چمک اٹھتیں نتیجہ یہ ہوا کہ ہم کابل جیسے گئے تھے ویسے ہی ہر پھر کے آگئے کچھ بھی نہ لاسکے اور ڈاکٹر گلبرگ وہاں سے لدے پھندے گئے۔

پشاور کے ہوائی اڈے پر ہم نے اپنے سفروں میں ایک ادھیڑ عمر کے بزرگ کو دیکھا کہ لمبی سرخ داڑھی ہے اور سر پر بھی کنگھی نے نیاز بالوں کا جھاڑ کھڑا ہے تھوڑا لنگڑاتے ہیں اور چھڑی لے کر چلتے ہیں پھولدار

لے کر چلتے ہیں پھولدار باسکٹ پہنے ہوئے تھے یعنی ان کی وضع قطع سج دھج سب سے سلگ تھی ہم پی آئی اے کے کونٹر پر اپنا ٹکٹ دکھا رہے تھے کہ وہ مسکراتے ہوئے ہمارے پاس آئے اور فرمایا تمہارے پاس یہ sas یعنی سکنڈے نیوین ایئر سروس کا ٹکٹ کہاں سے آگیا ہم نے بتایا کہ یونیکسیو جس کی طرف سے ہم نے یہ سفر اختیار کیا ہے اس نے پیرس اس کا انتظام کیا تھا بولے مجھے یوں جستجو ہوئی کہ یہ ڈنمارک کاہوں اور sas میرے وطن کی کمپنی ہے اس پر بات چل نکلی ہم نے انھیں بتایا کہ آپ کے وطن کی زیارت بھی ہم کر چکے ہیں کوپن ہیگن کے علاوہ السی نور بھی گئے تھے جہاں ہملٹ کا قلعہ ہے اور جہا ں سے سمندر پار سویڈن نظر آتا ہے

بولے مجھے افسوس ہے کہ میں نے ساری عمر ڈنمارک میں گزار کر السی نور آج تک نہیں دیکھا ہم نے یہ کہہ کر ان کی ڈھارین بندھائی کہ ہم نے بھی کراچی میں آدھی عمر گزاری ہے لیکن منگھو پیر نہیں گئے تا کہ ہمارا منگھو پیر ان کے السی نور کے مقابلے میں کچا نہ پڑے یہ ڈاکٹر گلبرگ تھے ڈاکٹر گلبرگ دوا دارو والے ڈاکٹر ہیں لیکن نسخوں کے علاوہ کتابیں بھی لکھتے ہیں اور یہی ہماری دوستی کی وجہ ہوئی انھوں نے بتایا کہ ان کی کتاب اسکیمو ڈاکٹر ،،برطانیہ اور امریکہ کے علاوہ کئی ملکوں میں چھپ چکی ہے ہم نے ریڈر ڈائجسٹ میں اس کا ذکر یا خلاصہ پڑھا تھا اور کچھ کچھ یاد تھا یہ سن کروہ اورخوش ہوئے اور اپنی بی بی سے کہا دیکھو یہ شخص کتنا پڑھا لکھا ہے اس نے عید ع ڈائجسٹ میں میری کتاب کا ذکر پڑھا لکھا ہے فرانسیوں کی طرح ر کا تلفظ وہ ہمیشہ ہی کرتے رہے۔

ڈاکٹر گلبرگ مہم جو آدمی ہیں برسوں وہ گرین لینڈ جا کر اسکیموں کے ساتھ رہے ان کی زبان اورمعا۔ شرت اختیار کی اٹھی کاسا بے نمک کھانا کھاتے رہے یہی مچھلی ریچھ کا گوشت وغیرہ برف کے جھونپڑوں میں قیام کیا اور پھر یہ کتاب لکھی اب میاں بی بی ایشیا اورمشرق بعید کے دورے پر نکلے تھے کینیا ۔ ہندوستان تھائی لینڈ اورنیپال ہوتے ہوئے پاکستان آئے تھے اب کابل اور تہران ہو کروطن واپسی کا پروگرام

تھا ہندوستان سے یہ لوگ ایک شب ٹھہر کر بھاگے کیونکہ یہ پارلیمنٹ اٹریٹ پر جن پتھ ہوٹل میں ٹھہرے تھے اس روز سا دھوؤں اور غیر سادھوؤں کی طرف سے گئو گشی کے معاملے پر وہ خوف ناک مظاہرہ ہوا تھا جس میں جان ومال کا بے حد نقصان ہوا ماہرین نے مغربی ٹورسٹوں کو بھی جہا ں وہ نظر آئے گھیر لیا اور کہا یہ لوگ بھی مسلمانوں سے کم نہیں یہ بھی گائے کا گوشت کھاتے ہیں بڑی مشکل سے یہ خشمگیں مجمع کے نرنے سے نکل کر ہوٹل واپس پہنچے اور اسی دن نیپال روانہ ہوگئے۔

پاکستانیوں ۔۔۔خصوصا پشاور والں کے یہ بہت معترف تھے کہ بڑے تپاک اور خلوص سے ملتے ہیں پی آئی اے کی خاص طور پر طعریف کرتے تھے کہ اس کے آدمی بہت خلیق اور متاضع ہیں ہاں اپنے پشاور والے ہوٹل کے نام سے بے مزہ ہوتے تھے کہتے تھے یہ نظر بٹو ہے تاکہ پاکستان کو نظر نہ لگ جائے دیکھوکابل ہوٹل میں یہ چار ڈالر روزانہ کا کتنا اچھا کمرہ ہے اسے گرم رکھنے کامرکزی نظام بھی ہے قالین ،فرنیچر سروس بھی معقول پشاور میں میں رہا اوراس باوا آدم کے زمانے کےکمرے کے تیرہ ڈالر روزانہ نہ دیتا رہا یہی نہیں ان لوگوں نے پانچ روپے روزانہ اس لکڑی کے بھی مجھ سے وصول کئے جو کمرہ گرم رکھنے یااس میں دھواں پھیلانے کے لئے روزانہ جلانی پڑتی تھی جاتے ہوئے جن لوگوں نے ہم سے پاچھاتھا کہ کیاکابل میں گدھے نہیں ہوتے ان کی اطلاع کےلئے گزارش ہے کہ کہ ہوتے ہیں اوربہت ہوتے ہیں یہاں ہمارا مطلب چار ٹانگوں والی بلاسینگ کی مخلوق سے ہے دوٹانگوں والےبھی یقیناً ہوں گ ے ہم نے زیادی جستجو نہیں کی یہ گدھے وہ تھے جو زرنگار پارک کے سامنے قطار ورقطار کھڑے تھے اور ان کے پالان سنگتروں سےبھرے تھے یہاں سنگترے تل کر بکتے ہیں ڈاکٹر گلبرگ کی بی بی سنگتروں پر مچل گئی اوربولیں ان کا بھاؤ پوچھو ہم نے بھاؤ پوچھا آ غا چنداست ایران کی طرح یہا ں بھی یہ معلوم ہواکہ فارسی بولنا آسان ہے سمجھنا مشکل آغا نے جواب دیا وہ ہمارے پلے نہ پڑا حالانکہ ہم نے چہ چہ کرکے ایک دو بار وضاحت بھی چاہی ان غیر ملکیوں کو یہ بتانا غیر ضروری تھا کہ یہ گدھے والا ان الفاظ میں ادائے کا

مطلب سے قاصر ہے جوہماری سمجھ میں آسکیں لیذا ہم نے کہا چھوڑیئے مہنگا بہت دیتا ہے لیکن وہ خاتون تھوڑی دورایک اور گدھے کے پاس مچل گئیں کہ یہاں سے لے لو یہ سستا دے گا ہم نے ایک باٹ کی طرف اشارہ کر کے سنگتروں والے سے کہا کہ آغا نس این قدرے دو اس نے تولا تو چار سنگترے پڑے قیمت ہم نے پوچھی کہا افہام وتفہیم میں وقت نہ ہو آ خر با ہم زبان سمجھنے کا معاملہ ہمارا اور ہمارے افغان بھائیوں کا ہے ڈنمارک والوں کو اس سے کیا مطلب ہم نے دس افغانی کا نوٹی دیا اس نے چار افغانی کاٹ کر باقی ریز گاری ہمیں دے دی ڈاکٹر گلبرگ اور ان کی بی بی نے ہمارابہت شکریہ ادا کیا اور کہا کہ اس دیار غیر میں جہاں ہماری زبان اور انگریزی سمجھنے والا کوئی نہیں تم ہمارے ساتھ نہ ہوتے تو ہم کیا کرتے ہم نے موزوں الفاظ میں کسر نفسی کرنے کے بعد کہا کہ خیر انسان انسان کے کام آتا ہی ہے بنی آدم اعضائے یک دیگر اند وغیرہ۔

ریلوے ۔۔۔۔کونسی ریلوے ؟

جس کام سے ہم کابل گئے تھے اس کاتعلق کتابوں سے تھا ہم نے کہا ایک افغانی دوست سے کہا کہ ہمیں کسی پبلیشر سے ملوایئے۔

بولے ،،یہاں کوئی پبلیشر نہیں ،،

چھوٹا موٹا تو ہوگا ،،

نہ چھوٹا نہ موٹا

پھر کتب فروش کتابیں کہاں سے لیتے ہیں ،،

کتب فروش ؟ کونسے کتب فروش ؟

ہم نے بازار میں کتابوں بیچنے والوں سے ،طلب کیا اس کے علاوہ ریلوے اسٹیشنوں پر بھی بک اسٹال ہوتے ہیں کابل قندھار ویرہ میں ہوں گے ہی جہاں سے مسافر سفر میں دل بہلانے کے لئے ناول رسالے جنتریاں وغیرہ خریدتے ہیں

ہمارے دوست نے کسی قدر جھلا ہٹ سے کہا

میاں ہوش کی دوا کرو کونسے ریلوے اسٹیشن اور کیسی ریلوے تمہیں معلوم ہے افغانستان میں ریلوے نام کی کوئی چیز نہیں یہ شیطانی چرخہ تمہی کو مبارک ہو تب ہمیں افغانستان کے متعلق وہ مضمون یاد آیا جو ہم نے کابل جانے سے پہلے پڑھا تھا لکھا تھا کہ ادھر آپ نے درہ خیبر کے پار افغانستان کی نئی سر زمین میں قدم رکھا ادھر ایک صدی پیچھے پہنچ گئے۔

لیکن کبھی کبھی مسافر کے ساتھ ابو الحسن سوتے جاگتے کا قصہ بھی ہو جاتا ہے اگر آپ پرانے شہر کے محلّہ شوربازار میں کسی کی آنکھیں بند کیجئے اور کابل یونیورسٹی لائبریری میں جا کر کھو لئے تو گرم سرد یا شادی مرگ قسم کی واردات ہونے کا خطرہ ہے ہماری تو آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں ایسی الٹرا ماڈرن لائبریری جدید ترین سازو سامان سے لیس ہم نے اپنے ملک می تو دیکھی نہیں اور بھی کم ہی ملکوں میں ہو گی نقشہ اس کا امریکہ کی دعوت پر ایک جاپانی ماہر تعمیرات نے بنایا اور باقی ہر چیز میزیں، کرسیاں الماریاں روسی کتوبوں کی بھی دکھائی دیں۔

پبلیشروں کی حد تک توٹھیک ہے کہ افغانستان میں اس نام کی کوئی مخلوق نہی حکومت کے محکمے اور ادا۔ رے سرکاری مطعبوں میں کتابیں چھاپتے ہیں ان کی بھی مکمل تعداد پورے ملک میں پانچ ہے پرائیویٹ پریس کوئی نہیں ہے اول توان حالات میں کوئی شخص کچھ لکھنے کا حوصلہ ہی نہیں کرتا اگر کوئی مرزا غا۔ لب یا فیض احمد فیض پیدا ہوبھی جائے تو ازراہ قانون اسے حکومت کو عرضی دینی چاہیئے کہ بندے کی یہ تالیف لطیف زیور طبع سے آراستہ کی جائے وہ ٹھوک بجا کر (کسی کام میں جلدی نہیں کی جاتی) دیکھیں

گے ہاں کوئی مضائقہ نہیں تو حکم ملے گا کہ اچھا چھاپے دیتے ہیں کاغذ کتابت طباعت کے پیسے لاؤ اور جب چھپ جائے تو جہاں جی چاہئے جیسے جی چاہے بیچو۔

مانگ کا حال یہ ہے کہ کچھ کتابیں شائقین خرید لے جاتے ہیں کچھ بنیا لے جاتا ہے اور اس میں کشمش چلغوزے وغیرہ ڈال کر بیچتا ہے ہمارے انہی دوست نے فرمایا کہ تم جو کچھ بھی کہو اس نظام میں یہ مصلحت یہ ہے کہ لوگ بیہودہ شاعری اور رنگیلے ناولو وغیرہ سے محفظ رہتے ہیں ۔

ریلوے کی کہانی یہ معلوم ہوئی کہ شاہ امان اللہ خان اپنے زمانے میں دار اا لامان نام کی زیادہ بستی بسائی تھی وہاں تک ریلوے لائن۔۔۔ریلوے نہ کیئے ٹرالی لائن بچھائی تھی بچہ سقہ نے ان کا تاج و تخت چھینا تو پوچھا یہ کیا چیز ہے چنانچہ فرنگیوں کی بدعت قرار دے کراکھاڑ پھینکا ہم نے دار الا مان میں اس کے طور پر ہو ئے زنگ خوردہ سلیپر اور دو تین ٹوٹی پھوٹی بوگیاں آ ثار رصناوید کے طور پر ایک جھونپڑے کے سامنے کھڑی پائیں جو ایک زمانے میں ریلوے اسٹیشن تھا اس وقت بھی ریلوے لائن فوری طور پر کوئی منصوبہ نہیں کیونکہ سڑکوں کے ذریعے آمروفت کو بہتر بنانا آسان بھی ہے اور کم خرچ بھی دوسرے ممالک اس میں بڑی مدد دے رہے ہیں کچھ سڑکیں روس نے بنائی اور کچھ ان کی ضد میں آ کر امریکہ نے بنا دیں روس نے کوہ ہندو کش میں دو میل لمبی سرنگ لگا کر کھود کر یا بنا کر افغانستان میں تجارتی مال کی نقل وحرکت میں غیر معمولی آسانی پیدا کر دی ہے بڑی طاقتوں کے دلوں میں افغانستان کا درد ایسا جاگا ہے یا پھر اسے کچھ نام دے دیجئے کہ روس اور امریکہ کے علاوہ جوامداد دینے کے معاملے میں اول اور روم ہیں مغربی جرمنی فرانس ،اور برطانیہ بھی دامے درمے قدمے سخنے افغانستان کی خدمت کو عین سعادت سمجھتے ہیں اور برطانیہ جو امداد دینے میں پانچویں نمبر پر ہے دو کار خانے شکر کے اور ایک کارخانہ سرسوں کا تیل نکالنے کا قائم کر رہے کیوں نہ کرے اس نے کڑوا پھیکا ہوکر دیکھ لیا جنگیں بھی لڑیں لیکن کچھ فائدہ نہ ہوا جب دیکھا کہ ان تلوں میں تیل نہیں یعنی افغانستان واٹ سلطنت انگلیشہ کے سایہ عاطفت میں

آنے سے انکاری ہیں تو سرسوں کا تیل نکالنے کے کارخانے کی پیش کش کردی اور کڑوے کسیلے پن کی تلافی کے لئے دو فیکٹریاں شکر کی بھی لاڈالیں۔

کتب فروشوں کے متعلق یہ کہنا صحیح نہ ہوگا کہ سرے سے نا پید ہیں ہم نے شہر نو کے علاقے میں دو تین کیبن نما دکانیں دیکھیں جن میں پرائمری اور مڈل کلاسوں کے لئے حکومت کی شائع کردہ چند درسی کتابوں کے علاوہ کچھ ایران ان کی پیپر بیک کتابیں کچھ امریکہ کے سستے ایڈیشن اور شمع دہلی کے پرچے نظر آئے ایک دو جگہ فٹ پاتھوں پر پرانے امریکی ناول اور رسالے دکھائی دیئے جو کابل میں رہنے والے کسی گورے نے ردی میں بیچے ہوں گے پھر دریائے کابل کی دیواروں کی منڈیر پر بے قاعدہ اور حساب وغیرہ کی درسی کتابیں تھیں ہاں ایک دکان وزارت تعلیم کے دفتر کے نیچے ضرور سرکار نے حال ہی میں کھولی ہے جس میں فارسی کے علاوہ کچھ روسی اور انگریزی کتابیں بھی دکھائی دیں یا پھر ایک دکان فرینکلن والوں نے باجازت سرکار قائم کی ہے اس میں زیادہ تر درسی مواد ہے۔

یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ ملک میں پڑھے لکھے لوگ بہت کم ہیں پہلا مدرسہ پہلی جنگ عظیم لے لگ بھگ امیر حبیب اللہ نے قائم کیا جس کا نام تو حبیبیہ کالج تھا لیکن مولوی محمد علی قصوری وغیرہ نے جو وہاں پڑھاتے رہے ہیں لکھا ہے کہ اس کی حیثیت مڈل اسکول سے زیادہ نہ تھی نصاب نہا یت ناقص مولوی صاحب نے قرآن مجید اور اس کا ترجمہ نصاب میں شامل کرنا چاہا تو مفتی شہر نے سخت اعتراض کیا کہ طالب علم وہا بی ہو جائیں گے اور آخر دم تک مخالفت جاری رکھی مولانا سلیمان ندوی ۱۹۳۳ء میں بمعیت ولامہ اقبال مرحوم اور سرراس مسعود کابل گئے تو ان کو مدرسے دیکھنے کا بھی شوق ہوا سخت مایوس ہوئے ایک ملا دورازکار غلط کتاب پڑھا رہا تھا اور غلط مسئلے بیان کررہا تھا مولوی صاحب چپکے سے سٹک آئے پہلی جنگ عظیم سے پہلے اوتر بعد بے شمار پاکستانی اور ہندوستانی مسلمان ان مکاتب میں جا کر پڑھاتے رہے ہیں کیونکہ افغانی ٹیچر کہیں نہیں ملتے بعضے ان میں زمانے کی سیاست کا شکار ہوئے آخر میں ملک

بدرہوئے بعضے جان سے بھی گئے مغربی طرز کی مدرسے میں فرانیسی اورجرمن مدرس بھی تھے مگر بہت سے افغان نوجوان یورپ کے مختلف ملکوں سے بھی تعلیم حاصل کرکے آئے اب افغانستان میں دوطرح کے آدمی ملتے ہیں یاتو بالکل ان پڑھ یا کو لمبیا یونیورسٹی کے گریجویٹ خواندگی کا تناسب پانچ فیصدی کے قریب ہے اور اسکول اب بھی بہت کم ہیں اتنا ہے کہ تعلیم نیچے سے اوپر تک یعنی یونیورسٹی تک بالکل مفت ہے حتی کہ کتابوں کا خرچ بھی سرکار دیتی ہے۔۔

دریائے کابل جو شہر کے بیچوں بہتا ہے ہمارے ہوٹل سے کچھ دور نہ تھا دریا لفظ کے استعمال کے لئے ہم دریائے ستلج اور سندھ،دریائے گنگا اور جمنادریائے ہوانگ ہو اور نگیسی وغیرہ سے ت دل سے معذرت خواہ ہیں۔۔ کراچی والے دریا دریائے کابل کی وسعت کا اندازہ کرنا چاہیں تو اس گندے نالے کو دیکھ لیں جو نہ جانے کہاں سے آتا ہے اورکہاں سے جاتا ہے لیکن وومن کالج کے پاس سے گزر تا ہے فرق اس نالے اور دریائے کابل میں یہ ہے کہ اس نالے کا پانی نسبتا صاف ہے اور اس میں اتنی زیادہ بو نہیں آتی پانی کی مقدار بھی آج کل تو اسی نالے میں زیادہ ہے ہاں گرمیوں میں سنا ہے برف پگھلتی ہے تو دریائے کابل کی ناطاقتی کچھ دور ہوجاتی ہے دیوار پر سے نیچے جھانکیں تو دریا کی غریب نوازی کا نقشہ یہ نظر آتا ہے کہ یہاں ایک بڑھیا کپڑے دھو رہی ہے دس قدم پرے اس میں سے چلو بھر پانی بھر کر کوئی آبدست کر رہا ہے تھوڑا آگے اس میں بچے نہا بھی رہے ہیں اور آس پاس کے گھر والوں کو بھی کوڑا پھینکنے کا بڑا آرام ہے ٹوکری اٹھائی اور دریا میں جھاڑدی یہی دریا پیاسوں کی تشنگی بھی رفع کرتا ہے کیونکہ نئے حصہ شہر کو چھوڑ کر پرانے شہر میں گھروں تک پانی کے پائپ لے جانے کا کوئی سلسلہ نہیں ہتھی والے اورکہیں کہیں دوسرے نلکے البتہ ہیں جن سے محلے والے اپنی باری سے مٹی کے مٹکے اور جھجھریں بھر لے جاتے ہیں ان مٹکوں کی وضع قطع کے ظرف ہم نے یا توعجائب گھروں میں دیکھے یا پھر رباعیات عمرخیام کی بعض تصویروں میں صراحی آپ نے دیکھی ہے ان سے ذرا بڑے ہوتے ہیں لہذا انھیں صراحا کہہ لیجئے ایک طرف کوپکڑنے کے

لئے دستہ بھی لگادیجئے بیشک الحکومت پانی پائپوں کےذریعے گھروں تک پہنچانے کے کا بندوبست کر رہی ہے لیکن فی الحال ٦تو شہرمیں سقوں کاراج ہے ایک سقہ تو کچھ تو کچھ دنوں تک ملک کا بادشاہ بھی رہا ہے لیکن وہ الگ کہانی ہے ۔

ست سری اکال

افغانستان سے آ کر کشمش میوے، سلاجیت اور ہینگ بیچنے والے آ غا ہوتے تو دکاندار ہی ہیں لیکن ڈیل کاری کارینگی کی کتابیں ذرا کم پڑھے ہوتے ہیں لیذا کاروبار کرتے وقت بھی اپنی خودی کو بلند رکھتے ہیں ایسے ہی ایک کابلی آ غا نے ہمارے ایک میر صاحب کو کاندھے سے چھٹک کر کہا ۔۔۔۔۔۔۔ خو ہینگ خریدو ہینگ میر صاحب لکھنو کے تھے نہایت شائستگی سے بولے قبلہ آ غا صاحب اس ہیچمداں کو ہینگ درکار نہیں آغا موصوف نے لال پیلے ہو کر ایک جھٹکا اور دیا اور فرمایا خو کا پر کا بچہ ۔۔۔۔ کیسے نہیں خریدے گا ہم کوئی تمہارے باپ کا نوکر ہے جو اتنی دور سے اٹھا کے لایا ہے ۔نکالو پیسے۔ ایک شاعر نے اس مضمون کو شعر میں بھی باندھا ہے ۔

واسطے تیرے بچہ کافر
ہینگ غزنی سے جا کے لایا ہے

کابل کے بازاروں میں خریدنے والا بھی آ غا ہوتا ہے بیچنے والا بھی البتہ آ غا کی دکانداری دوڈ پھل میوے ،پرانے کوٹوں اور غالیچوں تک ہے کبابی اور نانبائی ،موچی اور دھنیا بھی بے شک افغان ہی ہے لیکن ہم جو ہوٹل سے نکل کر بازار کی طرف آئے اور کپڑے کی دکان میں جھانکا تو دوسرا سردار جی بیٹھے نظر آئے ہانک جی کی چاہیدا اے جلدی سے آگے بڑھے تو دوسری دکان میں بھی سکھ ۔۔۔۔تیسری میں بھی

۔۔۔چوک زر نگار سے مسجد پل خشتی تک مسجد پل خشتی سے جادۂ یسوند کے دو رویہ اور ادھر پارک کی طرف آتے ہیں اس چوک تک جس کا نام ہی لینا چاہتے دو رویہ خالصہ دربار کا نقشہ دیکھا ۔۔۔بڑی سڑک سے ہٹ کر ہم گلیوں میں گھس گئے ۔۔۔وہاں بھی سردار جی شدھ فارسی بولتے نظر آئے ہم نے ساری عمر میں اتنے سکھ نہیں دیکھے جتنے اب کے کابل میں دیکھ لئے سکھ ایران میں بھی ہیں تہران میں ہم نے ان کی دکانیں دیکھیں اور زایدان کی توجہ تسمیہ ہی سکھ ہیں یہ لوگ کوئٹہ اور زاہدان ریلوے وغیرہ کی ٹھیکیداری اورمزدوری کے سلسلے میں ادھر گئے تھے ۔۔۔۔پھر وہیں رس بس گئے اس بستی کا نام پہلے دزدآب تھا سادہ لوح ایرانیوں کو یہ بڑی بڑی داڑھیوں والوں کی ریل پیل نظر آئی ۔۔۔تو انھوں نے ان کو خاصا خدا اور زاہدان شب بیدار کی صف میں شمار کر کے پوری بستی کو زاہدان کہنا شروع کردیا ۔

پھر ایک دن یوں ہوا کہ ہم کابل کے ہوٹل کے لاؤنج میں بیٹھے تھے کہ ایک بزرگ سفید ریش دو تین خالصہ حضرات کے جلوس آہستہ قدم اٹھاتے وارد ہوئے ہم نے غور سے دیکھا اوران کو پہچاننے کی کوشش کی آخر جب وہ ہمارے سامنے کی میز پر آن کر بیٹھ گئے اور ہمارے ایک پاکستانی صحافی دوست (م ۔ ش) نے لپک کران سے علیک سلیک یعنی ست سری اکال وغیرہ کی تب ہم پر کھلا کہ ماسٹر تارا سنگھ جی ہیں ہم نے بھی ان سے دعا سلام کی اور خیریت پوچھی لیکن ہم حیران تھے کہ یہ یہاں کہاں ان کے ساتھ جو سردار جی تھے ان سے پوچھا کہ ماسٹر جی کا ارادہ کدھر کا ہے وہ گول کر گئے کہ پتہ نہیں اصل میں وہ ہمیں ہندوستانی سمجھے جب ہم نے کہاس کہ ایسی کوئی بات نہیں تو بولے پھر ٹھیک ہے بات یہ ہے کہ ماسٹر جی بالکل چپ چپاتے آتے ہیں ح کسی کو خبر نہیں دی اس میں مصلحت ہے۔

ماسٹر جی آکر بیٹھے ہی تھے کہ سکھوں کا تانتا بندھ گیا کابل کے سکھ شلوار پہنتے ہیں اور اکثر گھیس کی بکل مارتے ہیں ان کی پگڑیاں بھی ڈھیلے ڈھالے پگڑ ہوتے ہیں بلکہ انھیں منڈا دسا کہنا چاہئے وہ جو نئی نسل کے سکھ ٹیڈی کوٹ پتلون پہنتے ہیں منڈا سے ان کے بھی عجیب ہوتے ہیں ہمارے دیکھتے دیکھتے کابل

ہوٹل کا وسیع لاؤنج دربار صاحب امر تسر بن گیا ہم کسی سکھ سے یوں بھی بات کرنا چاہتے تھے ان میں سے ایک بزرگ سے کہا کہ سردور جی آپ لوگ کب سے یہا ں ہیں بولے کئی پشتوں سے ہیں بلکہ صدیوں سے ایک نے ان میں سے آگے بڑھ کر کہا جی ہم پٹھان ہیں ہم نے کہا آپ لوگ پشتہا پشت یہا ں کر بھی اتنی فصیح اور بامحاورہ اوردریائے بیاس میں دھلی ہوئی پنجابی کیسے بولتے ہیں بولے واہ جی یہ ہماری مادری زبان جو ٹھہری ہمارے بچے گھروں میں پنجابی ہی تو بولتے ہیں فارسی اور پشتو تو بڑے ہوکر دکانداری کے. لئے سیکھتے ہیں ہم نے پوچھا کہ آپ کی تعداد کیا ہوگی ایک دوسرے سے مشورہ کرتے ہوئے بولے داہگرہ جی کرپاسے کوئی دس ہزار جی ہوں گے۔

معلوم ہوا کہ دس بارہ گوردوارے بھی ہیں ۔۔۔جلال آباد میں بھی ان کی آبادی بہت ہے دوسرے شہروں میں بھی کچھ نہ کچھ ہوگا کابل میں ہندو بھی ہیں لیکن سکھوں سے کم ایک آدھ جگہ کسی مہاجن کی دکان نظر آئی ارجنداس وپسران کابل ایشیا میں ہے اس لئے بھاؤ تاؤ یہا ں بھی خریداری کالازمی جزو ہے ایک آدھ جگہ ہم نے خریداری میں ڈاکٹر گلبرگ اور ان کی بی بی کی رہنمائی کی اور ترجمانی کی دکاندار نے ہمیشہ یہی کہا کہ تمہارے دوست ہیں لہذا ہم ان کو مال بارعایت دیتے ہیں بے شک وہ کم بھی دیتے تھے چیزوں کا حال ہم لکھ چکے کہ سستی ہیں لیکن ٹورسٹوں والی چوٹ ایک روز کھا ہی گئے ہم کھانے کی میز بیٹھے تھے کہ میاں بیوی جوش سے تمتماتے آئے اور کہا دیکھو ہم کیسی نادر چیزیں لائے ہیں بس قسمت سے مل گئیں ہم نے کہا دکھاؤ تو ۔۔تب ان کی بی بی نے اپنے تھیلے میں ہاتھ ڈال کر دو ٹوٹے ہوئے تانبے کے بادئے نکالے کہا دیکھو کتنی قیمت کے ہوں گے ہم نے پوچھا آپ لوگوں نے کتنی قیمت دی معلوم ہوا اٹھارہ ڈالر نقد ہم چپ ہو رہے لیکن وہ برا بردعاد حاصل کرنے پرمصر تھے بولے تم ان کی قیمت بتاؤ یہ دیکھو اس پر یہ پرانی فارسی تحریر بھیہے اس کا ترجمہ بھی ہمیں مطلوب ہے ہم نے کہا بہر حال آپ لوگوں نے اسے نشانی کے طور پر خریدا ہے اب اس کی قیمت سے کیا مطلب اسے جا کر گھر میں سجایئے بہت معمولی بادیئے تھے دو

ڈھائی روپے ان کی قیمت اس وقت ہوگی جب بالکل نئے تھے ہندوستان کا بنا ہوامال تھانہایت بھدے لفظوں میں ایک پر لکھا تھا ۔

جناب پیالہ حاضر ہے،،

دوسرے پربھی ذرا مختلف عبادت تھی جناب جام حاضر ہے مراد آباد جب ہم نے بتایا کہ ہمارے نزدیک ان کی کیا قیمت ہوگی اور یہ کہ عبادت اردو میں ہے اورشہر کانام بھی ہے مراد آباد ،جوہندوستان میں واقع ہے تو بیچاروں کے چہرےلٹک گئے بولے ہمیں توخاص افغانی چیز کہہ دیا کرتے تھا ہمارے ساتھ چلو واپس کریں ہم گئے خاسی دوردکان تھی لیکن افسوس وہ دن جمعرات کاکا دن تھا دکان بند ہو گئی اورہفتے کےروز کھلنی تھی ادھر ان بیچاروں کاجہاز جمعے کو جاتا تھا اٹھارہ آنے کے پیالے کےاٹھارہ ڈالر دیئے اگلی پچھلی کفایت کی سب کسرنکل گئی ہم نےسلاسا دیاکہ خیر سردار گلبرگ سنگھ جی ڈنمارک میں کیسے معلوم ہوگا کہ اردو ہے یا فارسی ہےاور مراد آبادافغانستان میں ہے یا بھارت میں ۔

ٹورسٹوں کے ساتھ دوسرے ملکوں میں جو کچھ ہوتاہے اس کے مقابلے میں تویہ بھی نہیں مشہور بات ہے کہ دلی میں کسی دکاندار نےایک امریکن کے ہاتھ ایک کھوپڑی بیچی تھی کہ یہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کی ہے اس نے پچاس ڈالر میں خوشی خوشی لے لی چند روز بعد وہ امریکن پھر اس دکان پر گیا تو دکاندار نے پھر ایک اورنسبتا چھوٹی کھوپڑی اسے تھمادی اور اسے بھی مہا راجہ رنجیت سنگھ سے منسوب کیا امریکن بہت جھلایا کہ رنجیت سنگھ کی کھوپڑی تومیں ابھی پرسوں پر لے روز لے کر گیاہوں دکاندارنے کہا۔

جناب یہ ان کے بچپن کے دنوں کی ہے،،

آ غا گپ برنیند

۱۹۶۴ء میں ایرانی فارسی ہماری رطب اللسانی کی گرفت میں آئی ہی تھی کہ ہمیں تہران سےلوٹنا پڑا کابل جانے سے پہلے ہم نےکراچی میں اس تیغ اصیل کو صیقل کیا اور افغانستان پہنچتے ہی کابل آ غاؤں پر اس کے وار کرنےشروع کئے لیکن افسوس ہمارے سارے محاورے اور روز مرے دھرے کے دھرےرہ گئےہم جس ملک میں جاتے ہیں وہاں سے گڑیا یا گڑیا ئیں ضرور لاتے ہیں۔

آغا لعبت می خوا ہم ،،

دکاندار نے جواب دیا ،،

بعت ،،لعبت چہ،،یعنی لعبت کیاشے ہوتی ہے۔

ہم نے گڑیا کی طتف اشارہ کیاتو بولا اخاہ ۔عروسک می خواہی ۔ایں است مطلب یہ کہ سیدھے سیدھے عروسک کیوں نہیں کہتے۔

ہم عروسک کے لفظ کو پلے باندھ رکھاتھا کابل میں ایک جنرل اسٹور پر جو تمباکو ،کپڑا ،میوے، باسئیکل گڑ اور ریزربلیڈ بیچتا تھا یعنی وہ کس کھیت کی مولی ہوتی ہے مثالیں دے کر واضح کرو ۔

ہم نے انگلی سے اشارہ کیا تو بولا ایں گڈی است یعنی اسے گڈی کہتے ہیں ایک جگہ ہمیں ایک ٹوکری پسند آئی ٹوکری کے لئے ہماری گرہ میں فقط سبد گل کا لفظ تھا لیکن وہ ہمیں کچھ زیادہ ہی شاعرانہ نظر آیا بس ہم نے اسٹور والے سے کہا ۔

آ غا ۔ ایں چیست

بولا ۔ ایں توکری است ،،

لیذا بعد ازاں اگر کوئی شخص کہتا ایں سرک خیلے خراب است تو ہم جان جاتے کہ اشارہ سڑک کی طرف ہے من بہ دانہ مندی می روم مندی کا مطلب منڈی ہے درد مندی وغیرہ سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہم ہوٹل میں

صحاسنہ مانگتے رہے کسی نہ دیا آ خر سیدھے سیدھے ناشتہ کہا تو بیرا فورا باورچی خانے کی طرف بھاگا بوٹ پالش کرانے کے لئے ہم نے بہتیرا کہا کہ آ غا واکس بزیند لیکن کسی نے تعمیل حکم نہ کی آ خر ہم نے کہا بوت پالش می خوا ہم توفورا پالش اور برش بھی نکل آئے اور کرنے والے کے دانت بھی کابل سے واپس آنے کے بعد ہم جو اس قسم کے اشتہارات دیکھتے ہیں کہ مٹی کے ایک صد چھکڑا جات برائے بھروائی گڑھا جات سڑک ہائے ضلع تیشخو پورہ مطلوب ہیں تو ہمیں مطلق ہنسی نہیں آئی نہ ہمیں برماشیل کے رسالہ پیام تیل کا نام عجیب لگتا ہے ہمنے اپنے ایک میزبان کو یہ کہتے سنا کہ ایں موتر خیلے تیل می خوردہ یعنی یہ موٹر بہت تیل کھاتی ہے۔

کابلیوں کو اپنی زبان پر فخر ہے اسے وہ انگریزی بھی کبھی پرشین نہیں لکھتے farsi ہی لکھتے ہیں اور اس کا رشتہ دری سے ملاتے ہیں جبکہ ایرانی فارسی کا رشتہ پہلوی سے ہے یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ فارسی کے اساتذہ کا کلام کابل فارسی کے روز مرے میں ہے اور افغانستان نے فردوسی اور سنائی پیدا کئے ہیں ہرات،غزنی، اور بلخ جو ہمارے بزرگوں کی تاریخ کے مراکز رہے ہیں افغانستان ہی میں تو ہیں۔

ایک آدھ بار ہمیں مقامی محورے نے برا ماننے کا بھی موقع دیا ایک محفل میں ایک نہایت سنجیدہ مسئلے پر ہم نے اظہار خیال کی اجازت چاہی تو صاحب صدر بولے ۔

بلے بلے گپ بزیند ۔۔۔ یعنی ہاں ہاں گپ مارو ہم بہت جز بز ہوئے بعد میں معلوم ہوا کہ اس کا مطلب ارشاد فرمایئے بھی ہوسکتا ہے اس میں کوئی پہلو توہین یا استخفاف کا نہیں ہے اگر کوئی واعظ نغز گوو خوش گفتار بھی سر منبر دریائے فصاحت کی جولائی دکھائے گا اور رشدد ہدایت کے موتی لٹائے گا تو لوگ از راہ تحسین یہی کہیں گے کہ خوب گپ می زند مطلب اس کا صرف یہ ہوگا کہ اچھی باتیں کرتا ہے۔

جاتے ہوئے گھر۵والوں نے یہی تاکید کی تھی کہ کابل جارہے ہو تو اپنی خیر یت کی اطلاع ضرور واپسی ڈاک بھیجنا لہذا ہم نے جاتے ہی کاغذ لفافے اور ٹکٹ تلاش کرنے شروع کئے ہمارے پاس کابل کا نقشہ

ضرور تھا لیکن اس میں جہاں ڈاک خانہ لکھا ہوتا وہاں تلاش کرنے پر یا تو سبزی کی دکان ملتی یا تنور گلبرگ صاحب اور ان کی بی بی نے بڑے شوق سے کابل کی تصویریں اور اونٹوں کی قطاروں اور کھجوروں والے تہنیتی کارڈ جمع کئے تھے وہ بھی ٹکٹوں اور ڈاک خانے کی تلاش میں سارا شہر گھوم گئے در مقصود ع ہاتھ نہ آیا اور اپنے بچوں کے لئے یہ تحفے وہ دستی لے گئے یہ بات نہیں کہ وہاں ڈاک خانہ ہے نہیں نہ ہوتا تو وہاں سے خط کیسے آتے ہمارے پاس تلاش کے لئے زیادہ وقت نہ تھا ۔

ایک ہفتہ ہی تو تھا ۔

ٹکٹ نہیں ملا نہ سہی کاغذ لفافے ہمیں مل گئے تھے اور اس کے لئے ہمیں قصاب کی دکان پر نہ جانا پڑا ظفر حسن ایبک نے اپنی آپ بیتی میں لکھا ہے کہ جب ہم پہلی جنگ عظیں کے اواخر میں افغانستان گئے ذکر شہر جلال آباد کا ہے تو معلوم ہوا کہ یہاں قلم ودات پنسل وغیرہ بیچنے کی کوئی دکان نہیں کاغذ البتہ قصاب کی دکان پر ملتے ہیں ان صاحب نے یہ ذکر نہیں کیا کہ ان دنوں گوشت کہاں سے ملتا تھا غالبا درزی کی دکان پر جاتے ہوں گے۔

متفرقات کابل

ہم کابل گئے لیکن غلط وقت وہاں کچھ اوَ وقت ہے شگفتین گلہائے ناز کا اپریل کے مہینہ میں گل بوٹے جاگ اٹھتے ہیں اور غالب کے معنوں میں نہ لیا جائے تو درد دیوار پر سبزہ اگ آتا ہے برگ درختان سبز اور اودے اودے نیلے ،نیلے، پیلے ،پیلے پیراہنوں والے پھول یہ ہے وہ بہار جس پر بابر بادشاہ اسلوٹ ہوا تھا اور وصیت کرگیا تھا کہ میری موت کہین بھی ہو میری آخری آرام گاہ کابل ہی میں بنی چاہیئے ہم سے

ہمارے میزبانوں اور دوستوں نے اہلا وسہلا تو کہالیکن یہ بھی کہ میاں کیوں دسمبرمیں آگئے وہ بھی رمضان شریف کے دنوں میں اپریل میں آؤ اور یغمان توخیر دور کی بات ہے ان دنوں توتمہارا یہ زر نگار پارک بھی پھولے نہیں سماتا ۔

زرنگار پارک ہمارے ہوٹل کے بالکل پہلو میں تھا بس سڑک درمیان میں تھی اس وقت تو اس کا ایک پتہ بھی سبز نہ تھا سردی سے ساری گھاس جھلسی ہوئی اورروشنیں زرد سارے درخت لنڈمنڈ اور سارے خیاباں ویران باہر کا باغ شہرنو پارک ،چمن حضوری جہاں جہاں ہماراشوق گلگشت ہمیں لے گیا یہی کیفیت تھی خاک اڑتی تھی اس شہر میں جس کاقصیدہ صائب تبریزی اس شعر سے شروع کرتا ہے ۔

خوشا عشرت سرائے کابل و دامان کہسار رش کہ ناخن بردل گلی می زند مژگان ہرخارش اوراس بیت پرختم

تعالے اللداز باغ جہاں آرا د شہر آرا

کہ طوبی خشک بر جا ماندہ است از رشک اشخاش

زرنگار پارک پہلے خاصا وسیع تھا اب سمٹ گیا ہے اورکئی سرکاری عمارتوں نے اس کا پہلو دبا لیا ہے اس میں کئی تاریخی یادگاریں ہیں اس کونے پرجوہمارے ہوٹل کی طرف پڑتا ہے امیر عبدالرحمٰن کاسادہ اورسفید مقبرہ ہے امیر عبدالرحمٰن وہ بادشاہ تھےجن کے رعب اور ہیبت سے دھرتی کانپتی تھی انھوں نے ۱۹۸۸۰ءتک حکومت کی اس وقت افغانستان میں تین طاقتیں تھیں ایک بادشاہ دوسرے خوانین اور تیسرے ملا امیر عبدالرحمٰن نے ملا کو تو ساتھ ملائے رکھا خوانین کی بیخ کنی کہ کل کلاں کوئی اور دعویدار تخت کا نہ پیداہوجائے امیر عبدالرحمٰن نےیورپ کاسفر بھی کیااورباغ بالا میں ہم نے وہ نوادر دیکھے جو موصوف نے اس سیاحت میں جمع کئے تھے ان کے سفر یورپ کےکئی قصے مشہور ہیں مثلا یہی کہ ملکہ وکٹوریہ نےدعوت پر بلایا انھوں نے چھری کانٹے کونظر انداز کرکے مرغ کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر دانتوں سے چچوڑنا شروع کیا اور ہڈیاں زمین پر پھینکیں مہمان عالی مقام کے احترام میں ملکہ وکٹوریہ نے بھی یہی کیا اورفرش

پر ہڈیوں کے ڈھیر لگ گئے اس کے بعد ہاتھ دھونے کے لئے پانی کے پیالے فنگر باؤل سامنے آئے تو امیر صاحب نے اپنا پیالہ غٹاغٹ پی لیا ملکہ معظّمہ اوتران کے درباریوں کو بھی یہی کرنا پڑا کتابوں میں آیا ہے کہ منتظم بہت اچھے تھے اچھے کا مطلب سخت گیر کیجئے ان کے زمانے تک شاہی محل پہاڑ کی چوٹی پر قلعہ بالا حصار ہی میں ہوتا تھا امیر عبدالرحمٰن نے اسے ترک کر کے شاہی نیچے میدان میں قلعہ بنایا جسے ارک کہتے ہیں اور جواب بھی شاہی مستقر ہے اللہ بخشے مستبدادد شقی القلب اس درجہ تھے کہ تین سگے بھائیوں کو محض اس جرم کی پاداش میں قتل کرا دیا کہ ان میں سے ایک نے خواب میں خود کو بادشاہ بنتے دیکھا تھا اس شامت کے مارے نے صبح اٹھ کر اپنے دوسرے بھائی سے اس کا تذکرہ کیا اس نے اسے منع کیا کہ کسی اور سے نہ کہنا لیکن بات کسی طور باہر نکل گئی اور امیر عبدالرحمٰن نے دونو کو پکڑ منگوایا حتی کہ ان کے تیسرے بھائی کو بھی جو کابل سے کوسوں دور تھا امیر نے جلا د کو حکم دیا کہ تینوں کے سر قلم کر دو اس پر دوسرے بھائی نے کہا مجھے تو نہ مارو میں تو خواب دیکھا نہیں فقط سنا ہے تیسرا بولا حضور میں نے تو سنا بھی نہیں میں تو کابل سے باہر تھا لیکن امیر نے نفرت سے منہ پھیر لیا اور تینوں موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے انہی بزرگ کے عہد میں شنواریوں نے بغاوت کی تو اس کی ناکامی کے بعد قبائل کے سرداروں کے سروں سے ایک اونچا مینار تعمیر کیا گیا امیر عبدالرحمٰن کے مقبرے کی عمارت بڑی نہیں لیکن اس کی سادگی میں شکوہ ہے ساتھ ہی اس انداز تعمیر کی ایک چھوٹی سی مسجد جس کے صحن میں پچیس تیس آدمیوں کے نماز پڑھنے کی گنجائش ہوگی مقبرے کے برآمدوں میں مختلف کہتے اور شاعرو ں کے قصیدے سنگ مر مر پر کندہ ہیں جن میں ان کو کیواں بارگاہ اورنوشیرواں ثانی اور رحمت وبخشش اور جو و سخا کا منبع بتایا گیا ہے خیروہ اور زمانہ تھا امیرعبدالرحمٰن کے تو پھر بادشاہ تھے ان کے قصیدے نہ لکھتے تووہ ان کی کھال کھنچوا دیتا معمولی ڈپٹی کمشنروں اور انسپکٹر تعلیمات وغیرہ کے خیر مقدم میں بھی ہم نے لوگو ں کو اس سے زیادہ لکھتے دیکھا ہے مقبرے سے تھوڑی دورزرنگار پارک ہی میں غازی امان اللہ خاں کے

دو بھائیوں کی قبریں ہیں جو بچہ سقہ کے ہاتھوں تہ تیغ ہوئے ان مزاروں کی لوحیں اکھڑی ہوئی ہیں پندرھویں صدی کے ایک بزرگ محمد ابن احمد الحصاری کا مزار بھی ایک چھوٹی سی برجی کے نیچے اس کے پاس ہے پارک کے اس علاقے میں تاجداروں کے محل بنے بھی اور ڈھے بھی گئے جن میں ہے ایک وہ تھا جس میں ۹۱۲۱ء میں دستاویز آزادی پر دستخط ہوئے اور ۱۹۶۴ء میں پیوند زمین کردیا گیا ایک اور محل یہاں امیر عبدالرحمٰن نے اپنی چہیتی بیوی کے لئے بنوایا تھا اور جس کا ایک حصہ اب بھی کھڑا ہے اور بوجو جان کہلاتا ہے کہتے ہیں شہنشاہ بابر کے چچا الغ بیگ نے پندرھویں صدی میں یہاں ایک باغ بنایا تھا جس کی جگہ بعد میں بستان سرائے کے باغ نے لی پارک کے اس سرے پر جو دریائے کابل کی طرف کو ہے اور جہاں اب پشتانی تجارتی بنک اور پی آئی اے کا دفتر ہے ایک چوبی عمارت شیرنی رکھنے کے لئے مخصوص تھی امیر عبدالرحمٰن کے زمانے میں جانشین کے دور میں بھی یہ دستور تھا کہ اگر کوئی امیر سلام خانے میں بادشاہ کو سلام کرنے آتا تھا تو اسے ایک چمکدار ریشمی رومال میں مصری کا ایک ڈلا باندھ کے دیتے تھے ڈلے کا حجم اس امیر کے درجے کی نسبت سے ہوتا ہے اس کے علاوہ ایک آدھ سیر شیرینی یعنی شکر آمیز میوے بھی عطا ہوتے تھے چونکہ مختلف تقریبات پر سلام کرنے کے لئے بے شمار لوگ آتے تھے لہذا منوں شیرینی اور مصری تقسیم ہوجاتی اب نہ شیرینی ہے نہ شیرینی کھانے والے نہ محل ہے نہ امیر عندالرحمٰن اب اس جگہ پر حمال اور مزدور بیٹھ کر دھوپ تاپتے ہیں اور کپڑوں میں ان سے جوئیں چن چن کر مارتے ہیں ۔

اس پارک کو شہر کا قلب جاننا چاہیئے ایئر پورٹ جانے کا راستہ یہی ہے دونوں اچھے ہوٹل۔۔۔ کابل اور سپن زر۔۔۔ یہیں واقع ہیں افغان اریانا اور پی آئی اے کے دفاتر بھی یہاں ہیں اطلاعات اور تعلیمات کی وزارتوں کے جدید دفاتر بھی اس سے ملے ہوئے ہیں اور پرانی وزارت خابہ جبھی سامنے آتی ہے ایک سڑک مسجد پل چشتی کی طرف کو نکل گئی ہے ایک مقبرہ تیمور شاہ اور ماشین خانے کے پاس سے ہوتی ہوئی دارالامان اور شہر نو باغ بالا۔ پغمان وغیرہ جانے کی شاہراہ بھی یہیں سے شروع ہوتی ہے جو سڑک پرانی وزارت خارجہ کے

سامنے پڑتی ہے اس پر مختلف ملکوں کے سفارت خانے ہیں یہیں اقوام متحدہ کا دفتر ہے جہاں ہمیں اپنے کام سے جانا پڑتا ہے اور چینی سفارت خانے سے اس کی دیوار ملی ہوئی ہے یہ الگ بات ہے کہ ہمسائیگی کے باوجود اقوام متحدہ والے چین والوں کو نہیں پہنچانتے ان کا سائن بورڈ دیکھ کر انجان بن کر گزر جاتے ہیں اور چین والے تو اتنی گھاس بھی نہ ڈالتے ہوں گے ان کے نام کی تختی بھی نہ پڑھتے ہوں گے ۔

اس سڑک کے کونے پر ایک روز ہم نیشنل لائبریری میں گئے پرانے زمانے کی خستہ عمارت ہے کبھی یہاں کوئی سرکاری دفتر ہوا کرتا تھا ٹیڑھے میڑھے تنگ وتاریک زینے ہیں لیکن کتابوں کا ذخیرہ نادر ہے مجلس ادبی کے علامہ اقبال اور مولانا سلیمان ندوی مہمان ہوئے تھے اس کا کتب خانہ بھی اب اس لائبریری کا جزو ہے کوئی اسی ہزار کتابین ہیں فارسی کی انگریزی کی اور اردو کی بھی اردو کا ذخیرہ نہ جانے کس زمانے میں بنا ہوگا اگرچہ انجمن ترقی اردو کتابیں بھی ہیں لیکن زیادہ تر رائے صاحب منشی گلاب سنگھ اور منشی محبوب عالم کے زمانے کی ہیں قسے کہانیاں ہیں جن کی مشترکہ جلدیں بنی ہوئی ہیں پرانے پرچوں میں اصلاح انیس امان افغان وغیرہ کے فائل بھی یہاں ہیں جو ۴۲ ۔۱۸۳۹ء کی پہلی افغان جنگ کے متعلق انگریزوں نے لکھ رکھی ہیں یہ جنگ کے متعلق انگریزوں نے لکھ رکھی ہے یہ جنگ جس میں انگریزی سپاہ ایسی تباہ ہوئی تھی کہ اٹھارہ بیس ہزار کی فوج میں سے فقط ایک آدمی ڈاکر برائیڈن گرتا پڑتا زخمی حالت میں جلاد آباد پہنچا تھا انگریزوں کو آج تک نہیں بھولی بیسوں کتابیں اس موضوع پر لکھی گئیں اور آج تک لکھی جا رہی ہیں مصوروں نے اس واقعہ ہائلہ پر موقلم آزمایا اور اس کی خیالی تصویریں لندن کی ٹیٹ گیلری میں لٹکی ہوئی ہیں اخباروں کے فائلوں میں ہمیں حبیب الاسلام کی تلاش تھی یہ اخبار بچہ سقہ نے جاری کیا جو خود کو محافظ اسلام امیر حبیب اللہ کہلاتا تھا جب تک بچہ سقہ رہا یہ پرچہ بھی چھپتا رہا اس کے مندر جات عبرت انگیز ہیں یہ قزاق خود کو محافظ اسلام کہتا تھا کہ لوگ بھی اسے یہی کہتے تھے بلکہ ہر روز حبیب الاسلام میں ایک لمبی فہرست بیعت کرنے اور اطاعت قبول کرنے والوں اور امان اللہ خاں پر تبرہ بھیجنے والوں کی چھپتی تھی ۔

ایران

۱۹۶۸ء

اک ذرا تہران تک

ایک بار پھر ہمارے آوارہ گرد پاؤں میں کھجلی ہوئی اور ہم نے تہران جانے کا اذن پا کر اپنی فارسی کو دم لگا کر رگڑ رگڑ کر مانجھا اچھا تو آقائے ابن انشا اس دیار میں پھر جاؤ اور صبحانہ کھاؤ کوچوں میں گھومو اور جوتا گھس جائے تو اسے تعمیر کراؤ کہ وہاں مرمت کے لئے یہی لفظ ہے مکان ساختمان ہے اور ادارہ سازمان نوکرانی کلفت ہے اور ڈرائیور آقائے رانند۔ دستگیر کا مطلب گرفتار ہے اور گرفتار کا مطلب مصروف ہمارے ایک دوست نئے نئے سفارتخانے میں آئے تو دوسرے روز اپنی سیکریٹری کی درخواست رخصت میز پر پا کر بہت پریشان ہوئے اس میں لکھا تھا بوجہ گرفتاری شخصی آج دفتر نہیں آ سکتی یہ بڑے ہمدرد قسم کے ہیں فون کر کے پوچھا کہ بی بی تیرا شخص گرفتار ہوگیا ہے ہم ضمانت دے کر چھڑا دیں تب معلوم ہوا کہ گرفتار شخصی کا مطلب پرسنل کام یعنی ذاتی مصروفیت ہے کسی ایرانی غریب کے گھر جایئے تو ازراہ خاکساری یہ مت اصرار کیجئے کہ میں فرش پر بیٹھوں گا وہ بیچارا آپ کے لئے فرش کا بندوبست کرتا پھرے گا فرش کے معنی قالین ہیں آج کی فارسی ہیں

ہم ہمہارے تھے کہ اب کے بہار کی بانگی دیکھیں گے خیاباں ارم پائیں گے ایک بار جانا ہوا تو کڑاکے جاڑے کا عمل تھا دسمبر کا مہینہ۔ برف دیکھتے دانت کسکساتے لوٹے دوسری بار اپریل تھا ہم اپنے ٹھنڈے لباس میں

چلے اوروہاں جاتے ہی ریفریجریٹر میں لگ گئے پہلی بار رکنا بادد گلگشت مصلی دونوں سے مایوس آئے شیراز میں برگ باد کا نشان نہ تھا دوسری بار کیپسین کنارے راتیں گزار دلگذار نظمیں لکھتے لوٹے ع

کنار کیپسین پہ ہم بہت اداس ہوگئے وغیرہ۔۔۔۔۔۔۔بہار سے دو نوبار ملاقات نہ ہوئی اب کے جانے سے پہلے سے پہلے ہم نے پوچھایاد یہ کونسا فارسی مہینہ ہے معلوم ہوا کہ اروی شست ہے بلکہ اس کا بھی چلاؤ ہے بےاختیار سودا کا قصیدہ یادآیا۔

اٹھ گیا بہمن وسے کا چمنستاں سے عمل

تیغ اروی نے کیا ملک خزاں مستاصل

ہم نے پی آئی اے والوں سے کہا بھیا جلدی سے دے دو ایک ٹکٹ تہران کا ہمیں ورنہ بہار چلی جائے گی۔

کام نے ہم کو کر دیا

ورنہ ہم بھی آدمی تھے عشق کے

افسوس کہ ہمارا شوق بہار بینی دلچسپی گلبچینی اب کے کام کی نذر ہوگیا ہم چلتے ہو تو چمن کو چلئے ۔۔۔۔اپنے عنسل خانے ہی میں گنگناتے رہ گئے کسی باغ وراغ تک رسائی نہ ہوئی ورنہ جی چاہتا تھا کیا کیا کچھ بس اپنے ہوٹل کی گیلری سے نیچے جھانک لیتے تھے اور چونکہ ہم طبقہ چہارم پر تھے یعنی چوتھے مالے پر لہذا ہمسایوں کے صحنوں اور چمنوں پرنظر پڑتی ہے اب ہم نے یہ دیکھا کہ یہ لوگ اپنے گھتروں ہی میں گزار بناتے ہیں صحن کتنا بھی چھوٹا ہو اس میں ایک تختہ گھاس اورپھولوں کا ضرور ہوگا بڑا صحن ہے تو بڑی پھلواری ہے لیکن وہاں سبزے پر بیٹھنا یا اس کو رد مدنا بدذوتی بلکہ گناہ سمجھا جاتا ہے اس کے گرد کرسیاں بچھا کر بیٹھتے ہیں اورآنکھوں میں ٹھنڈک بساتے ہیں ہمارے ہوٹل کے صحن میں بھی ایک گھاس کا تھا جس کے چاروں کونوں میں گلاب کے تھالے تھےاور گلاب بھی قسما قسم کا ۔

عجیب اتفاق ہے کہ اب کے بھی ہمارابندابست ہوٹل اٹلاسٹک میں تھا اٹلاسٹک یعنی اوقیانوس ۔بحرظلمات بھی

شاید اسی سمندر کو کہتے ہیں تو یوں سمجھئے کہ یہ ہفتہ ہمیں بحر ظلمات میں گھوڑے دوڑاتے گزرا یہ گھوڑے بھی ہم اپنے ساتھ لے کر نہیں گئے تھے وہیں خریدے تھے۔

۱۹۶۴ء میں ہم جس ہجوم میں تھے اس میں کئی ملکوں کے لوگ تھے انگریز، ہندوستانی سیلونی وغیرہ ان لوگوں کو تو کوئی وہاں تکلیف نہ ہوئی ہماری فارسی نے ہمیں بہت دکھ دیا ان لوگوں کو فارسی جاننے کا ادعا نہ تھا لہذا انگریزی بولتے تھے کوئی سمجھے سمجھے ورنہ خصماں نوں کھائے ہم فارسی بولتے تو ایسی زناٹے کی تھی کہ خود ایرانی ہمارا منہ تکتے رہ جاتے تھے لیکن جب ایرانی جواب دیتا تھا تو رفت گیا اور بودتھا سے آگے نہ سمجھ پاتے تھے بس بلے بلے چشم چشم مرسی مرسی کرتے رہ جاتے تھے کوئی بھی زبان ہو اس کا بولنا آسان ہے سمجھنا مشکل ہے اب کے ایئر پورٹ ہی سے ایسا ڈرائیور ملا کہ ہم فارسی بولیں تو انگریزی میں جواب دیتا تھا ہم نے پوچھا یعنی تب معلوم ہوا کہ وہ شخص تین سال کراچی میں رہا ہے اور پندرہ سال اس سے پہلے بمبئی میں پس ہوٹل میں اردو چلی جس میٹنگ میں ہم گئے تھے اس میں انگریز ی چلی خوبی قسمت سے ہمارے دوست بشیر خالد آر سی ڈی والے پہلے ہی روز سے ساتھ ہو گئے تھے ان کے ساتھ پنجابی چلی فارسی بولنی ہوتی تھی تو ہم انہی کو آگے کردیتے تھے لیکن ایک روز تو وہ بھی رنجک چاٹ گئے ہوا یہ کہ ہم نے کلیم سہسرامی اور شبیر احمد اختر کو فون کیا یہ دونوں تہران کی دانش گاہ میں ڈاکٹری پاس کو نے گئے ہیں فون کے ادھر سے لینڈ لیڈی فارسی میں جواب دیا ہم ہمت کرکے فارسی بولتے رہے لیکن جب وہ گوشی گوشی کرنے لگے تو ہم نیچو نگا بشیر خالد کو تھما دیا کہ اب فارسی کا پانی ہمارے سر سے اونچا ہو گیا ہے انھوں نے گوشی گوشی سن کر فون بند کردیا اور کہا اس کا مطلب میں سمجھتا ہوں کہ وہ کلیم صاحب کو اطلاع دے رہی ہیں تھوڑی دیر میں خود فون کر لیں گے بعد میں کھلا کہ آنچہ ماپند اشتیم غلط تھا وہ کچھ گوش خدمت وغیرہ کہہ رہی تھیں جس کا مطلب ہوتا ہے ہولڈن ۔یعنی تھامے رکھئے میں بلا کے لاتی ہوں۔

ہم سوچتے ہیں کہ سعدی اورحافظ زندہ ہو کر بازاروں کا چکر لگائیں تو خود چکرا جائیں خانہ کو خونہ آسمان کو

آسمون تو خیر سن لیں گے اخبار میں رژیم کا مطلب کیا کر لیں گے سائن بورڈ پر دیسکا ریسپون اورسالن اور مبل اور اپار تمنتہائے کوکیا سمجھیں گے یہ سبھی انگریزی اور فرانیسی کے لفظ ہیں ڈیکوریشن میل فرنیچر پارٹ منٹ وغیرہ سالن کا لفظ دیکھ کر آپ کے منہ میں پانی نہ بھر آنا چاہیئے اس کامطلب salon ہے اس میں بال کٹائیے چمپی کرائیے یا اپنی جلد پرجھانواں پھر وائیے ۔

۱۹۶۴ء تک ایران کی ٹیکسیوں میں ہیٹر نہ ہوا کرتے تھے تہران میں آپ کہیں بھی چلیں جائیں پندرہ ریال یعنی پندرہ آنے میں جا سکتے تھے اصفہان چھوٹا ہے ہاں دس ریال دے کر کہیں بھی چلے جائیں شیراز کا ریٹ پانچ ریال تھا لیکن اب میٹر لگ گئے ہیں ٹیکسی دس ریال سے شروع ہوتی ہے ایک ایک ریال بڑھتا ہے آخر میں کچھ بطور اضافہ بھی دینا پڑا ہے ایر پورٹ سے شہر اس زمانے میں پچاس ریال میں چلے جاتے تھے اب کیا ایک سو بیس ریال دے کے چھوٹے یہاں کی ٹیکسیاں بھی خوب ہیں آواز سے دگنی رفتار سے چلتی ہیں اور ہر ایک نے پیچھے کے شیشے پر لکھوا کر رکھا ہے آہستہ یعنی اے پیچھے آنے والے تو آہستہ آ یومیری فکر مت کیجے پھر بھی حادثے کم ہوتے ہیں ٹریفک کا سپاہی بے قاعدگی دیکھ کر فورا روک لیتا ہے اور وہ ہیں جرمانہ وصول کر کے رسید لکھ دیتا ہے اس سے یہ لوگ ڈرتے بھی بہت ہیں کیونکہ سنا ہے وہ رشوت ن نہیں لیتا ایک روز شام کو ہم ایک بڑے میاں کی ٹیکسی میں بیٹھے لائیٹیں اس کی خراب تھیں روشن نہیں تھیں سپاہی نے چوراہے پر ردکا اور فورا پچاس ریال جرمانہ وصول کیا وہ بہت بلتا جھکتا رہا کہ چراغ روشن است لیکن سنتری نے نہ مانا حقیقت یہی تھی کہ اس کی لائٹیں جل نہیں رہی تھیں لیکن بڑے میاں کو اصرار تھا کہ یہ سپاہی جھوٹ بولتا ہے آگے چل کر ہم نے اسے پر چانے کو کہا کہ ایرانی بڑے اچھے لوگ ہوتے ہیں جل کر کہنے لگا بالکل بھی اچھے نہیں ہوتے دیکھا نہیں وہ ٹریفک کا سپاہی کتنا جھوٹا تھا ۔

شب جائے کہ من بودم

ہمارے محبّ و مشفق اردو کے نامی گرامی ادیب ڈاکٹر حسین روئے پوری آج کل تہران میں ہیں یونیکسیو مشن کے سر براہ کے طور پر ان کی کلفت خادمہ ہمارے لئے خاصی کلفت کا باعث ہوئیں ہم نے ڈاکٹر صاحب کا نمبر معلوم کر کے ان کے گھر پر فون کیا تو وہ تو تھے نہیں یہی بی بی بولیں ہم نے اپنا نام پتہ ولدیت سکو نت وغیرہ سب بتائیں وہ بالے بالے بلے بلے ہاں ہاں کرتی رہیں اور ہم مطمئن ہوگئے ڈاکٹر صاحب کو انھوں نے ساری گفتگو کا خلاصہ کچھ اسی طرح بتایا جس طرح کسی نے حضرت یوسف علیہ سلام کی کہانی کا ست نکالا تھا کپ پدرے بود پسرے داشت گم کرو یازیافت یعنی کہا تو یہ کہاں کسی پاکستانی آقا نے کہیں سے فون کیا تھا نام میں بھول گئی ہوں اگلے روز ہم نے ڈاکٹر صاحب سے ان کے دفتر فون ملایا تب یہ قصہ معلوم ہوا ہم نے کہا لیکن وہ بی بی تو یوں ظاہر کر رہی تھیں جیسے ہر چیز نوٹ کر رہی ہوں بولے دماغ تماشا دکھائیں ہم نے کہا بائیسکوپ بولے نہیں کچھ اور تالار ردو کی دیکھا نا ہم نے کہا فقط کلام ردو کی دیکھا ہے جو کچھ مولیوں وغیرہ کی تعریف میں ہے بوئے جوئے مولیاں آید ہمے فرمایا یہ اس سے الگ چیز ہے یہ ایک بہت بڑا ہال ہے جس میں کینسرٹ ہوتے ہیں ڈرامے ہوتے ہیں بیلے ہوتے ہیں بہر حال ہے دیکھنے کی چیز۔

اور تالار ردو کی واقعی دیکھنے کی چیز نکلا ہم نے اسے بھی دیکھا اور جو اسے دیکھنے آئے تھے ان کو بھی دیکھا

اے تماشا گاہ عالم ردئے تو

تو کجا بہر تما شامی رومی

یہ بڑے بڑے پھاٹک یہ بڑا احاطہ اندر سبزہ اور حوض اور فوارے چھت کی اونچائی تھ پانی پھینکتے ہوئے پھر روشنیوں کی جھلمل جھلمل ہم مرمریں فرش کو اپنے پاؤں سے میلا کرتے ہوئے اندر پہنچے تو ایک عالیشان گنبد والی نظارہ گاہ تھی اور ہم تھے اور۔۔۔۔۔ صفوی خاندان کا ایک شہزادہ تخت پہر بیٹھا ہے ایک خان قالین باف دو شیزاوؤں کی ایک ٹکڑی کے ساتھ آتا ہے اور ایک قالین تحفے میں پیش کرتا ہے قالین پر دلآ

رام کا نام بنا ہے اورشہزادہ ان لڑکیوں سے دلآرام کو دریافت کر لیتا ہے۔۔۔۔دلآرام شہزادے کےسامنے دو زانو جھک جاتی ہے سازند ے اپنے ساز چھیڑتے ہیں موسیقی کاایک ریلا آتا ہےدربار کی رسمیں شروع ہوتی ہیں شہزادہ اور اس کے درباری رخصت ہوجاتےے ہیں لڑکی تنہا بیٹھی رہ جاتی ہے اور خواب دیکھتی ہے یہ سہانا سپنا کیاہے جنگل ہے اور جنگل میں‌اس کا خیمہ ہے اورخیمے کے باہر وہ سکھیوں کے ساتھ‌بیٹھی قالین بن‌رہی ہے شہزادہ شکار کھیلتے ہوئے راستہ‌بھول اپنی‌ہمراہیوں سے جدا ہوکر وہاں وارد ہوتا ہےوہ تھکار ہوا ہےلڑکی اس ست اتنی مہربانی برتتی ہے کہ‌اس کے دل میں اس کی محبت کا شعلہ فروزاں ہو جاتا ہے اتنے میں شہزادے کت ہمراہ ہی آجاتے ہیں اوروہ ان کے ساتھ رخصت ہو جاتا ہے ہاں جاتے ہوئے اپنی انگشتری بشانی میں دلآرام کو دےجاتا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

اس‌مرحلے پر درباری بازی گرداخل ہوتے ہیں اور اس لڑکی سے کہتے ہیں‌کہ اب جلاد آ کر تمہارا سرقلم کرنےوالے ہے جلاد واقعی آتا ہے اور تیغہ اٹھاتا ہے وہ اپنی جان‌سے مایوس اور دلگیر ہوتی ہےکہ شہزادہ اپنی گم گشتہ محبوب کو پاکر خوشی سے وار فتہ ہوجاتا ہے اور جشن برپا ہوتاہے اور موسیقی کاایک بڑا ریلا آتا ہے ۔۔۔۔۔۔۔اے برعظیم والو دلآرم کو جانتے ہو ہمارے بادشاہ ہمایوں ۔۔۔نظام سقہ فیم جب شکست خردگی میں‌اصفہان پہنچے تو طہما سپ صفوی نے انھیں ہاتھوں ہاتھ لیا شطرنج کھیلتے میں ان کی نظر اس نانظورہ دلفریب یعنی۔۔۔دلآرام نامی کنیز پر پڑی ہمایوں‌صاحب بادشاہ ہی نہ سہی شطرنج میں‌تو چا بک‌دست تھے جیتنےکو تھے شرط انھوں نے یہ کی اگر میں بازی جیتاتو دلآرام میری دلآرام نےاس موتع پر غمہ چھیڑا شاہادور خ بدہ‌دو لآرام رامدہ یعنی دو رخ دے دے دلآرام کوہاتھ‌سےمت دے ہمایوں توبدھو آدمی تھےکچھ سمجھے کہ نہ‌سمجھے طہما سپ نے یہ چال چلی‌اور بازی جیتی۔

اس‌داستان کی بدولت ہمایوں‌بادشاہ کے بارے میں‌بھی ہماری روئے کچھ‌بہتر ہو گئی‌ہے ہم تو یہی‌سوچتے تھے کہ بس بابرکا بیٹا تھا تخت پربیٹھا شیر شاہ کی‌تاب نہ لا کر بھاگا نظام سقہ‌کو ایک دن کی بادشاہی ہی بخشی حمیدہ بیگم سےشادی کی اکبر کوپیداکیا اور سیڑھیوں سے گر کر مر گیا دلآرام کے قصےسے پتہ چلا کہ

کچھ نہ کچھ گزارے لائق زندہ بھی رکھتا تھا حالات سازگار ہوتے تو عاشق ہونے کی صلاحیت بھی تھی اے ہمایوں بادشاہ اتنی سی بات پر ہم نے تیرے گناہ معاف کیئے۔

لیجئے کہاں کی بات تھی ہم کہاں جانکلے قصہ دلآرام کا کسی صورت حال میں تھا اور مقام تالار ردد کی اس سے پہلے کچھ اور پراگرام بھی تھے ایک بانو نے پری وش ستادہ نام رکھتی تھی مشہور شاعرہ لعبت والا کے دلگذار عشقیہ اشعار سنائے پھر فرا مر زیانورنے سنتور نامی ساز بجا کر حاضر بن کر مسحور کیا ایک چھوٹا سارقص بھی ہوا اور آرکسٹر نے اپنے کمال دکھائے پروگرام فارسی میں چھپا ہوا ہمارے سامنے تھا جو آئٹم ختم ہوتا تھا ہم اس پر نشان کرتے جارہے تھے اگلی باری آنتراکت کی تھی ہم اسے دیکھنے کے مشتاق تھے کہ لوگ اٹھ گئے اور باہر نکلنے لگے ہم نے ڈاکٹر صاحب سے کہا یہ آنتراکت بھی تو دیکھیں بولے باہر نکل کے دیکھو آنتراکت فرانیسی زبان میں انٹر ویل کو کہتے ہیں مونگ پھلی اور کوکا کو؛لا والا انٹرویل ۔

کہ اہلِ درد کو پنجابیوں نے لوٹ لیا

کل بشیر خالد صاحب نے کہا آج شام میرے ساتھ چلو ایک جگہ کھانا ہے اور گانا ہے ہم نے کہا کھانے میں عذر نہیں لیکن گانا ہمیں گانا نہیں آتا بولے تم سے کون کہہ رہا ہے گانے کو اور لوگ گائیں گے ہم نے کہا اچھا لیکن زیادہ پکا اور زیادہ کچا گانا ہم نہیں سن سکتے فرمایا بین بین ہو گا اورتہران کے بہت سے پاکستانیوں سے ملاقات بھی ہو جائے گی۔

خدا جانے کتنی راہوں سے ہو کر ہماری ٹیکسی ایک جگہ رکی جس گھر میں ہم داخل ہوئے وہاں کا نقشہ ہی کچھ اور تھا لوگ مصف بہ صف بیٹھے قرآن خوانی کر رہے تھے ہم بھی سر پر رومال باندھ تھوتھا منہ بنا بیٹھ گئے اور ایک پارہ پڑھنے لگے اسے ختم کر کے ہم نے خالد صاحب کے کان میں کہا دیر ہو رہی ہے اس گانے والے گھر میں بھی جانا ہے اور یہاں کا آپ نے ہمیں بتایا ہی نہیں تھا خدا بخشے بہت سی خوبیاں

ہوں گی مرنے والے ہیں لیکن وہ غریب الوطن تھا کون حیران ہو کر بولے کس کو پوچھ رہے ہو ہم نے کہا جس کے ایصالِ ثواب کا یہ سامان کیا گیا ہے خالد صاحب نے کہا خدا نخواستہ میاں تمہارے خیال میں قرآن شریف صرف کسی موت پر پڑھنے کی چیز ہے۔

ہم نے کہا ،، ہم نے تو اکثر ہاں یہی دیکھا ہے ،

بولے یہاں کے پاکستانی بڑے متدین ہیں مذہب کے پاسداد بلکہ والا وشیدا۔۔۔۔یہ صادق بٹ صاحب جن کا یہ گھر ہے مہینے میں ایک بار ر برکت کے لئے قرآن خوانی ضرور کراتے ہیں احباب کو بلاتے ہیں کھانا کھلاتے ہیں محبت اورموؤت بڑھتی ہے دل بہلا رہتا ہے اچھا پارہ پڑھ چکے اب نماز کے لئے کھڑے ہو جاؤ نماز ، ہم نے کہا

بولے ،، ہاں مغرب کا وقت ہے ۔

ہم نے کہا ہاں ہاں بے شک مغرب کا وقت ہے ہمیں خیال ہی نہیں تھا جو نیت امام کی سو ہماری منہ قبلہ شریف ۔اللہ اکبر۔

اس محفل میں ہمارا مزہ تھوڑا سا کرکرا ہوا اور ہم نے بشیر خالد کا مزار کر کرا کیا ایک صاحب حافظ یونس کہیں اپنا قصہ لے بیٹھے کہ اہواز میں ایک ہوٹل میں فروکش ہوئے گرمی کے دن تھے کمرے کو تالا لگا کر سامنے چا رپائی ڈال سو رہے صبح اٹھے تو اندر جھاڑ دپھری ہوئی تھی تالا اسی طرح؛لگا ہوا تھا ہوٹل والوں سے شکا۔ یت کی تو بولے نمی نیم دانیم ہم کیا جانیں ہم کیا جانیں یہ بیچارے اسی سلیپنگ سوٹ میں تہران پہنچے۔۔ ان کا قصہ تو تہران بعد میں پہنچا ہم نے اس سے پہلے ہی اپنی جیب پر ہاتھ رکھا جس میں اپنا زاد راہ تو مانوں کی صورت رکھتے تھے کیسہ خالی تھا غور کیا تو معلوم ہوا کہ رقم تو دوسرے کوٹ میں رکھی ہے ہم نے سوٹ بدلا لیکن جیبوں کی موجودات نہ بدلیں بس پھر کیا تھا دیوانہ راہوئے بس است ہمارا آداراہ گرد ذہن بھی امواز پہنچا ہوٹل کے بل کا خیال آیا یہ کون ادا کرے گا بشیر خالد نے کہہ تو دیا کہ بابا میں ادا

کروں گا چھنا نہ کرو محفل ختم ہونے کے بعد ہوٹل میں جا کر اپنی ہمیانی ٹٹولنا ۔۔لیکن دے کہ عاشق وصابر بود مگر سنگ است۔

ہم نے حاضرین سے معذرت چاہ بشیتر خالد کو گھسیٹ ٹیکسی لے ہوٹل کا رخ کیا اس دن ہمیں ٹیکسی لینے ۔۔۔ کا بہت تلخ تجربہ ہوا پورا گھنٹہ سڑک کنارے کھڑے رہے آ خر ایک پرائیویٹ ٹیکسی سے استمداد کی ہما رے واپس آنے تک نہ صرف کھانا ہو چکا تھا بلکہ گانا بھی شروع ہو گیا تھا ہم نے میز پر بیٹھ کر چن کھانی شروع کی لیکن چونکہ اب اپنا مال عرب پیش عرب تھا لیذا ایکسوئی اور اطمینان سے سننے لگے ۔

یہ سرور سیال صاحب تھے عجیب باغ و بہار آدمی تھے تہران میں شاید کوئی بزنس کرتے تھے ایک آدھ غزل بھی انھوں گائی لیکن محفل کا رنگ دیگر تھاق حاضرین میں اکثر زندہ دلان پنجاب تھے ان کی فرمائش ٹپوں اور بولیوں کے لئے تھے ہاں تو سرور صاحب ذرا دہ ہو جائے چٹا ککڑ بینرے تے نی کاسنی دوپٹہ والیئے منڈا عاشق تیرے تے سچ یہ ہے کہ جس طرح پندی اور بھاشا میں زنانہ پن غائب ہے پنجابی لوک شاعری میں مردانہ پن بھرا ہے ایسا کہ پھٹا پڑتا ہے بہرحال اس رات تو اہل دردکو پنجابیوں نے لوٹ لیا سرور سیال کی آواز اورلوگوں کے قہقہوں اور چیچہوں نے سارے ایرانی محلے کو جگائے رکھا ہوگا ۔

مینوں لے سے سلیپر کالے

دے جے توں میری نور دیکھنی

(مجھے کالے سلیپر دے اگرمیری چال دیکھنی ہے)

تینوں لے دیاں سلیپر کالے

نی چاہے میری مجھ وک جائے

(تجھے کالے سلیپرضرور لے کر دوں گا خواہ اس کے لئے میری بھینس کیوں نہ بک جائے)

لڈو دنڈدی کچہریوں نکلاں

جے ڈاکے وچوں یار چھٹ جائے

(میں لڈو بانٹتی ہوئی کچہری سے نکلوں اگر میرا یار ڈاکے کے الزام سے بری ہو جائے)

کتی مر جائے گوانڈ نے تیری

نی بو ہے کولوں یار موڑ یا

(اے پڑوسن خدا کر کے تیری یہ کیسا مرجائے جس نے دروازے پر آئے ہوئے میرے یار کو لوٹا دیا)

حضرات توجہ پنجابی شاعر کو دیکھا بھینس کو کتنی اہمیت دیتا ہے آپ اس سے پوچھیں عقل بڑی کہ بھینس تو یقین سے کہنا مشکل ہے کہ کیا جواب دے گا آپ خود ہی منصفی کر لیجئے عقل والے در بدر ٹھو کر کھاتے دیکھے ہیں بھینس دودھ دیتی ہے جس کے سوما کرے ہیں خود پیجئے دوسروں کے ہاتھ پانی ڈال کر بیچ بیچئے اس کا گوبر بھی بڑی کار آمد چیز ہے بھینس کے آگے موسیقی کے بعد سازوں کی مشق بھی کی جاسکتی عقل کے سامنے ایسی کوئی بات آپ نہیں کر سکتے پڑوسن کی کتیا یا بنئے کی کتیا پنجابی شاعروں کی ولین ہے حضرت بلھے شاہ نے بھی ایک عورت کی زبانی اسے بد دعا دی ہے ایہ کہتی مرے کراڑ دی جھڑی چئوں چئوں نت کرے یہ اس لئے کہ اہل دل کے مراد پانے کی راہ میں حارج ہوتی ہے پڑوسنوں پر بھی پنجابی شاعر اکثر نا مہربان رہتا ہے حضرت بلھے شاہ اسی کے گیت میں کتیا کے ساتھ ان کا گھن پس گیا ہے اور یہ پڑوسنیں بھی اللہ کرے مرجائیں جو نہ مریں ان کو تپ چڑھ جائے تاکہ پابند مسکن ہوجائیں گھر سے باہر نہ نکلیں آخر میں سرور صاحب نے مختلف علاقوں کے لوگوں کی بولیوں کی نقل بھی اتاری مسافر پشاور سے پشتو سنتا اور کانوں میں تیل ڈلواتا چلتا ہے لاہوریوں کی خاص بولی بلکہ بنکار سنتا ہے پھر پٹیالے کی بولی دلی کی خنداری زبان کلکتے کی بنگلہ اور آخر میں مدارس کی اگڑم بگڑم ،ہنستے ہنستے ، لوگوں کی پسلیاں دکھنے لگیں ہم نے گھڑی دیکھی آدھی رات کا عمل تھا ٹیکسی کی مشکل کا خیال کرکے ہم نے خالد کو دامن سے کھینچ گھسیٹا اور ہوٹل اٹلاسٹک کی راہ لی یہ محفل جانے کب تک جاری رہی ہوگی بہر حال اس نے

بہت سا غبار مسافر کے دل کا دھویا کرم کر دی عزیزم زندہ باشی

ڈاک لسی قیلولہ

ہمارے ایرانی بھائی ترقی کی دوڑ میں اتنا آگے نکل گئے ہیں کہ ان کی بعض چیزیں ان کا ساتھ نہیں دے سکیں بہت پیچھے رہ گئی مثلا ڈاک کا انتظام ، تار کا انتظام، ٹلی فون وغیرہ کا انتظام ہمیں ایک دوست سے ملنا تھا سوچا ایک خط لوکل ڈاک سے لکھ دیں کہ ہم ہوٹل اٹلاسٹک میں مقیم ہیں کرم نماز فرود آ کہ خانہ خانہ تست اس روز نہ سہی اگلے روز مل جائے گا اول تو پتہ چلا کہ جا بجا ڈاک خانے نہیں ہیں لیٹر بکس بھی سڑکوں پر نہ ملیں ٹکٹ لفافے بھی دکانوں وغیرہ پر نہیں ملتے بہت ضرورت ہے کسی ڈاک خانہ میں جاؤ خط لکھ کر وہیں ڈالو اور پھر اللہ کی قدرت کا ملہ کا تماشا دیکھو ہم نے ایک ڈاک خانہ ڈھونڈ نکالا سیڑھیوں پر بیٹھے ایک آدمی سے دو آنے کا کاغذ خط لکھنے کے لئے اسے بند کرکے احتیاطا مقامی بھی لکھ دیا یہ خیر ایک غلطی ہماری تھی وہاں مقامی یا مہاجر کو کوئی نہیں سمجھتا شہری لکھنا چاہیئے تھا خط لکھ کر ہم انتظار کرنے لگے کہ اب فون آتا ہے میاں بشیر احمد اختر کا ہوٹل والے سے پوچھتے تھے کہ کوئی بھلا مانس تو نہیں آیا ہمیں ملنے کے لئے یہ خط گرتا پڑتا چوتھے روز اپنی منزل مقصود پر پہنچا اور شبیر صاحب مل گئے ورنہ ہم تو سمجھے بیٹھے تھے کہ کتنا بے اخلاق آدمی ہے ہم سے ملتا نہیں کہ کسی کام کو نہ کہہ دیں تار بھی کراچی سے دو دن میں پہنچتا ہے ایک بات یہ کہ رہران خط لکھیئے تو پتہ انگریزی میں نہ لکھیئے ایسے خط وہاں دارالترجمہ میں بھیج دیئے جاتے ہیں وہ اس پتہ کو فارسی حروف میں مستقل کرتا ہے یونیورسٹی میں ایک پاکستانی طالب علم ہیں عبدالقیوم قریشی ان کا خط گیا انگریزی میں پتہلکھا ہوا دارالترجمہ میں جو شخص تھا اس نے اس انگریزی کی فارسی یوں بنائی ابو القاسم مویشی وہ خط ان کے برڈنگ ہاؤس کی میز پر ہفتہ بھر پڑا رہا قریشی صاحب خط اٹھاتے تھے اور حیران ہوکر واپس رکھ دیتے تھے کہ چوپایوں کے خط یہاں کیوں

آنے لگے کسی سلور تر خانے یا کانجی ہاؤس میں کیوں نہیں اور گھر سے میرا خط کیوں نہیں آتا کئی دن بعد کہیں انھوں نے اصل انگریزی پتہ پڑھا اور مکتوب الیہ آدمی کی جون میں آیا۔

بے شک ڈاک کا نظام ہمارے ہاں بہتر ہے بات یہ کہ ہم نے انگریزوں کے دور صدسالہ سے بہت فیض پایا ایران میں پہلی جنگ عظیم تک بڑی ابتری تھی بلکہ قا چاروں کا آخری دور تو سکھا شاہی دور تھا محلاتی سا زشوں کا امیروں کے استبداد کا نفسا نفسی کا ایک امریکی ماہر مالیات مسٹر شوستر پہلی جنگ کے آس پاس شاید کچھ پہلے ایران بلائے گئے اور وزیر خانہ بنائے گئے تو حیران ہوئے کہ کسی نے بجٹ کا نام ہی نہیں سنا آمدر خرچ کا کچھ حساب ہی نہیں پہلی فائل جو ان کے پاس آئی یہ تھی کہ مشتر خانے کے لئے تیل چاہیئے اورموٹر خانے کے لئے بھرسے کی ضرورت ہے یہ بہت جزبز ہوئے کہ یہ کیامذاق ہے بعد ازاں کھلا کہ کوئی مذاق نہیں سیدھی بات تھی تیل اونٹوں لی مالش کے لئے چاہیئے تھا اور موٹر خانے کے ملازمین کو تنخواہ بھوسے کی صورت میں ملا کرتی تھی یہ ساری اصلا حات ان پچاس سال میں ہوئیں بلکہ زیادہ تر رضا شاہ پہلوی کے بعد اب تو خیر عالم ہی اور ہے لباس پہلے جبرا مغربی کیا گیا تھا اب اختیاری طور پر ہے جا بجا عورتیں مغربی اسکرٹ پر کالی یا چار خانے کی چادر اوڑھے نظر آئیں گی یہ یا تو دیہاتی ہوتی ہیں یا پرانی چال کی قا چاروں اورز ندوں کے زمانے کے ایرانیوں کی تصویر یں دیکھئے کیا شاندار سر سیدی وڑھے ہوا کرتے تھے اب وہاں داڑھی کا رواج نہیں ہاں سکھوں کے ضرور نظر آئیں اور سکھ تہران میں بہت ہیں موٹروں کے پرزے بیچتے ہوئے پٹ پٹ فارسی بولتے ہوئے اس میں پنجابی کا رس گھولتے ہوئے ۔

ہم جتنے دن تہران میں رہے لسی پیتے رہے دوغ کہلاتی ہے ترکی میں بھی لسی ہمارا من بھاتا مشروب رہا ہے وہاں اسے آئرن کہتے ہیں کھٹاس لئے ہوئے بوتل میں بند بقدر ذائقہ نمک ڈال لیجئے اے پاکستان لے پاک لوگو سنو کہ ایران میں ملاوٹ نہی ہوتی لوگوں کو موبل آئیل یا بھٹے کی اینٹیں یا لکڑی کا برادہ نہیں کھلایا جاتا دودھ دہی اور مکھن سب خالص ترکی میں بھی ملاوٹ کا تصور نہیں اتحاد ثلاثہ میں یہ فخر بس ہمیں کو حاصل

ہے صفائی کا حال بھی سن لیجئے ہمارے لوگوں نے ڈھونڈ ے کے خوف سے چند دنو دکانوں پر جالیاں لگائیں جب دیکھا کہ کوئی نہیں دیکھتا تو اتار پھینکیں تہران میں کسی شخص کو گوشت کی دکان کھولنے کی اجازت نہیں ملتی جب تک اس کے پاس ریفریجریٹر ،ڈیپ فریزر نہ ہو یہی انقراہ میں دیکھا قصبات میں جہاں فرتج نہیں وہاں بھی صفائی اور جالی انتظام ضرور ہے چلو کباب تو خیر ایرانیوں کی مشہور ڈش ہے ابلے چاول اس میں مکھن کی ٹکیہ ملایئے ایک انڈا بھی کچا توڑ کر ڈال لیجئے اور کباب چپٹا چپلی کباب کا سا ساتھ پیاز اور بہت سا سلاد لیکن عام خوراک کباب اور روٹی کہہ سکتے ہیں اور روٹی یہاں کئی بھانت کی ہوتی ہے نرم اور موٹی سی لے کر پتلی کاغذی سی تک یہ رواج اب صرف پاکستان اور ہندستان میں ہے کہ میاں کو گرم گرم روٹی چاہیئے آدھی رات بھی آئے تو بی بی چولھے کے پاس کھڑے ہوکر پھلکے اتارے گی ایران افغانستان یا عرب میں کہیں یہ رواج نہیں سالن گھر میں پکاؤ لیکن روٹی نان بائی کے ہاں سے لاؤ سینڈوچ کا رواج بھی یہاں بہت ہیت اسے ساندہ وتج کہتے ہیں لمبی سی گول ڈبل روٹی کو چیر کر اس کے اندر جو جی چاہے بھر دو ایرانی سبزیاں بہت کھاتے ہیں کھیرے تو ایک طرح سے قومی غذا ہے اس کے علاوہ بھی بھانت بھانت کی ککڑیاں جڑی بوٹیاں اور سلاد سب مزے کی چیزیں ہیں ایرانی شام کا کھانا گھر پر نہیں کھاتا شام ہوئی اور بیوی بچوں کو لے کر گھر سے نکلا کسی باغ میں کسی خوض پر کسی نہرے کے کنارے یا کسی اور پر فضا مقام پر ڈیرہ جا ڈالا ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کھائی پاس کوئی ریستوران ہوگا وہاں جا بیٹھے جیسی جیب ویسا کھانا روپے بھر کا یہ لمبا سینڈوچ کہیں سے بھی لے لیجئے پیٹ بھر جائے اور پھر بھی بچ رہے ورنہ گھر سے ساتھ لے لیجئے کسی ایرانی سے شام کو اس کے گھر پر ملنے کا طے نہ کیجئے اسے تکلیف ہوگی اس کے معمول میں فرق آئے گا دوپہر کے بعد بھی ملنے کا طے نہ کیجئے یہ اس کے قیلولے کا وقت ہے قیلولے کا یہ احوال ہم نے ایران میں دیکھا اور انڈونیشیا میں دیکھا کہ آگیا عین لڑائی میں اگر وقت قیلولہ تو وہ ڈھال تلوار پھینک یہ شعر پڑھتا ہوا لمبا لمبا لیٹ جائے گا

تیرے زانو پہ ہیں سر رکھ کے ابھی سوتا ہوں
انقلاب آئے تو مجھ کو بھی جگانا ساقی

ترکی

۱۹۶۸ء

ہمارا یہ سفر بڑا آپا دھاپی کا ہے جمعے کی دوپہر ڈھل چکی تھی کہ ہمیں انقراہ جانے کا اذن ملا اتنی فرصت بھی نہ تھی کہ پان کل کے لئے لگاتے جائیں میٹنگ جس میں ہمیں شریک ہونا ہے لیکن ہوائی جہازوں کا پرواز کاحساب ایسا ہے کہ ہمیں ستائیس گھنٹے بیروت میں رکنا اور انتظار کرنا ہے ۔

اتوار کا دن ہونے کی وجہ سے کوچہ و بازار بند تھے ہم نے پی آئی اے میں ایک صاحب کو فون کیا کہ کیا کریں انھوں نے مشورہ دیا یہاں کا شبنہ کا سینو لیبان ضرور دیکھنا ہوٹل والے سے بات کی اس نے بھی کہا کہ سینو لیبان نہ دیکھا تو کچھ نہ دیکھا ایک اور غیر جانبدار مبصر تھے وہ بھی بولے کہ کیا کا سینو لیبان دیکھے بغیر چلے جانے کا ارادہ ہے مت تو نہیں ماری گئی ۔

لیکن اس کے لئے تو ساڑھے آ ٹھ بجے ہوٹل سے چلنے کاوقت تھا ۔

ہم نے نقشہ لیا اور از خود بازار میں نکل گئے اطلس ہوٹل سے دوتین ٹیڑھی گلیاں طےکر کے الحمرا بازار میں پہنچ گئے کہ مرکزی سڑک یہی ہے پی آئی اے کا دفتر تھیٹر سینما وغیرہ بھی یہیں مرکوز ہیں ہم نے ناک کی سیدھ ساحل سمندر کا رخ کیادو تین میل چلے ہونگے کہ سمندر آ گیا بحیرہ روم جس کے ساحل سمندر کے ساتھ جنوب رویہ چلتے جایئے توپورٹ سعید پہنچ جایئے ہائے وہ زیتون کے درختوں اور تاک کی بیلوں والا ہرا بھرا ساحل حسین پر حیفہ بھی ہے اور العرش بھی جو سارا اپنا تھا اور اب نہیں --------

ساڑھے پانچ بجے تھے خاصی دھوپ تھی اس کے باوجود سیر کرنےوالوں کے غول ساحلی سڑک کے فٹ پاتھوں پر جمے تھے زیادہ پیسے والےلوگ تو اتوار کے روز پہاڑیوں کی طرف نکل جاتے ہیں ساحلی سمندر پر آنے والےغریب غربا تھے اور ان کی بی بیاں بہنیں ،بچے، ایڑھی والوں سے روٹیاں ، مرمرے بھٹے اور تربوز وغیرہ لے کر کھا رہے تھے اس ہجوم میں عرب دہیاتنیں بھی تھیں اور عرب شہری بھی کہ نیچے کوٹ پتلون ہے اور سر پر عقال باندھے ہیں کئی بزرگ بڈھے پھوس کی ٹوپی میں بھی دیکھے کہ ترکی میں اس کا نام کوئی جانتا بھی نہیں پاکستان میں کچھ وضعدار اسے ابھی تک سر آنکھوں پر جگہ دیتے ہیں یا پھر یہا ں یہ نظر آئی ایک عجیب بات یہ دیکھی کہ مونگ پھلی بیچنے والے اب کے سب افریقی ،آبنوس فام غالبا سوڈانی ہونگے ۔

الحمرا سے دہنے ہاتھ کو چکر کاٹ کر ہم نے شارع پیرس پکڑی کہ سمندر کے ساتھ ساتھ جاتی ہے بڑی بڑی سڑک ہے لیکن کہاں تک ہماری پیدل بازی کا ساتھ دیتی آ خر ختم ہو گئی وہ گھنٹہ ہمیں مسلسل چلتے ہوگئے تھے اور اب ہوٹل واپسی کے لئے کسی قریب تر راستے کی تلاش تھی ایک بزرگ نے پوچھا اس نے کہا فرانسہ بولتے ہو ہم نے کہا نہیں بولا پھر مجھے معاف رکھو کسی اور سے پوچھو اس ملک میں کیا سارے مشرق وسطے میں ابھی تک فرانیسی کا خاصا چلن ہے آگے بڑھے تو ایک سپاہی پولیس کی وردی میں کھڑا دکھائی دیا سوال یہ تھا کہ اس سے کیسے راہ پوچھیں عربی ہمیں نہ آئے فرانیسی سے ہم نا چار چلتے ہوئے جمل الدین عالی نے ٹوٹکا یہ بتایا تھا کہ لبنان کے لوگ پاکستان پر جان چھڑکتے ہیں لہذا سینے پر اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہنا انافی الباکستان عربی کی لیاقت ہماری بھی اتنی ہی ہے جتنی عالی صاحب کی ہے تا ہم عربی حروف جار (سے ۔میں۔ کا۔کو) وغیرہ کے معنی ہمیں آتے ہیں لہذا ہم نے کہا من الباکستان تو ہو سکتا ہے لیکن فی الباکستان کا مطلب تو یہ ہوا کہ میں پاکستان میں ہوں بولے اچھا علامہ صاحب آپ من الباکستان کا مطلب ہی کہہ لیجئے گا پولیس کے بزرگ کے جذبہ خیر سگالی کو یوں تحریک دینا تو ہمیں پسند آیا لیکن اپنے ہوٹل

کا کا رڈ ہم نے سامنے کردیا جس پر عربی اور انگریزی دونوں حروف میں پتہ لکھا تھا مزید سمجھانے کے لئے کہ آیا یہ سڑک جاتی ہے ہم نے انگلی سے ادھر اشارہ کرکے کہا ہذا یعنی یہ سڑک اس پر اس شخص نے نہایت مسالے دار انگریزی میں ہمیں بتایا کہ برادرم یوں جاؤ اور دوسرے چوک سے یوں مڑ جاؤ۔

ہم نے شکریہ ادا کیا اور یوں روانہ ہوگئے لیکن وہ دوسرا چوک جس سے یوں مڑنا تھا کہیں نظر نہ آیا آخر ایک ٹیکسی والے کو آواز دی ڈرائیور انگریزی داں تھا بولا جناب میں لئے چلتا ہوں آپ کو اطلس ہوٹل اور بھی ٹور کرادونگا میرا نام جوزف ہے فقط تیس پونڈ لبنانی عطا فرمائیں تو آپ کو ایسا تماشا دکھاؤں کہ آپ عمر بھر یاد رکھیں ۔

بات کے مالی پہلو کو نظر انداز کرتے ہوئے ہم نے پوچھا کون سا تماشا کیسا تماشا فرمایا کا سینو لیبان لے چلونگا پریوں کے پرے حوروں کے جمگھٹ اور ہاں اگر وہ تماشا دکھاتے دکھاتے ایک کے بعد ایک اپنے کپڑے اتار پھینکیں تو کچھ حیران نہ ہوجئے گا کیونکہ موسم گرمی کا ہے۔

لیکن یہ گرمی تو عالمگیر ہے اس کا تعلق موسم سے کم جسم سے زیادہ ہے ہم نے اپنی نظم دیوار گریہ میں دو مصرعے یہ بھی لکھے تھے۔

کوئے بیروت و بصرے کے بے آستینو

اپنے جلوؤں کو اتنا نہ ارزاں کرو

کوئی بات آنکھوں دیکھے بنا لکھ دی جائے تو غلط تو ہونی ہوئی آستین اور بے آستینی دونوں کے لئے پیراہن کی شرط ہوتی ہے کا سینو لیبان میں تو لباس بے لباسی کا فینسی ڈریس شو تھا کیا ڈھنڈا عمارت ہے ایک طرف جوا خانہ ۔۔۔دوسری طرف یہ تجلی گاہ روپے ہاریئے یا نقد دل ہاریئے دونوں کا معقول انتظام ہے یہ تو خیر ہمیں گمان نہ تھا کہ حالیہ قیامت صغریٰ کے بعد ہم کسی عرب ملک میں جائیں گے تو وہاں ہر شخص سرکفن باندھے ہتھیار سجاۓ لفٹ رائٹ کرتا اور مشین گن کی باڑھ مارتا ملے گا ہاں یہ خیال نہ تھا کہ ہمارے

عرب اب بھی مے پرستی عذر مستی اور پیش دستی وغیرہ غالب کے تمام قافیوں کو بحسن وخوبی نبھا رہے ہوں گے ایک دوست قاہرہ سے آئے ہوئے ملے ہم نے ان سے کہا کہ اے اس دیس سے آنے والے بتا وہاں کا کیا حال ہے وہاں تو جہاد کے جیکاروں سے کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی ہوگی وہاں لہو ولعبوالوں. پر کیا گزری ابریق مے مستاں کیسے بشکست ہوا قاہرہ کے ان خوباں کا کیا حال ہے جن میں سے ایک کے متعلق کرنیل محمد خاں نے لکھا ہے کہ اس شوخ نے آکر دروازہ کھولا تو اس کے ہونٹوں پر تو مسکراہٹ تھی لیکن باقی جسم پر کچھ نہ تھا ۔

وہ مسکرا کر رہ گئے ۔

ویسے آپ کا کا گزر بھی بیروت سے ہو تو سینولیبان دیکھئے ضرور بیشک تن کی عریانی سے بہتر نہیں دنیا میں لباس ۔۔ لیکن یہ اس تماشے کا فقط ایک پہلو ہے اور زیادہ بھی نہ للچایئے کیونکہ ہوا ہوس کے جھونکے کتنا ہی اڑانا چاہئیں انجیتر کا پتہ اپنی جگہ پر رہتا ہے بھان متی کے تماشے اس بازی گاہ میں دلچسپی کی اصل چیز میں ظالم ایسے بڑے بڑے سیٹ اسٹیج پر لاتے ہیں اور یوں منٹ بھر میں بدلتے ہیں کہ دیکھنے والا آنکھیں ملتارہ جاتا ہے کبھی زمین پھٹتی ہے کبھی چھت شق ہوتی ہے جہاں کچھ بھی نہیں تھا آنکھ جھپکتے ہیں وہاں ایک چوپہیہ گاڑی اسٹیج پر نمود ہیں اس کے جاتے ہی ایک شیشے کا بڑا حوض اسٹیج پر آتا ہے جس میں کئی عورتیں تیر رہی ہیں ایک موقع پر ایک مرتبان بھی آتا ہے جس میں ایک آرام جان مچھلی کی صورت بند ہے اور اورشنا دری کرتی ہیں اور پھر تو سالم ریل گاڑی چھک چھک کہیں سے نمودار ہوجاتی ہے انجن چھکا چھک چلتا دھواں چھوڑتا اورسیٹی بجاتا پیچھے ڈبے لگے ہیں اور یہ عین حاضرین کے درمیان کے پلیٹ فارم سے گزر جاتا ہے حوریں چھت میں سے نکلتی ہیں اور فرش غائب ہوجاتی ہیں دو منزلہ مکان اسٹیج پر آتا ہے اس کی دونوں منزلوں پر کمرے ہیں کمروں میں چھپر کھٹ ہیں اور چھپر کھٹوں پر حسینیں ہیں پھر عین آپ کے سروں کے اوپر سے ایک ایک بہت بڑا گولہ یا غبارہ کوئی پندرہ فٹ قطر کا چھت میں سے نکل کر نیچے آتا ہے

اور پنکھڑیوں کی صورت کھل جاتا ہے اب دیکھئے تواس میں سے بھی کئی رہز نان تمکین و ہوش نکلتی ہے اور جلوہ دکھا کر اسی غبارے میں بند ہو کر جہاں سے آئی تھیں ادھر کو غائب ہو جاتی ہیں یہ کہنا مشکل ہے کہ اصل مقصود اس کا سینو کا یہ شعبدہ کاریاں ہیں یا خیر میاں آزاد ۔

آج کی رات کا نہ چھیڑ و مذکور
قدر ایمان سمجھتے ہی مگر آج کی رات

عبرت پکڑنے کا فلسفہ پرانا ہوا ۔متروکہوا۔انقرہ و استنبول تمہاری راہ دیکھ رہے ہین اس وقت خود حظ اٹھاؤ۔۔ دوسروں کو اٹھانے دو ۔

دیکھنا ہے شب کی نہایت کیا ہے
بزم اٹھتی ہے کہ سحر آج کی رات

ازروم وازیاران روم

ہم کسی نئے شہر میں جائیں تو ایک مدت یہ ذہن نشین کرنے میں لگ جاتی ہے کہ ہم اگر بازار میں ہیں تو ہمارا گھر کہاں ہے کس طرف کو ہے کدھر پے مشرق اور مغرب کا کچھ اندازہ نہیں ہوتا ایک روز ہم یہ عزم کر کے صبح صبح اٹھے کہ دیکھیں انقرہ کا سورج کیسا ہے ٹکٹکی باندھ کے ایکھا کئے لیکن سورج میاں نے یہ چال کی کہ پیچھے سے نکل آئے ہمین خبر اس وقت ہوئی جب ہمارا سایہ سامنے پڑنے لگا آفاق میا ں نے گھر اپنا ایسی جگہ لیا ہے کہ اس کے آگے پیچھے دہنے بائیں اوپر نیچے سڑکیں ہیں ہم نے کئی بار اس خیال سے کہ کبھی تنہا بھی آنا پڑ جاتا ہے اس گھر کے نواحات کی کوئی نشانی مقرر کرنے کی کوشش کی پہلے روز ہم نے یہ یاد رکھا کہ گلی کے سرے پر ایک ٹھیلے پر تربوزوں کا ڈھیر ہے اور پاس ایک

گھوڑا گاڑی کھڑی ہے دوسرے روز اس کی تلاش میں ہم آدھ فرلانگ کا غچہ کھا گئے تربوز والے نے محض ہمیں بھٹکانے کے لئے اگلے روز اپنا ٹھیلہ کہیں اور جا کھڑا کیا یہی حرکت گھوڑا گاڑی والے نے کی آفاق نے کہا ایسی چلتی پھرتی چیزوں کی نشانی تو ملا نصرالدین مقرر کیا کرتے تھے انھوں نے ریگستان مین ایک جگہ روپے دبا دیئے تھے اور نشانی یہ رکھی تھی کہ عین اس جگہ بادل کا سایہ تھا اگلے روز دیکھا کہ نہ بادل ہے نہ اس کا سایہ ہے اور نہ روپے ہیں پکی چیز کی نشانی رکھو ہم نے بات گرہ میں باندھی عین گلی کے سامنے ایک دکان پر پیپسی کولا کا اشتہار لگا تھا پکا دیوار مین جڑا ہوا تھا لیکن شام تک پیپسی کولا والوں نے اس قسم کے اشتہار شہر میں جا بجا ہزاروں جگہ پر جڑ دیئے آفاق میاں کا کہنا ہے کہ یہ تو پہلے سے جڑے ہیں تمہاری آمد سے اس کا کچھ تعلق نہیں ایسا ہی ہوگا علاقے کا نام بھی کچھ ٹیڑھا سا تھا ہم نے بہت یاد رکھنے کی کوشش کی لیکن حافظے سے پھسل پھسل جاتا تھا اس سے مشابہ فارسی کا لفظ کبک دری معلوم ہوا اسے بنگالی لہجے میں ادا کیجئے کوبکو دری تو صحیح تو پھر بھی نہ ہوتا تھا لیکن سننے والا اندازہ کرلیتا تھا کہ مراد کـ kvakli dere گھر کی دوسری نشانی امریکن یسپتال ہے جو آفاق کے گھر سے دو گھر چھوڑ کر ہے ہم نے اسے نوٹ کر لیا اور ایک بار ایک ترک ڈرائیور کو دکھایا تو اس نے کہا اے میری جان مجھے نہیں معلوم اس وقت تو ہم اس کی بے تکلیفی پر گھبرائے بعد معلوم ہوا کہ کہ ترکی میں c کا مطلب ج ہے american کو کوئی ترک پڑھے گا تو اسی عاشقانہ انداز میں پڑھے گا ن کے رسم خط میں american لکھنا چاہیئے اور بھی آوازیں ان حروف کی ایسی ہیں جن سے ہم مانوس نہیں چ کے لئے g کے نیچے ذرا سا شوشہ ڈال دیتے g اور t دال کی آواز دیتا ہے ایک بادشاہ کی تصویر کے نیچے لکھا تھا abdul mecit خاصا غور کرنے کرپر کھلا کہ سلطان عبدالمجید سے ہے مسجد والدہ سلطان استنبول میں ہمارے ہوٹل کے پاس ہی تھی اس کا نام yeni came لکھا جاتا ہے yeni کا مطلب نئ لیکن کیم کو جامع پڑھتے میں خاصی وقت ہوئی۔

فارسی ہم نے اسکول میں ماسٹر پھمن سنگھ اور لالہ مکندی مل اگر وال سے پڑھی تھی دونوں فاضل شخص تھے ایران میں اسے استعمال کرنا چاہا تو وہاں بڑے بڑے پڑھے لکھے اس سے کورے نکلے ہمارا منہ تکنے لگے پھر بھی کچھ گزارہ اس سے چل گیا فرانیسی ہم اچھی طرح گھر پر پڑھ کر یورپ گئے تھے لیکن اہل فرانس کا لہجہ کچھ ایسا ناقص ہے کہ کچھ پلے نہ پڑا یہ دیکھ کر تو اور بھی افسوس ہوا کہ وہ ہماری فرانیسی سے نابلد ہیں جب ہم لب کشا ہوتے وہ ایک بھی لفظ نہ سمجھ پاتے چین میں ہمارے ساتھ ترجمان تھے لہذا چینی کے دو تین ؛لفظوں شکریہ ،مزاج شریف اور خدا حافظ وغیرہ سے کام چل گیا جاپانی کے معاملے میں ہم نے حضرت بلھے شاہ کی نصیحت پر عمل کیا کہ ایکی ہی الف تجھے درکار فقط شکریے کے لئے آری گا تو گزاری مشتا پر اکتفا کئی لفظوں پر محیط ہے انڈونیشی کے باپ میں ذہن پر بہت زور دینے کے بعد صرف ایک لفظ یاد آتا ہے ناسی کوررنگ یہ بھی شاید کسی مسالے دار کھانے کا نام تھا ہم فلپائن لنکا اور ڈنمارک بھی گئے لیکن وہاں کی مقامی زبانوں کو چنداں قابل اتنا نہ جانا فقط ان کے نام معلوم کرلئے لنکا میں سنگھالی بولی جاتی ہے ڈنمارک میں ڈینش کور فلپائن میں ۔۔۔۔۔۔ کچھ بھلا سا نام ہے اس وقت ذہن سے اتر گیا ۔

لیکن ترکی چونکہ ہمارا دوست اور اسلامی ملک ہے اس سے ہمارا تہذیبی اشتراک بھی ہےء لہذا ترکی کی زبان کی طرف ہم نے بطور خاص توجہ دی ایوت ہاں اور یوق (نہ) تو پہلے ہی دن ہماری زبان پر رواں ہوگئے چوق گزیل (بہت اچھا) کو ذہن نشیں کرنے میں بھی زیادہ دن نہ لگے استنبول پہنچتے پہنچتے تو اس زبان میں جسے لوگ مشکل ہمیں ایسا درک ہوگیا تھا کہ بے تکلف اپنے کمرے سے ہوٹل کے ریستوران کو فون کرتے آفندم اکئی آ شیشہ سو یعنی اے مسٹر دو بوتل ٹھنڈا پانی اکی لا مطلب ہے دوایک کو بھی ترکی میں کچھ کہتے ہیں اور ہمیں بتایا بھی گیا تھا لیکن وقت پر کبھی یاد نہ آیا نتیجہ جہاں ہمیں ایک بوتل پانی کی ضرورت ہوتی دو آتیں وہاں لیکن ہم یہ کرتے کہ بیرے کو ایک بوتل ہاتھ کے ہاتھ واپس کر دیتے کہ یوق (نہیں) یعنی ہمیں درکار نہیں بس ایک رکھ لیتے انسان ہوشیار ہو تو تھوڑے لفظوں سے بہت کام چلا سکتا ہے مختصر

گفتگو میں تو ہم بھی مخاطب کو ترکی بہ ترکی جواب دیتے لیکن جہاں بات لمبی ہوئی ہماری ترکی تمام ہوئی اور پھر ہمیں اشاروں کی زبان سے مدد لینی پڑتی سید آفاق احمد تو ایسے موقع پر اردو سے بھی کام لیتے تھے اور ترکی بولتے بولتے بیچ بیچ میں ٹھہرو ۔۔ٹھہرو ۔۔۔بھی کہتے جاتے تھے کیونکہ فقرہ بناتے میں کچھ وقت لگتا ہے صرف ونحو کا معاملہ ہے مذاق کی بات نہیں ۔

احوال آفاق میاں کے گھر کا

انقرہ پہاڑوں میں گھرا ہوا ایک صاف ستھرا شہر ہے نیا انقرہ زیادہ پرانا نہیں چالیس برس کا سمجھئے انگورہ البتہ پرانا ہے جسے اتارک نے اپنے انقلاب کا مستقر بنایا انگورہ کا حصار اور اس کے اندر کی آبادی اپنی جگہ ہے لیکن نیا شہراس کے دامن میں میلوں تک پھیلتا چلا گیا ہے کشادہ گلی کوچے صاف مجلّا دکانیں شارع اتاترک جو شہر کے بیچوں بیچ گزرتی ہے بہت خوبصورت ہے اور چوڑی پھردو رویہ کشادہ فٹ پاتھ سیر کے لائق اور ان کے ساتھ سر راہ ریستوران اوپر کرمچ کا سائبان تنا ہوا اکثر لوگ انہی سر راہ ریستورانوں میں کھانا کھاتے ہیں ہم نے بازار بھی دیکھا سبزی اور پھلوں کی مارکیٹ بھی صفائی دیکھ کر جی خوش ہوا استنبول میں تو اتنا زیادہ التزام نہیں لیکن انقرہ میں تو آپ کو ایک تنکا بھی سڑک پر پڑا نہ ملے گا آپ نے سگریٹ جلائی تو تیلی سڑک پر پھینکنے کو جی نہ چاہے گا تھوڑے تھوڑے فاصلے پر ڈرم رکھے ہوئے ہیں ان میں ڈالئے قصائی کی دکان بھی آئینہ خانہ ہے گوشت فریج میں بند ہے یا شیشے کے پیچھے لٹکا ہے گرد اور مکھیوں کا گزر نہیں سبزی اور پھلوں کی مارکیٹ میں ہر چیز کے بھاؤ کی تختی لگی ہے پوچھنے اور جھک جھک کرنے کی ضرورت نہیں بیچنے والے نے ایک نیلے کپڑے کا ایپرن باندھ رکھا ہے جس میں دو بڑی بڑی جیبیں ہیں ایک میں نوٹ اور نقدی دوسری میں کاغذ کے لفافے سودا ڈال کر دینے کے لئے دودھ نہایت عمدہ ملتا ہے بوتل میں بند میٹھا ڈالے بغیر پی جایئے وہی بوتل بند اورلسی بھی جو ہر کھانے کے ساتھ پی جاتی ہے اور

آئرن کہلاتی ہے بوتل مین جتنی لسی ہم نے اب کے ترکی میں پی پنجاب میں عمر بھر میں پی ہوگی نہایت مفرح اور خوش ذائقہ ۔مکھن اور پنیر بھی قسما قسم کا بافراط ،شہد بھی۔

کیا یہ سب چیزیں خالص ہوتی ہیں ہم نے آفاق سے پوچھا ۔

بالکل ۔۔نا خالص کا یہا ں تصور ہی نہیں ہے ۔

لکڑی کا برادہ یہ لوگ پھینک دیتے ہوں گے ۔۔۔۔اس سے مرچیں نہیں بناتے ؟

نہیں ،،

لال اینٹیں تو بیکار نہ جاتی ہوں گی ضرور ہلدی کی تعمیر میں کام آتی ہوں گی ،،

بالکل نہیں ،،

اور موبل آئیل

موبل آئیل موٹر میں ضرور استعمال ہوتا ہے مکھن یا گھی کے طور پر نہیں

اب انھوں نے اشتیاق سے وطن عزیز کا حال پوچھا تو ہم نے بتایا کہ ہمارے ہاں تو بھینسوں نے بھی خالص دینا بندکر دیا ہے کم از کم ہمارے گوالے کا یہی بیان ہے جب کبھی دودھ کے پتلے پن کی شکایت کریں وہ یہی عذرکرتا ہے کہ حضور کیاکریں ھینیسیں ہی نا بکار اور بے ایمان ہیں ایسا ہی دودھ دیتی ہیں قرب قیامت کی نشانی ہے ۔

انقراہ میں بہت سی چیزیں دیکھنے کی ہیں مثلا میوزیم ،اولوس چوک،گیما کا اسٹور،انگورہ کاقلعہ اتاترک کا مزار ارو سید آفاق احمد کا گھر

باقی چیزیں تو ہم نے ایک نظر دیکھیں اس آخری مقام سید آفاق احمد کے گھر کوذرا تفصیل سے دیکھنے کا موقع ملق آفاق ہمارے بہت پرانے دوست ہیں انگریزی کے انشا پرواز ہیں ان کے مضامین جو مزاح لطیف کی صنف میں ہوتے ہیں ڈان میں اکثر آتے تھے ہیں صلحب طرز آدمی ہیں صرف انداز نگارش میں نہیں زندگی

گزارنے میں بھی ۔

دیکھا کہ ایک گھر ہے فرش فروش سے آراستہ یہ بڑے بڑے قالین اورمکلّف صوفے ڈریسنگ ٹیبل کے نیچے بھی ایک قالین تھا لیکن بیٹھنے کی جگہ کوئی نہ تھی ایک صوفے پر ہم نے تشریف رکھنا چاہا وہاں چنوں اور نمک پاروں کی تھیلیاں رکھی تھیں دوسری پر ٹافیوں اور بسکٹوں کے لفافے دھرے تھے ڈرائینگ روم کے آدھے قالین پر بڑی بڑی لکڑی کی پیٹیاں پڑی تھیں آدھے پر یہ یہ خود صوفے کی گدیاں سر کے نیچے رکھے استراحت کر رہے تھے صوفوں کے دوسرے سیٹ پر ان کی پتلونیں قمض،سوٹ پھیلے ہوئے تھے دارڈ ردب اس گھر میں کئی ہیں لیکن ان میں کپڑے رکھنا اور پھر نکالنا بے شک ایک طویل عمل ہے ہمیں دیکھ کر انھوں نے ایک کرسی پر سے ایک تربوز اٹھایا دوسرے پر سے آڑووَں کی ٹوکری اور کہا اب بیٹھ بھی جاوَ۔

یہ کیا ہے ہم نے کہا لکڑی کے ایک بڑے بکس کی طرف اشارہ کر کے کہا ۔

ایئر کنڈیشنز ہے اس میں اور کیا ہوتا ۔

کا ہے کے لئے ،،

گرمی سے بچنے کے لئے ۔

لگوایا کیوں نہیں ،،

یہاں گرمی ہی نہیں پڑتی بس احتیاطا لے لیا تھا ،،

یہ ریڈیو گرام بھی بڑا شاندار ہے ذرا سنوایئے تو ،،

مجھے کہاں لگانا آتا ہے ۔آفاق۲ نے کہا ۔ کوئی آجاتا ہے تو اس سے کہتا ہوں کہ بھیا خبریں سنوا دو بڑی مہربانی ہوگی ۔

وہ کیا ہے کونے میں ؟

سنگر مشین ہے مصرف تو اس کا کوئی نہیں لیکن پسند آگئی ہے ایک واشنگ مشین بھی دھری تھی بولے میں

توآئس کریم بنانے کی مشین سمجھ کرلے آیا تھا دھوکا ہوگیا ،،

اب ہم نے باورچی خانے میں جھانکا کوکاکولا دودھ اوردوسرے مشروبات کی کوئی دو سو بوتلیں زمین پردھری تھیں فریج کا دروازہ بھی آدھا بندتھا اس میں خربوزے جو منھا بھرے تھے۔

یہ بوتلیں یہاں کیا کر رہی ہیں ہم نے پوچھا ،،

اکثر توخالی تھیں محض سستی کی وجہ سے دکاندار کوواپس نہ کی تھیں بعض میں لسی یا دودھ بھی تھا لیکن استعداد زمانہ سے بگڑ گیا تھا چند ڈبے تھے خوبصورت لیبل دیکھ کر اٹھا لائے تھے بعد میں معلوم ہوا ان میں جھینگے ہیں اور جھینگے آفاق صاحب نہیں کھاتے بعض بوتلیں دکانداروں نے واپس لینے سے انکارکردیا جناب ہم نے تو چھ ماہ ہوئے ان کا استعمال ترک دیا تھا اب ہم نئے ڈیزائن کی بوتلیں استعمال کر رہے ہیں تب مہتاب ظفر نے بتایا کہ آفاق صاحب دریا دلی سے مجبور ہیں کوئی چیز تھوڑی خریدنے کے قائل نہیں چنوں سے انھیں خاص شوق ہے بازار گئے اورپانچ سیرچنے اٹھا لائے پاؤ بھر یا آدھ سیر کھائے باقی خراب ہونے کا انتظار کرتے ہیں مشروبات وغیرہ خود تو چاہت سے نہیں پیتے لوگوں کی تواضع کے لئے رکھ چھوڑتے ہیں کسی ہفتے لوگ نہ آئیں یا اتنا زیادہ پی سکیں تو ان کا کیا قصور مہتاب ظفر نے کہا آفاق صاحب کا گھر تو کباڑی کی دکان ہے تب ہم نے انھیں سمجھایا کہ ایسا نہیں کہتے کوئی کباڑی سن لے گا تو مرنے مارنے پراتر آئے گا کباڑی کے ہاں بھانت بھانت کی چیزیں بےشک ہوتی ہیں لیکن ترتیب سے خانوں میں لگی ہوئی وہ تربوزوں کو کرسی پر نہیں رکھتا ۔

انقراہ سے جس روز استنبول روانہ ہونا تھا چونکہ پروگرام آٹھ دس روز میں واپسی کا تھالہذا یہ فکر دامنگیر ہوئی کہ فریج میں جو اتنا ٹھسنا ہے اس کا کیاہوگا ہم نے طبیعت پر جبر کر کے خاصا تربوزکھایا ایک پورا خربوزہ بھی کھا گئے آدھ سیر تین پاؤ آڑو بھی کچھ انگور تین تین چار چار بوتلیں کوکا کولا اور آرنج کی پیش شمیم صبائی متھرائی آگئے تھے ان کو بھی زبردستی کھلایا کچھ پلایا پھر بھی پورا دسترخوان بھرا تھا فریج میں چھ سات

درجن انڈے بھی تھے بعضوں میں تو پڑے پڑے بچے بھی نکل آئے تھے۔

اب اس کو اٹھواؤ ۔ہم نے کہا،،

دربان کے لئے گھنٹی بجائی وہ یہ سمجھ کر گول ہوگیا کہ کوئی کام ہوگا آخر نیچے جا کر اسے ترکی میں سمجھانا پڑا تب وہ آیا اور سب کچھ سمیٹ کر لے گیا تین چار پھرے کئے ڈبل روٹیوں کے انبار پھر بھی باورچی خانے میں پڑا رہا جو آتی باقاعدگی سے ہیں لیکن استعمال نہیں ہوتیں بعض تو ایک مہینے سے یونہی کاغذ میں لپٹی رکھی تھیں َ

یہ شوق آفاق صاحب کا پرانا ہے کراچی میں تھے تب بھی چنوں ،دال سیوؤں جلیبیوں لڈوؤں ،آڑوؤں اور آلوچوں کھارے اور میٹھے بسکٹوں کی پوٹلیاں لالاکر گھر میں سجاتے رہتے تھے ایک بجلی کا ٹیلی فین تھا جسے وہ ایک پیپے میں بند رکھتے تھے ہم ان کے ہاں جائیں تب نکالتے تھے دوؤاں کا بھی ان کو شوق ہے صلح کل آدمی ہیں کسی طریقہ طب سے تعصب نہیں رکھتے ڈاکٹری دوائیں یونانی حکیموں کی معجونیں ایور ویدک کی پڑیاں ہومیو پیتھوں کی گولیاں سب لالا کراپنی درازیں بھرتے تھے دو تین ماہ بعد ان سب کو نکال کر ان سب کو نکال کر پھینک دیتے تھے تاکہ نئی دعوؤاں کے لئے جگہ پیدا ہو آج تک ہمیں معلوم نہ ہوسکا کہ ڈاکٹروں حکیموں کے ہاں جا کر کس مرض کا بہانہ کرتے ہوں گے لوگ ان کی انہی اداؤں کے تو قیل ہیں

۱۹۶۸ء کا سفر

کیا دنیا واقعی گول ہے

ہم اس دھرتی کا گزر بنے اور بحرظلمات میں گھوڑے دوڑآئے لیکن ہمیں‌تو ہر چیز چپٹی ہی نظر آئی دنیا سے زیادہ تو ہم خود گول ہیں کہ پیکنگ سے لڑھکے تو پیرس پہنچ کردم لیا اور کوپن ہیگن سے پھسلے تو کولمبو میں آ کررکے بلکہ جاکرتا پہنچ کر دم لیا دنیا گول ہونے پر اصرار کرنےوالوں کا کہنا ہے کہ یقین نہ ہو تو مشرق کی طرف سے جاؤ چکر کاٹ کر مغرب کی طرف سے پھر اپنے تھان پر آ کر کھڑے ہو گےاس میں ہمیں ہمیشہ ایک بد یہی خطرہ نظر آیا کہ کہیں گولائی کے دوسری طرف رینگتے ہوئے نیچے نہ رگڑیں کیونکہ ہم کوئی چھپکلی تھوڑا ہی میں اس لڑکے کا قصہ آپ نے سناہوگا کہ آدھ سیر تیل لینے کے لئے کٹورا لے کر گیا تھا کٹورا تھا چھوٹا بھر گیا تو دکاندار نے کہا باقی کس چیز میں‌ڈالوں برخوددار نے کٹورا اوندھا کر کے کہا ادھر پیندے کے حلقے میں ڈال دو پینداوپر کئے ہوئے گھر گیا توماں نے کہابیٹے میں نے آدھ سیرتیل کوکہا تھا بس اتنا سا بس یہی اس دانشمند نے اسے بھی الٹا کر کہا نہیں ادھر بھی تو ہے ہم‌سوچتے ہیں کہیں‌ایسا نہ ہو کہ نہ مشرق ہاتھ میں رہے نہ ،مغرب کیا عجب سند بادکی طرح کسی نا دیدہ جزیرے میں جانکلیں جہاں کسی پیر تسمہ پاسےمڈ بھیڑ کا بھی اتنا ہی خطرہ ہے جتنا کسی شہزادی مہرا فروز کے ہم پرہزار جان سے عاشق ہونے کا بلکہ پہلا امکان کچھ زیادہ ہی ہے تاہم اےدوستو اب کیا ہو سکتا ہے اب توہم دنیا کےگول ہونے کا ژبوت لینے کو چل دیئے گھر سے نکل پڑے جیسے طائی منیر شامی کی محبوبہ کی‌فرمائش پر انڈے کے برابر اورکوہ ندا کی تلاش میں نکل گیا تھا کل صبح ہم‌کراچی میں‌تھے دوپہرڈھاکے ہیں رات بنگاک میں‌گزری اورروم تحریر سنگاپور میں‌ہیں ان‌سطور کے زیر طبع سے آراستہ ہونے تک جانیئے

کونسی وادی میں ہو کونسی منزل میں ہو

عشق بلا خیز کا قافلہ سخت جاں

رشک آتا ہے کہ دنیا میں ایسے بھی لوگ ہیں کہ کبھی قید قیام سے نہیں گزرتے گوجرانوالہ تک گئے بھی تو دوسرے روز گھر لوٹ آئے ہم سے پوچھیئے تو جو مزا اور تھرل ململ کا کرتا پہن قوام والا پان کلے میں دبا ،انگ پرٹانگ دھرے گھر میں داستان امیر حمزہ پڑھنے اور ؛لمبی تان کر سونے میں ہے وہ جگہ جگہ مارے مارے پھرنے میں کہاں قیام کی راحتیں اور برکتیں کہاں تک بیان کی جائیں نہ پاسپورٹ کی فکر نہ ویزا کے لئے بھاگ دوڑ نہ فارن ایکس چینج کا ٹنٹا نہ ہوائی کمپنیوں کے دفتر وں کے پھیرے کہ بھائی ایک سواری ہم بھی ہیں ۔۔۔۔بٹھالو ۔۔۔ ہمیں کہیں چندے قیام کا تجربہ ہوتوایسا زبردست قیام نامہ لکھیں کہ لوگ حریفوں کے سفرناموں کوبھول جائیں اے ناظرین ۔کبھی سفر کا ارادہ نہ کرنا اجنبی دیس میں طرح طرح کے خطرات ہوتے ہیں ٹیکسی والے ہیں چورا چکے ہیں سامان لوٹتے والے صبروقرارلوٹنے والے وغیرہ ۔۔۔۔۔۔قلی وغیرہ قسم کی چیز بھی باہر کے ملکوں میں کم ہی ملتی ہے انسان کو اپنے سوٹ کیس اوربقچوں کے علاوہ اپنے اسلام کی سلامتی کی بھی فلکر ہوتی ہے اوروں کی ہم نہیں کہتے ہمارا اسلام کچھ ایسا واقع ہوا ہے کہ زمینداروں کی حمایت زرداروں کی کاسہ لیسی گھی میں موبل آئل اورہلدی میں اینٹیں ملانے جھوٹ بولنےکم ہے نےوغیرہ سے اسی کوئی گزنزنہیں پہنچتا ہاں مشین کا کٹاہواگوشت اس کے لئے سخت مضر ہے خود ہمارے شہرمیں ہزاروں لوگ ایسے ہوں کہ شام کو شراب پینے بیٹھتے ہیں تواس کےساتھ فقط ذبیحہ کھاتے ہیں رشوت کا پیشہ بھی بغیر بسماللہ کئے اپنی جیب میں نہیں رکھتے اور جوئے کا داؤں بھی دعائے قنوت پڑھےبغیر نہیں لگاتے بے شک ایمان کے عزیز نہیں ہوتا اپنی سی احتیاط توکرنی ہی چاہیئے ،

اور کراچی یونیورسٹی والو۔۔۔نہ دو ہمیں ڈاکٹر کی ڈگری ہم ڈاکٹر ہو ہی گئے یہاں کے لوگوں کا ہمیں ڈاکٹر انشا کہتے ہوئے منہ سوکھتا ہےہم بھی اپنے دستخط کرتے ہوئے اپنے نام کے ساتھ ڈاکٹرلکھنا نہیں بھولتے اجمال اس تفصیل کا یہ ہے کہ ہم جس قافلہ سخت جان میں سفرکررہے ہیں اس میں کچھ ترک ہیں کچھ ایرانی قریب قریب سبھی ڈاکٹر پاکستانیوں میں فضل الباری صاحب مشرقی پاکستان کےوزیرصحت ہیں یعنی ڈاکٹر

وں کے بھی ڈاکٹرمسلہ فقط بیگم و حبیبہ ہاشمی کا تھا کہ اپوا کی انٹرنیشنل سیکریٹری ہیں اوراسلام آباد کی رہنے والی ہی یا پھر ہمارا لوگوں سے تعارف میں بڑی وقت ہقتی تھی آخر ایک مختصر سی اور سنجیدہ سی کنویکیشن میں ہم نے انھیں اعزازی ڈاکٹر کی ڈگری پیش کی اور انھوں نے ہمیں ڈاکٹریٹ کے خریطے سے نوازا انھیں اتنی دواؤں . کے نام یاد ہیں اور ان کے نسخے کہ ڈاکٹر بھی ان کے تلمند میں فخر محسوس کریں لہذا ان کی ڈاکٹری بے غل وغش چل جاتی ہے ہم میڈیکل ڈاکٹروں کے سامنے علم و ادب کے ڈاکٹر بنتے ہیں اور کوئی ادب و فلسفہ کا سوال کر بیٹھے تو میڈیکل ڈاکٹر ہونے کا عذر کرتے ہیں ایک بزرگ نے دونوں طرح کے سوالات شروع کر دیئے تو ہمیں ہومیو پیتھی میں امان ملی اور ہمیں اس کے فضائل پر تقریر کرنی پڑی ایک بار تو دانتوں کا ڈاکٹر بھی بننا پڑا اور ڈاکٹر طیب محمود کی بتائی ہوئی اصطلاحیں کام آگئیں بہرحال ہم پہلے سے بتائے دیتے ہیں کہ ہم اورڈاکٹروحبیبہ ہاشمی پاکستان لوٹیں تو ہمیں باقاعدہ ڈاکٹر کہہ کر بلایاجائے جب دوسرے ملکوں کے لوگوں نے قبول کرلیا ہے تو ہمارے پیارے ہم وطنوں کواس پر ہرگز اعتراض نہ ہونا چاہیئے ۔

ذکر چینی اور خوبان چینی کا
بوری کا اور باری کا

کراچی کے ترسے ہوئے ہم آج کل اپنی چائے کی پیالی میں چار چار چمچے چینی کے ڈال کر پیتے ہیں اور اس کے بعد پھانک الگ ہیں وہ تلخی اور ترشی جو پچھلے دنوں ہماری طبیعت میں پیدا ہوگئی تھی میٹھا کھانے سے رفتہ رفتہ زائل ہو رہی ہے وطن عزیز میں ہم نے کیا کیا کھیکھڑیں نہیں اٹھائی گڑ پیا ، نمک پیا،خون جگر پیا، اس شہد کی بوتل تک ختم کردی جسے کبھی کبھی اپنی غزالوں کے دیوان پر لگا کر چاٹا کرتے تھے کہ اس کا اور تو کوئی مصرف نہیں ابھی کچھ روز پہلے تک بازار میں ایسا شہد بخوبی مل جاتا تھا جس میں چینی کے ڈلے تیر رہے ہوتے تھے اب دکاندار کے پاس جائیے تو کہتا ہے حضور اسے اب بھول جائیے خالص لینا ہے تو لے لیجئے سودہ ہمارے کس کام کا ہمارے ایک کالم میں شربت بزدری اور شربت دینار کا ذکر پڑھ کر ہمارے یمدرد حکیم محمد سعید دہلوی نے ہمیں ان کی ایک ایک بوتل بھجوا دی تھی اور ایک ڈبیہ خمیرہ عنبری جواہر والا کی انھیں ہم نے ایک طرف ڈال رکھا تھا ان دنوں یہ بھی خوب کام آئیں چائے میں ایک ایک چمچہ ان شربتوں کا ڈالئے اور جی کڑا کر پی جائیے لوگوں نے تو اب کے شکر نہ ہونے سے شب برات تک نہیں منائی لیکن ہماری شب برات دھوم دھام سے ہوئی گھر میں سب نے ایک ایک چمچہ خمیرہ عنبری جواہر والا نوش کیا اور الحمد پڑھی ۔

کیتھے ہوٹل سنگا پور۔۔۔جس میں ہم فروکش میں یہا ں ح کے ممتاز ہوٹلوں میں سے ہے نیچے اس کے کیتھے سینما ہے اور سویمنگ پول اور نہ جانے کیا کیا رومانی جوڑوں کے پرے کے پرے ان گلیاروں میں گھومتے ہیں اگر کوئی تنہا چلتا ہے تو یہ اس کا قصور ہے شاعر تو دراز دستی کو تہ آستیناں کو روتا ہے یہاں لباس پر بے لباسی رشک کرتی ہے کیوں کہ اشارہ اور استعادہ ہمیشہ تشریح سے زیادہ بلیغ ہوتا ہے یہ چینی اکثری کا شہر ہے لہذا خوبان بھی یہا ں کے چینی ہی ہیں اوپر کے لباس کی بالائی حد روز بروز نیچے کو کھسکتی ہوئی اور نیچے کا لباس روز بروز سکڑتا اوپر چڑھتا ہوا ۔اس ندی کے دونوں کنارے جب بالکل ہی مل جائیں گے تو دیکھیے اس میں کتنے سفینے ڈوبتے ہیں ایک سے ایک دشمن ایمان و آگہی۔پلا مار کے دیوا بجھاتا ہوا لیکن آزاد

آنکھیں ہماری باقی ان کا ۔

اس دل کو نہ لوگو بھٹکاؤ

یہ دل کسی کے بندھن میں

ہوٹل کی لابی میں ایک بڑے میاں تھوڑا لنگڑاتے چھڑی ٹیکتے کسی نہ کسی کو گھیر کر کھڑے ہو جاتے ہیں ہمیں کسی نے بتایا کہ یہ کراچی میں جج رہ چکے ہیں تو ہم نے بھی ان سے کلام کیا بہت خوش ہوئے عمر اپنی ۷۳ سال بتائی اورنام مسٹر ڈیوس کراچی میں یہ کلکٹر تھے کوئی آدھی صدی پہے ۱۹۲۳ میں ہم سے سندھی بولے لگے ہمیں انھوں نے ہدایت کی ان کا پیغمام دنیا کو پہچادوں کامن ویتھ کا ایک وزیر اعظم ضررو ہونا چا ہتے جس روز تمام جھگرا ختم ہم نے پیغمام ہنچادیا اب اس کا مطلب کیا ہے آپ جاینں یا مسٹر ڈیوس جا ینں کیتھے ہوٹل ہی میں رستے مہں کا رڈ لکھ کر پوچھ لیجے

فضل الباری صاحب مشرقی پاکستان کے وزیر صحت کہ ہمارے ساتھی اور ہم سفر میں بہت نیک آد می میں ایسے کہ چا ے تک نہیں پیتے زیادہ تر اپنے میں کھوئے رہتے ہیں پاجامہ اور شیروانی پہن کر نکلتے ہیں تو سبھی کی آنکھیں ان ہی پر ہوتی ہیں کبھی روپے کا حساب نہ کر سکے آج سنگا پور سے روانگی ہے لیکن سنگا پور کا ڈالر آج تک ان کی سمجھ می نہیں آیا ہم نے کئی بار بتایا کہ ایکی امریکن ڈالر میں تین سنگا پوری ڈالر ہوتے ہیں لیکن وہ ہر بار سنگاپور کے ڈالر کو امریکہ کے ڈالر میں بدلتے ہیں اور پھر اسے روپوں میں نوٹ نکال کر دکھاتے ہیں کہ دیکھو تو کتنے کا ہے ایک روز تو قلی کو سوڈا لر کا نوٹ ٹپ دے دے چلے تھے ایک ڈالر کا سمجھ کر ہم نے بروقت روک لیا فرماتے ہیں کہ یہ تو ڈالر ہیں وطن میں روپے کبھی نہیں گن سکا ہم نے ایک بار گن دیئے تو بولے تم تو بہت لائق آدمی ہو بڑا حساب جانتے ہو انھیں کیا معلوم کہ ہم بھی اپنے روپے دوسروں سے گنواتے ہیں اس لحاظ سے فضل الباری صاحب کو اپنے صوبے کا وزیر خزانہ ہونا چاہیئے کیا عجب ہو ہی جائیں ۔

حلم اور خاکساری کے ایسے پتلے بہت کم ہم نے دیکھیں پاکستان کا سفارتی نمائندہ ان کو لینے پہنچتا ہے وی آئی پی روم کھلواتا ہے اپنے ہاں ٹھہرانے کی پیش کش کرتا ہے لیکن یہ کبھی نہیں گئے چونکہ اپنے کمرہ کا نمبر بھول جاتے ہیں اس لئے ہمیشہ اپنا کمرہ ہمارے کمرے کے برا بر لیتے ہیں اور کہتے ہیں مجھے ساتھ لے کر باہر نکلنا بھولنا ہمارا بھی مشہور ہے ایک روز وزن پر ہے صحرا کی خاک مجنوں سے چھنوایئے اور پھر مصفی لیجئے کہ کون زیادہ اچھی اور باریک چھانتا ہے کراچی کی سڑکیں جو روز مرمت کی محتاج رہتی ہیں اس میں ہماری ترکتاری کو بہت دخل ہے جتنی جلدی ہمی جوتا بدلنا پڑتا ہے اتنی جلدی تو صاحب فہم سیاست دان پارٹی بھی نہ بدلتے ہوں گے القصہ شائستہ اور آرام طلب لوگوں کے ساتھ ہمارا گزارا نہیں یہاں ہم نے اپنے ہمراہیوں سے کہا یار چلو تمہیں پاسالم میں گھما لائیں سنگا پور کی شبینہ گزری دکھا لائیں لیکن کوئی بروئے کار نہ آیا سنگا پور میں انگریزی عام سمجھی جاتی ہیں لیکن بالعموم ناشتے کا آرڈر دیا تو کمرہ نمبر باری صاحب کا بتا دیا جب ہمارے کمرہ میں ناشتہ نہ آیا تو مینجر کو ڈانٹا اصل میں ناشتہ ہمارا باری صاحب کے کمرے میں چلا گیا تھا وہ اپنا ناشتہ کھا چکے تھے یہ دوسرا بھی بے خیالی میں چٹ کر گئے ہم نے صورت حال بتائی تو بولے میں بھی حیران تھا کہ مجھے بھوک کیوں نہیں ہے ۔

سنگا پور میں چوکیدار کا مطلب ہے سکھ اور سکھ کا مطلب ہے چوکیدار اگرچہ بہت سے بزنس بھی کرتے ہیں جس دکان یا بینک کو دیکھئے سامنے اسی نوے برس کا کوئی دقیانوسی سکھ بابا بیٹھا اونگھ رہا ہے بھویں لٹکی ہوتی ہے نہ ہاتھ میں طاقت نہ آنکھوں میں دم پاس پڑی لٹھیا بھی نہیں اٹھا سکتے لیکن شاندار داڑھی اچھی لگتی ہے سجاوٹ کے لئے بٹھا رکھے ہیں ایک دو سے ہم نے بھی بات کی اور جی خوش ہوا ملائی بھی بول لیتے ہیں اور چینی بھی لیکن پنجابی کی ملاوٹ ان میں بھی کرتے جاتے ہی ان سے راستہ مت پوچھئے پتہ غلط بتاتے ہیں کیونکہ خود انھیں بھی معلوم نہیں ہوتا ایک سے ہم نے درہیافت کیا کہ بابا جی یہ کیا دفتر ہے جس سامنے آپ سامنے بیٹھے ہیں بولے آپاں نوں تے پتہ نیں آپاں تے ایتھے نوکر ہاں تنخواہ لیندے ہاں یعنی ہماری

جانے بلا ہم تو یہاں نوکر ہیں تنخواہ لیتے ہیں ۔

ہم ٹھہرے میلوں میں گھومنے والے سیلانی و ہقانی پیدل چلنے کا ہمیں ہو کا غلط اورالٹی لہذا اپنی گاڑی کے ڈرائیور سے جب ہم نے کہا میاں ہمیں پاسالم میں چھوڑ آؤ تو اس نے ہمارے ساتھ وہی کیا جو خضر نے سکندر کے ساتھ کیا تھاایک چکر ہمیں دیا اور پھر ہمارے ہوٹل کے سامنے لاکھڑا کیا طبیعت بہت بے مزہ ہوئی میاں محفوظ یاد آئے یہی سنگاپور تھا اوریہی گلیاں ستمبر کی چاندنی میں رت جگا ہوتا ہے اب ہم ہیں اور ہماری تنہائی ہے اے غم دل کیا کریں اے وحشت دل کیا کریں آج ہم نے اپنا سوٹ اتار پھینکا قمیض پتلون میں نکل گئے یہ بازار ۔وہ بازار ۔اور جب لوگ باگ دکانیں بند کر گھروں کو سد ھارے تو ہم نے ایک سکھر بھائی کو پکڑا اورکہا سردار جی اب کدھر اس عزیز نے جانے ہمیں کیا سمجھا کہ ہماری اچھی بھلی پنجابی کے جواب میں اردو میں منہ مارنا شروع کیا کہ ادھر سے سجے کو جایئے اگاں جا کے کھبے کو بھوں جایئے جتھے لائٹاں نظر آئیں اوتھے رک جایئے اوہ چائناٹاؤن ہے دکانون ساری رات کھلی ہندی ہیں خریدا ہم نے چائنا ٹاؤن میں کچھ نہیں بس بھاؤ پوچھتے رہے ایک جگہ البتہ پھنس گئے ایک قمیض کے ایک بھلے مانس نے ساڑھے بارہ روپے لگائے ہم نے پانچ پوپے کہے وہ ہنسا ہم آگے چل دیئے لیکن اسے ہماری خاطر منظور تھی تھوڑی دور پر آ کر پکڑا اورکہا لایئے چھ روپے دے دیجئے ساڑھے پانچ سہی اچھاتو پانچ ہی لایئے قمیض کی ایسی بات نہیں اس کا دامن تو زور دیا بدیر چاک ہونا ہی ہے آگے سے ہو یا پیچھے سے ہو ہاں پاؤں کے چھالے گھاتے میں رہے جنھیں ہم ابھی ابھی چھوڑ کر بیٹھے ہیں دل کے پھپھولوں کا ذکر اخبار میں کیا سارے لوگ پڑھتے ہیں ۔

تری گٹھڑی کولا گا چور رے

ہم نے ہوٹل والوں سے حضرت مجذوب مرحوم کی زبان میں بہت کہا ۔

ہم خاک نشینوں کو نہ مسند پہ بٹھاؤ

لیکن ان لوگوں نے کیا تو اتنا کہ ہمارا کمرہ تیسویں منزل سے اتار کر انیسویں منزل کا کر دیا اس سے نیچے ہمیں جگہ دینا ہماری شان سے فروتر سمجھا اس کے علاوہ جگہ بھی نہ تھی ہانگ کانگ میں یہ نورسٹ سیزن ہے آدمی پہ آدمی چڑھا ہوا ہے جاننے والے جانتے ہیں کہ ہانگ کانگ کے دو حصے ہیں ایک تو سر زمین چین کی جنوبی نوک جسے کولون کہتے ہیں خریداری کا مرکز یہی ہے دوسرا وکٹوریہ کا جزیرہ جس تک پہنچنے کے لئے فیری (بیڑی) سے سمندر عبور کرنا پڑتا ہے یوں سمجھئے کہ کولون کراچی کی کیماڑی ہے اور وکٹوریہ یعنی اصل ہانگ کانگ منوڑا لیکن اس مشابہت کو بس یہیں پہ ختم جانئے ہم پہلے دوبار ہانگ کانگ آ چکے ہیں لیکن کولون ہی میں ٹھہرا کئے اب کے ہمارا ہوٹل پیشگی بک تھا یہ جزیرہ ہانگ کانگ پر ہی ہے جو فیشن ایبل آبادی کا مرکز ہے بڑے بڑے بینک یہیں ہیں سرکاری دفتر بھی قریب قریب سارے ادھر ہی جانئے انگریزوں کی عظمت رفتہ کے نشانات بھی یہین ہیں وہ بلند بالا عمارتیں کہ انیسویں صدی کی انگریزی صولت کی علامتیں تھیں انگریز ہو نے کو اب بھی یہیں ہے لیکن نظر نہیں آ تا چینیوں کی مہربانی مصل مصلحت جانئے کہ طرح دیئے جا رہے ہیں ورنہ وہ جس دن چاہیں اپنی اس متاع گم گشتہ کو جو انگریزوں نے کوئی سوا برس پہلے دھوکے دھڑی اور دھونس سے ہتھیالی تھی کسی بھی وقت واپس لے سکتے ہیں ۔

ہانگ کانگ ہلٹن بلاد مشرق لے ہلٹن ہوٹلوں کا سر تاج ہے آدگی رات کا عمل ہے اورہم اس کی کھڑکی میں دور سے پہاڑی کی جگ جگ روشنیوں کو دیکھ رہے ہیں یہ نظارہ بھولنے والا نہیں گھنٹوں بیٹھے دیکھے جایئے پہاڑی کی چوٹی تک دولت والوں کے مکانوں اور بنگلوں اور بیس بیس پچیس پچیس منزلہ عمارتوں کا سلسلہ چلا گیا ہے سمندر کی کھاڑی کا ایک حصہ بھی یہاں سے نظر آتا ہے جاگنے والے نیچے لابی میں بیٹھے ہوں گے یا نائٹ کلب میں اپنے غموں کو غلط یا صحیح کر رہے ہوں جو کمروں میں ہیں وہ پڑھتے پڑھتے سو گئے ہوں گے الا اس مسوفر تنہا کے جو رفتہ اور آئندہ کی فکروں کا اسیر اور خوابوں کا مبتلا ہے ریڈیو پہ بڑا سافٹ میوزک بج رہا ہے جو ہوٹل کے بال سے آرہا ہے صبح کے جھٹ پٹے تک یونہی بجتا رہے گا نیم روشن

کمرے میں سے بھی یادوں کے غبار اٹھ رہے ہیں ۔

جانے اس کمرے میں کیا لوگ تھے ہم سے پہلے

اس کمرے میں ہم کیسے رہتے ہیں اور کتنے پیسے ہیں یعنی جاتے وقت دے کر اپنا سامان اٹھا پائیں گے اسے جانے دیجئے اتنا جان لیجئے کہ ہمارے ملک میں اچھے خاصے ملازمین کی ماہوار تنخواہ یہاں کے روزانہ خرچ سے کم ہے کل ہم نے بیرے کو بلا کر کہا میاں ہمارا کوٹ ذرا استری کرادو بولا ضرور ضرور ہم نے کہا ہدیہ اس کام کا کیا ہوگا معلوم ہوا گیارہ روپے ہم نے کہا ہم سوٹ خریسنا نہیں چاہتے نہ ڈرائی کلین مقصود ہے فقط استری کرنے کا کہہ رہے ہیں بولا جی ہاں استری ہی کی بات ہے ویسے ڈرائی کلین تو بہتر ہے ساڑھے بیس روپے میں ہوجائے گا ہم نے کہا آج دیر ہوگئی کل دیں گے اس کے جاتے ہی ہم نے اسے تہہ کر کے تکئے کے نیچے رکھا نرخنامہ دیکھا تو معلوم ہوا کہ ٹائی ڈرائی کلین کرانے کے بھی ساڑھے چار روپے ہوتے ہیں ہاں اس پر استری آپ فقط سوا روپے میں کراسکتے ہیں قمیض بھی ہم ہر دوسرے روز رھو کر ڈال دیتے ہیں اور صبح بیرے آمد سے پہے اٹھالیتے ہیں کیونکہ قمیص دھلائی تین روپے ہے ریشمی کی قمیض کی پونے چار روپے بنیان ڈیڑھ روپے میں مدھتا ہے اور موزہ بھی فقط رومال کے معاملے میں رعایت کی جاتی ہے بس بارہ آنے اگر ہمیں یہاں کچھ دھلوانا پڑا تو شاید ایک آدھ رومال دھلوالیں اپنی اپنی استطاعت کی بات ہے انڈے ہم نے ڈھاکہ میں کھا لئے اب پاکستان واپسی کے بعد پھر سہی کیونکہ ناشتے میں لیں تو وہ ساڑھے بارہ روپے کا ہوجاتا ہے ہم کانٹی نسٹل بریکفاسٹ لے لیتے ہیں ایک بند قسم کی چیز تھوڑا سا مکھن اور چائے ساڑھے سات روپے کہیں بیرے نیسلام کر دیا تو ٹپ ملا کر آٹھ روپے قرض کی پیتے ہیں مے لیکن سمجھتے ہیں کہ ہاں ---- ہم نے یہ مانا رہیں ہلٹن میں پر کھائیں گے کیا واضح کہ یہ رونا اپنی بے زری کا ہے ہوٹل کے گراں ہونے کا نہیں کیونکہ اپنے ہاں انٹر کانٹی نٹل کا بھی یہی حال ہے جس کو ہو دین و دل عزیز اس کی گلی میں جائے کیوں فضل الباری صاحب جو اپنے پیسے ہم سے گنواتے ہیں

اور ہانگ کانگ کی کرنسی سے ابھی تک سمجھوتہ نہیں کر سکے وزیر خزانہ ہوں نہ ہوں کامرس منسٹر بہت عمدہ ہو سکتے ہیں ان کے جوہر آج کھلے ویسے تو وہ کوئی چیز خریدنے کے قائل نہیں اور ہم ان کی حب الوطنی کو قابل تقلید جانتے ہیں کیونکہ وہ کہتے ہیں کوئی چیز مت خریدو پاکستان میں مہنگی سستی مل جاتی ہے کیوں اپنا زرمبادلہ گنواتے ہو ملک کو اس کی ضرورت ہے لیکن آج ہم انھیں بازار کھینچ لے ہی گئے فرمانے لگے چیزیں پسند تم کرو بھاؤ تاؤ ہم پر چھوڑ دو جانے کونسی چیز تھی دکاندار نے اس کے نوے ڈالر مانگے ہم نے باری صاحب سے اردو میں کہا کہ پچاس سے شروع کرنا چاہیئے لیکن انھوں نے چالیس ڈالر دام لگائے دکاندار نے بہت زور مارا کہ یہ ساٹھ کر دیں پچاس کر دیں پینتالیس کر دیں اکتالیس کر دیں لیکن باری صاحب نے کہا چالیس سے ایک دھیلہ زیادہ نہیں آخر اس نے ہتھیار ڈال دیئے تو باری صاحب نے کہا ایسے بد معاملہ لوگوں سے چیز خریدنی ہی نہیں چاہیئے اور ہمارا ہاتھ پکڑ کر باہر نکل گئے ۔

سنگا پور کے بازاروں سے ہم واقف تھے وہاں چیزیں اچھی خاصی مل جاتی ہیں بلکہ کپڑا زیادہ اچھا وہیں ملتا ہے لیکن باری صاحب نے کہا ہانگ کانگ سے لینا ہانگ کانگ میں قیمتوں کا تعین اپنے ذمے لے لیا تو ہمارے کچھ خریدنے کا سوال ہی نہ رہا ایک روز ضرور جب وہ آرام کر رہے تھے ہم چوری چھپے بازار سے چند چیزیں مول لے آئے اور نہ ان کا تو کہنا ہے کہ ٹوکیو میں دیکھیں گے بلکہ ڈھاکہ آنا وہاں یہ ساری چیزیں مل جاتی ہیں معلوم ہوتا ہے ہم ہانگ کانگ سے اسی شان سے جائیں گے جس سکندر سے گیا تھا یعنی خالی ہاتھ۔

ساگاپور کی طرح یہاں بھی سکھوں کو لال وردی پہنا کر ہوٹلوں کے سامنے کھڑا کر دیا جاتا ہے بہت شاندار معلوم ہوتے ہیں مسافروں کے لئے دروازے کھولنا ٹیکسی بلانا وغیرہ انہی کا کام ہے سنگا پور کے پراتم اورازکار رفتہ بڈھوں کے مقابلے میں یہاں کے سکھ دربان جوان اوردرشنی لوگ ہیں اور صاف نظر آتا ہے کہ اپنی لال وردی میں بہت خوش ہیں دوسرے ہندوستانی بھی ہیں اور راہ چلتے چنس ساڑھی پوش خواتین ضرور نظر آجاتی ہیں آج کو ئنز روڈ کے چوک پر ایک پاکستانی جوان بھی ملے انھوں نے باری صاحب کو شیروانی پاجامے اور جناح

کیپ میں دیکھ کر خود ہی سلام کیا ہم لوگ ان سے بات کرنے کو رک گئے ہم نے کہا یہاں کب سے ہو معلوم ہوا چار سال سے کام کیا کرتے ہو فرمایا وہ سامنے کی نائٹ کلب میں نوکر ہوں ہم نے دیکھا کہ ان کے کالے کوٹ کے اوپر پیتل کے حروف میں کلب کا نام بھی لکھا تھا اس سے آگے ہم نے نہیں پوچھا انھوں نے خود ہی بتایا کہ کراچی کا ہوں بوہری خاندان سے تعلق ہے فلاں خانواہ سے قریبی عزیز داری ہے یعنی میرے کزن ہیں اب اس میں خانوادے کا نام کیا لیا جائے پاکستان کے بیس سب سے اونچے قسمت والے خاندانوں میں اس کا شمار خاصے اونچے درجے پر ہوتا ہے کپڑے کی ملیں ہیں سیمنٹ کے کارخانے ہیں دولت کے انبار ہیں لیکن یہ صاحبزادے اپنے موجودہ حال میں بہت خوش تھے جانے نائٹ کلب میں انھیں تنخواہ کے علاوہ کیا ملتا ہوگا ہمارے پرانے رئیس زادے اور نواب زادے بھی تو کوٹھوں پر پڑے رہا کرتے تھے خیر میاں آزاد تو ان لذتوں کو کیا جانے ہائے کم بخت تو نے پی ہی نہیں لیکن سچ یہ ہے کہ ان صاحب کو اس حال میں دیکھ کے افسوس ہوا کیونکہ نام لیوا تو پاکستان کے ہیں ۔

ہانگ کانگ کے سوٹ بنانے والے

ہانگ کانگ میں چوبیس گھنٹے میں سوٹ بنا کر دینے والے درزی سینکڑوں کی تعداد میں ہوں گے ہر جگہ انھوں نے گما شتے چھوڑر رکھے ہیں جو لوگو ں کو گھیر کر لاتے ہیں ہوٹلوں سے ائرپورٹ سے اسٹیشن سے کسی کو بہت ہی جلدی ہو تو ایسا بھی کرتے ہیں کہ صبح آٹھ بجے آڑدر لیا گیا رہ بجے پہلی ٹرائی لی تین بجے دوسری اور پانچ بجے پورا سوٹ تیار ہانگ کانگ کے لوگوں کا کہنا ہے کہ یہا ں دو چیزوں سے مفر نہیں ایک موت سے دوسرے درزی سے ہانگ کانگ آنے والا ایک نہ ایک درزی کی قینچی تلے آتا ہی ہے جن کی قوت آزادی کمزور اور مال حالت مضبوط ہو وہ تو دس دس سوٹ بنواتے ہیں ہم بھی پہلی بار ہانگ کانگ

گئے تو ہمیں دوسوٹ بنا کر دوسرے دن دے دیئے گئے بلکہ اندر کڑھا ہوا تھا ،،

specilly made for mr. abne ansha

دوسری بار گئے تو ایک اور سوٹ بنوایا جن سے ہم نے بنوائے یہ توخیر پنجاب کے ہیں دکان بھی ان کی پنجاب ہاؤس کہلاتی ہے اب کے ہمیں سوٹ نہیں بنوانا تھا یو نہی ملنے گئے تھے فضل الباری صاحب ہمارے ساتھ تھے اس سے ہم نے کہا آپ چاہیں توبنوالیں انھیں کپڑا پسند آیا لیکن دام پسند نہ آئے یہ کہہ کرچھوڑ دیا کہ اس سے اچھا اورسستا کپڑا توڈھاکے میں ملتا ہے ہم بھی جلدی میں تھے ہاں میں ہاں ملائی کہ بے شک ملتا ہے باری صاحب کے سے طبع آدمی ہم نے بہت کم دیکھے ہیں لیکن خریداری اور پیسے کا معاملہ اور ہے اس سے سادگی اور شرافت کا کیا تعلق پھر ہانگ کانگ سے آنے سے پہلے یہ تہیہ کر کے آئے تھے کہ کسی کے دام میں نہ آئیں گے بھاؤ تاؤ ضرور کریں گے کوئی دس مانگے تو دو بتائیں گے خریداری کی حد تک تو یہ ٹھیک ہے لیکن ہانگ کانگ میں تو انھوں نے کسی بھی چیز پر اعتبار کرنامناسب نہ سمجھا حتیٰ کہ اپنی آنکھوں پر بھی نہیں ہلٹن ہوٹل میں یہ لفٹ پر چھوٹے چھو ٹے چینی لڑکے کام کرتے ہیں گول مٹول سے اور اس میں شک نہیں کہ چینیوں کی عمر کے بارے میں ہم بھی زخم خوردہ ہیں چین کے سفر میں ایک صاحبہ کا سن بیس بائیس کا سمجھ کر اس سے اخلاق برتنا شروع کیا تھا پتہ چلا کہ اڑتالیس برس کی ہیں انچا سواں لگنےکو ہے لفٹ میں چڑھتے ہی باری باری صاحب ہم سے پوچھتے کہ معلوم یہ لڑکا کس عمر کا ہوگا ہم نے کہا تیرہ چودہ سال کا لگتاہے ممکن ہے اٹھارہ بیس کا ہو چوبیس پچیس سال سے زیادہ کا تو ہو ہی نہیں سکتا ہنسے بولے کم ازکم چالیس سال کا ہے

آ خر ایک روز ہم نے اس سے پوچھ ہی لیا برخودار کتنے برس کے ہوگے کہنے لگا جی تیرا برس کا ہوں دوسرے لڑکے کی عمر انھوں نے سینتیس اڑتیس تشخیص کی تھی ہم نے کہا دیکھئے اتنا فرق نہیں ہوتا یہ تو بالکل ہی بچہ سا ہے فرمایا بس انہی باتوں سے تو لوگ دھوکا کھاتے ہیں آخر باری صاحب کے سامنے اس کی عمر بھی

ہم نے پوچھ لی وہ گیارہ برس کا تھا ویسے یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ چینی عمر چور ہیں جو شخص تیس سال کا نظر آتا ہے وہ یا تو ساٹھ سال کا ہوگا یا پھر دس برس کا ۔

ہانگ کانگ میں لوگ دودن کو آتے ہیں کولون میں ٹھہرتے ہیں اور خریداری کر کے چلے جاتے ہیں ایک زمانے میں حکیم لوگ اشتہار دیا کرتے تھے باتصور ایک طرف ایک سوکھے مارا آدمی جس کے نیچے رقم ہے دو استعمال کرنے سے پہلے دوسری طرف ایک کسرتی اور ورزشی پہلوان دوا استعمال کرنے کے بعد ہانگ کانگ میں قدم رکھنے والے مسافر کا بھی یہی احوال ہوتا ہے کہ آتا ہے تو ایک پچکا ہواسوٹ کیس اٹھائے جاتے ہوئے شان دیکھئے کہ دو دو سوٹ کیس پھولے ہوئے اس ہاتھ میں ڈبے دوسرے میں تھیلے گلے میں کیمرہ حمائل ہے اور ایک انگلی میں ٹرا نزسٹر اٹھائے ہیں پہلے دو سفروں میں ہم خود اسی ہیت میں آئے اور گئے تھے کولون میں نا تھان روڈ کے پھیرے لے کئے ایک دو سفر فیری کے اور جزیرہ ہانگ کانگ کے بڑے اسٹوروں پر نظرے خوش گزرے اب کے ہانگ کانگ میں قیام تھا اور مقصد خریداری نہیں کام تھا لہذا مقدور بھر ہانگ کانگ کا شہر بھی دیکھا اور کولون بھی اور اس کے پیچھے جو علاقے نئے علاقجات کہلاتے ہیں ان کا ایک چکر بھی کاٹا اور ہانگ کانگ اور چین کی سرحد بھی دیکھ آئے کولون کے پیچھے کے ان علاقوں میں گاؤں بھی ہیں قصبے بھی فصلیں بھی ۔کھیت بھی ہانگ کانگ اور کولون تو خیر انگریزوں کے باقاعدہ مقبوضے ہیں انھیں وہ باداکا مال سمجھتے ہیں نئے علاقجات ننانوے برس کے پٹے پر لئے گئے تھے جس کی میعار ۱۹۹۷ء میں ختم ہوئی اچھا خاصا علاقہ ہے ساڑھے تین سو مربع میل سے زیادہ (ہانگ کانگ کا جزیرہ اور کولون دونوں مل کل ۳۳ مربع میل بنتے ہیں) راستے میں مشہور ریستوران ڈریگن ان میں لنچ بھی کیا وہاں بیٹھے آپ خیال بھی نہیں کر سکتے کہ یہ پر فضا جگہ ہانگ کانگ کے تجارتی مرکز کا حصہ ہے جو محض سمینٹ کی عمارتوں کا جنگل ہے اور جس میں بیس بیس پچیس پچیس منزل کی عمارتوں کے سوا کچھ نہیں پھر ایک روز ایبر ڈین کا قصبہ بھی دیکھا جس میں زیدہ آبادی ماہی گیروں کی ہے اچھا خاصا بازار بھی ہے اور کم آمدنی لوگوں کے لئے فلیٹوں کی بلند

و ب لا عمارتیں یہا ں کے دو ریستوران مشہور ہیں جو بیچ دریا کےکھڑے ہیں یعنیٰ اصل میں کشتیاں ہیں لوگ دور دور سے ان میں کھانا کھانے آتے ہیں پھر وکٹوریا چوٹی کو بھی ہم نے سر کیا بالکل مری کا سانقشہ ہے پہاڑ کوگردشوں میں کاٹتی ہوئی سڑک اس ڈھلوان پر ایک کیبل ٹرین بھی چڑھتی ہے اپنے انجن کےزور پر نہیں بلکہ ایک کیبل کے سہارے کچے دھاگے سے بندھی آتی ہے سرکار مری ۔

ہم چڑھے تو کار سے لیکن اترے اس سے وکٹوریا کی چوٹی سے شہر کا منظر دیکھنے کا ہے افسوس کہ پرتگالی کالونی میکاؤ میں اب کے بھی ہماراجانا نہ ہو سکا ہم کتنے دن یہاں قیام کریں ضرورت سے ہمیشہ ایک دن کم رہتا ہے اوروہ دن وہی ہوتا ہے جس میں ہمارا میکاؤ جانے کاارادہ ہوتا ہے خیر میکاؤ زندہ صحبت باقی پچھلی بار تو یوں بھی یہاں فساد اور ہنگامے ہورہے تھے ہمارے خیر اندیشوں نے ہمیں روک لیا تھا۔

دنیا کا کون سا کونا ہے جس میں یہ ہپی خانہ خراب نہیں پہنچے یہا ں ہلٹن کی کافی بار میں بھی بیٹھے ہیں ایک صاحب نے مونچھیں بڑھائی ہیں جو لٹکتی ہوئی ان کی چھاتی پر آ رہی ہیں دوسرے نے چہار ابرد کا صفایا کرا رکھا ہےاور جٹا دھاری بنے ہیں سائنس نے اتنی ترقی کی ہے کہ پیٹ کےاندر بچے کی جنس معلوم کر لی جاتی ہے اور انڈے کےاندر کے چوزے پر حکم لگا دیا جاتا ہے کہ اولاد نرینہ ہے یا مرغی کی نور چشمی ہے ہم کہ سائنس سے بہرہ ہیں ہپیوں کو دیکھ کر حیران ہوجاتے ہیں کہ مس کہیں یا مسٹر کہہ کر بلائیں دوسرے ہم پکچر کارڈ اور تحفے بیچنے والوں کے ہاتھوں زچ ہیں اہرام مصر پرجایئے تو یک لخت ایک شخص کارڈ لئے نمو دار ہوتا ہے جیسے تابوت کا ڈھکن اٹھا کر نکل آیا ہو دمشق میں غازی صلاح الدین ایوبی کےمزار کےمجاور نے فاتحہ میں ہمارا ساتھ دیا اور ہمارے ہاتھ کارڈ بیچے ہانگ کانگ اورچین کی سرحد پر بھی اس کے کارڈ موجود بلکہ ہانگ کانگ کے بعد ایک کنفیوشس نما بڈھا بھی گیان دھیان میں بیٹھا تھا ہم نے اس کی تصویر لینی چاہی تو بھاگا بھاگا آیا کہ پہلے پیسے دو تب تصویر اتار نے دوں گا اورسرمایہ کارڈ بھی ہیں ٹوڈ الر ففٹی ایچ دیری گڈ دیری گڈ ۔

چڑھتے سورج کی دھرتی سے ایک خط

ہجوم جاکر گم ہوجانا ہماری ہمیشہ سےکمزوری یا عشرت رہی ہے،اور یہ ٹوکیو کا شہر کا شہرتو کہنے کا شہر ھے ایک کروڑدس لاکھ کی آبادی ،اقوام متحدہ کےاراکین میں بھی ایسے ایسے ملک ہیں کہ ٹوکیو شہر کی آبادی میں سے کم ازکم بیس پچیس بن سکتے ہیں،اور انورا جیسے ملکوں کو لیجیئے توسو بنالیجئے،عماتوں کے لحاظ سے یہ شہر سراسر مغربی ھے۔ہم بچپن میں پڑھا کرتے تھے کہ ٹوکیو میں مکان لکڑی کے بنائے جاتے ہیں ۔تاکہ زلزلے میں گرنا جائے بھلا لکڑی ایسے ملکوں کی ترقی کہاں تک ساتھ دے سکتی ھے۔جو دنیا بھر کو پیچھے چھوڑے جا رھے ہوں ۔ صنعتوں کی ترقی میں اور بابر بہ عیش کوش میں بھی۔ہمارے یہاں یہ تصور ھے کہ یہاں گناہ کرو گےتو دوسری دنیا میں ڈنڈے کھاؤ گے، اللہ میاں کان پکڑوائیں گے۔لیکن جن لوگو ں کے مذہب اور روایات میں اس قسم کی عقوبت زکر نہ ہو۔بلکہ حیات بعد ممات کا تصو رنہ ہو وہ کیوں ھاتھ روکیں،دولت انسان کو کچھ زیادہ ہی بے باک بنادیتی ہے ۔اورجاپا ن میں تو امریکیو ں نے ایسے آداب سکھائے ہیں کہ معا شرے کا ڈھا نچہ ہی بدل گیا ھے پچھلی بار کے سفر میں ہم نے جاپان کے ایک بڑے آدمی سے شکایت کی تھی کہ دیکھے جاپامی خواتین کیم عفت پر کھلم کھلا ڈاکے پڑرہے ہیں۔آپ کا مشرقی ا ورقومی وقارکیا کہتا ہے اس باب میں۔ہم یہ بات اس لئے کہہ دی تھی کہ جاپان دیکھ کر آئے تھے،جہاں کوئی غہر ملکی کسی جاپانی لڑکی کو میلی نظر سے نہیں دیکھ سکتا

۔اس کے لئے اسے سنگا پور جانا پڑتا تھا ۔وہ جاپانی بزرگ مسکرائے اور بولے ،میاں کن چکروں میں پڑے ہو ،پیسہ سب چیز ہے ،ڈالر آتے ہیں آنے دو اور یوں تمھارے سمجھانے سے یہ گنگا الٹی تو بہنے سے رہی ۔آگے ہی کو بہہ گی ۔تم بھی چاہو تو اس میں نہاؤ۔ تھائی لینڈ کا احوال بھی ہی تھا

ے سنگا پور اورہانگ کانگ کا بھی ، لوگ کہتے ہیں کہ بمپپائی یوں ہی تباہ ہوا تھا۔روم پر اس لئے آفت
ے آفت تھی۔خیر اس زمانے میں قدرت کچھ زیادہ سخت گیر ہوگی ۔ہمارا زکر کرنے کا مطلب بھی قدرت
کو اس طرف توجہ دلانا نہیں ہے ،ہم قدرت کے پھڈے میں ٹانگ اڑانے والے کون ، بس زکر کر دیا
ہے ،پرانی چال کے آدمی ہیں نا۔ رہا نہیں جاتا،ایک بات ہم اس لئے کہ دیتے ہیں ،جاپان بڑا اور ترقی
یا فتہ ملک تو بن گیا ہے لیکن جلد ہی دوبارہ خطرناک ملک بھی ہے۔ ہم نے دیکھا ہے کہ جس ملک کے
پاس زیادہ دولت ہوجائے اسے وہ ہضم نہیں ہوتی اورادھرادھر نظر ڈالنے اور ہاتھ پھیلانے لگتا ہے
جاپان نے دوسری جنگ میں شکست کھا کر بیس بائیس برس تو گزا ر لئے اور چونکہ دفاع کا ٹنٹا نہیں
تھا۔سارا انتظا م خدائی فو جداروں امریکہ والوں اپنے سر لے لیا تھا ۔لہذا یہ اپنی اقتصادی اورصنعتی ترقی میں
لگے رہے لیکن اب جاپانیوں کی نئ نسل پرانے مقبوضات کے بارے میں پھر پہلے کی طرح سوچنے لگی ہے
دوسری جنگ کے جاپانی ہیرو کہ اب تک مردود تھے اب پھر محبوب ہوئے جارہے ہیں منچوریا پر حملہ جائز
نظر آنے لگا مشرق بعید منڈی کی طرف نظریں اٹھنے لگیں ایٹم کی ترقی اور پھر ایٹم بم اور دوسرے بموں
کی ترقی کی نوبت آرہی ہے بحریہ اور فضائیہ تو یہ لوگ دو تین دن میں ایسی بنا لیں گے کہ بڑی طاقتوں
کی ٹکر کی ہوگی بیشک اس وقت او کی نادا کے جزیرے میں کہ امریکہ کا اڈہ ہے ایک سو شلسٹ کی فتح ہوئی
لیکن آنے والا جاپان امریکہ اسے ششکارتا رہے گا اور اسے چین اور روس کے مقابلے میں کھڑا کر دے گا اور
پھر یہی لوگ سونی اور سانیو بنانے والے فقط ٹرانزسٹر ریڈیو ہی نہیں بنائیں گے توپیں ،بندوقیں ،بھی ڈھالیں گے
ساری بات نظام کی ہے مغربی جرمنی میں پھر نازیت کااحیار ہو رہا ہے حالانکہ جرمنوں کی شائستگی اورعلم اور
فلسفے سے شغف مشہور ہے امریکہ ہی کو لیجئے دنیا کا سب سے زیادہ امیر اور ترقی یافتہ ملک اور آزادی کی
روایات کا امین لیکن جب وہ جنگی مشین کا پورزہ بن جائے اور اس پر وحشت سوار ہو جائے تو۔۔۔۔۔۔
کتابوں میں اہل مشرق کی حیا اور عفت کا ذکر اکثر آتا ہے لیکن سچ جانئے تو اس برصغیر سے مشرق کی طرف

جائیے مغرب کی طرف فاصلے کے ساتھ ساتھ ان چیزوں کا تصور معدوم ہوتا جاتا ہے اور شراب سے ابا کرنے والےتو شاید فقط ہم پاکستانی قوم ہیں لیکن سنگا پور اور ہانگ کانگ اور ٹوکیو تو تعیش کے کارخانے ہیں ہاں مہمان کو اپنے گھر میں نہیں بار میں یا گیشا گھر میں لےجانے کارواج ہے بار میں آپ ساقی سے شراب کا سودا کیجئے یا شباب کا یہ آپ کی ہمت اور توفیق پر منحصر ہے گیشا گھر میں بے شک اچھے بھی ہیں گیشائیں کہنے کو تو امرداد جان ادائیں ہیں کہ روایتی لباس میں ہوں گے کہ محض شائستگی کا کاروبار کرتے ہوں گے آپ جاگ ڈالیں اتنا ہی معاملے کو میٹھا کر سکتے ہیں اور لطف اور صحبت کو طول اور گہرائی بخش سکتے ہیں ۔

البتہ جس گیشا گھر میں ہمارے ایک جاپانی میزبان نے ہمیں دعوت دےکر ہماری عزت افزائی گی وہ نرم وقسم کا تھا اس میں ہمارے میزبان کی بیگم بھی ساتھ تھیں لوگوں کےایمان کی سلامتی ہیں ایک بات یہ مد ہوئی کہ گیشا ئیں بیچاری ریٹائرمنٹ کی عمر کو پہنچی ہوئی تھیں اس پارٹی میں تین پاکستانی تھے اور تینوں اللہ میاں کی گائے محض کوکاکولا نویس لہذا گیشاؤں کی دساقی گردی دھری کی دھری رہ گئی اوروہ انھیں چھوڑ دوسروں کے گرد جمع ہوگئیں کھانے میں بھی کیڑے ہماری وحشت کاسامان تھے جاپانی کھانوں میں الا بلا چیزیں بہت ہوتی ہی ہیں ہم لوگوں نے تو چکن اور چٹنی پر اکتفا کی کھانے کےبعد گانا بجانا بھی لیکن سچ یہ ہے کہ کہ سماں پیدا نہ ہوا ساکورا ساکورا کا الاپ بےجان ساتھا ان کے سازوں کی تناتن سے محفوظ ہونے کے لئے بھی دکانوں کو برسوں کی ترتیب چاہیئے ایک مبتد نہ سے رقص میں اور سب لوگ شریک ہوئے پاکستانی ملا لوگ بیٹھے دیکھا کئے یکایک ہمیں کچھ خیال آیا اور ہم نے اپنےساتھی سے کہا حضرت آج کل ہمارے حساب سے رمضان شریف ہے اس مبارک مہینے کاآغاز کچھ اچھا نہیں ہوا وہ بیچارے ایسے بوکھلائے کہ کوکا کولا بھی ان کے ہاتھ سے چھوٹ گیا بولے دیکھو ہم یہاں آئے نہیں لائے گئے ہیں تاہم کسی سے اس کا ذکر نہ کرنا اللہ ہمیں معاف کرے ہم نے کہا آپ بھی کیا بات کرتے ہیں ہم کسی سے کیوں ذکر کرنے لگے قارئین کرام آپ

بھی کیا بات کرتے ہیں ہم کسی سے کیوں ذکر کرنے لگے قائین کرام آپ سے تو کیا پردہ کسی اور سے نہ کہیئے گا۔

جاپان میں چار دن

کچّو کانکو ہوٹل ۔۔جیسا عجیب نام ویسا عجیب ہوٹل خاصا عمر رسید ہ معلوم ہوتا ہے ہمارے جدا مجد جنت سے نکالے گئے تھے تو ایک دو روز تو ضرور یہیں قیام فرما رہے ہوں گے کیا عجب اسی کمرے ۴۱۱ نمبر میں فروش ہوئے ہوں بچا کھچا گیہوں یہا ں بھی کھایا ہوگا کیونکہ کمرہ ڈبل بیڈ ہے ممکن ہے کمرے کا رنگ اور روغن نسبتہ تازہ ہو یعنی محض حضرات نوح یا حضرت ابراہیم علیہ سلام کے زمانے کا ہو لیکن غسل خانہ اور اس کا ٹب ضرور پرانا اور انجیل ہے نل بند ہی نہیں ہوتا قطرہ قطرہ گر کر ہر آدھے گھنٹے بعد دریا ہو جاتا ہے اور پھر لوگ کہتے ہیں جاپان بڑا ماڈرن ملک ہے کیا یہ شہر ٹوکیو ہو سکتا ہے لوگ بھی کیا مضموں کی ہوا باندھتے ہیں ۔

کسی شہر میں آپ کا واسطہ جن لوگوں یا مکانوں سے پڑے آپ انہی کی روشنی میں ایک ملک کے متعلق رائے قائم کرتے ہیں پچھلی بار ہم ٹوکیو پرنس ہوٹل ٹھہر ے تھے بالکل ٹوکیوٹا ور کے زیر سایہ واقع ہے کیا کہنے دام اس کے زمانے میں تھے لیکن کچوئن نامی بھٹیار خانہ کے دام اور آرام کو دیکھتے ہیں تو خیال ہوتا ہے کہ بالکل مفت تھا ٹوکیو پرنس مین رہنے اور وہاں سے جانے کے بعد ہم نے جاپان کے متعلق ہمیشہ یہی کیا کہ ایک بار دیکھا ہے دوسری بار دیکھنے کی ہوس ہے یہا ں کے حسن کے متعلق بھی ہم نے یاروں کو یہی بتایا کہ فی مربع گز حسن جس قدر جاپان میں ملتا ہے کہیں اور نہیں ملے گا لیکن کچوئن والوں نے ایسی طبیعت منغض کی کہ کہیں ہمیں اب کہ یہ رائے بھی بدلنی پڑی جاپانی دو شیزائیں بس واجبی ہیں کوئی خاص بات نہیں پیلی پیلی رنگت سپاٹ آنکھیں ہم نے اتنی ساری دیکھیں لیکن دل دینے کا سوال پیدا ہوا تو بالکل

انکار کردیا یہاں کے سبزے اور آب وہوا کی بھی ہم نے تعریف کی تھی معلوم ہوامبالغہ کر گئے تھے بس ہرے ہرے پودے ہیں خاص بات نہیں ہے ۔

اور پھر یہ بھی دیکھئے کہ ہمآئے کہاں سے تھے ہانگ کانگ کے ہلٹن سے ہائے ان لوگوں کے انداز ایک مسافر کی بلائیں لینےکو دس دس آدمی موجود ہیں بیرے بھاگے آتے ہیں یس سر یس سر کرتے منہ سوکھتا ہے چھ چھ لفٹ ہیں ان میں وردی پوش لڑکےجا دیجا سلام کرنے والےکھڑے ہیں ایسکے لیٹر ہیں کہ اورکوئی کام نہ ہو تو چڑھتے رہو اترتے رہو سامان چڑھانے اتارنے کا الگ محکمہ ہے دروازےکھولنے والے سردار جی مفت میں دیکھئے کیا معلوم تھا کہ فلک کج رفتار ہماری تاک میں ہے اس نے ہلٹن میں ہمیں دیکھ لیا اور کہا بچو ٹوکیو چل تجھ سے سمجھتاہوں پرانی داستانوں میں گستاخ مسافر اور عاشق مشکیں کس کر اسے تہہ خانے میں ڈال دیا جاتا تھا ہم ایسے خوش قسمت نہ تھے لہذا گیچوئن میں ڈال دیئے گئے تہ خانے اور گیچوئن میں بنیادی فرق یہ ہے ہے کہ تہہ خانہ مفت ہوتا ہے اور روٹی کپڑابھی کچھ نہ کچھ ملتا ہی ہے یہاں بیش قرار ڈالتر روز سامان بھی بیروں نے عین نیم شب کے وقت اتار کر ریڈور میں لارکھا اورچمپت ہو گئے آدھ میل لمبی کا ریڈیو ہے آ خرہمی خود اٹھا کر لانا پڑا کمرے میں چپل ضرور رکھی ہے لیکن ہمارے پاؤں سے اس کو یہ نسبت ہے کہ اندر کفن کے سر ہے توباہر کفن کے پاؤں ہم اپنا پاؤں تو ان کی چپل کے سائز کا کرنے سے رہےبس انگلیوں کے بل چلتے ہیں پھونک پھونک کر قدم رکھتے ہیں ہلٹن میں شام کو بیرا بستر کا کونا ہٹا کر رکھ جاتا ہے اور ایک گول سی کاغذ کی ٹکلی پر جس پر نائٹ وغیرہ لکھا رہتا تھا ایک چاکلیٹ ٹانی بھی دھری ملتی تھی یہاں کوئی پھٹے منہ بھی کہنے نہیں آتا ہانگ کانگ ہلٹن کے روم بوائے مسافروں کا ایسا خیال رکھتے تھے کہ بعض اوقات بن بھی ایسے عالم میں جب کہ آپ کیمرے کی پرائیویٹ حالت میں ہوں چابی سے دروازہ کھول کر اندرگھس آتے تھےکہ سر آپ نے بلایاتھا ورنہ ہم نے گھنٹی کا بٹن دبایا وہ الہ دین کےجن کی رفتار سے آن موجود گیچوئن کانکو ہوٹل میں بیرے کے لئے گھنٹی ہی نہیں ہے ٹیلی فون ہے

شک ہے لیکن کون اٹھائے آپریٹر کی خوشامد کرے ایک روز ہم نے سوچ کر کہ اتنے سارے ڈالر دیتے ہیں تو جوتا تو پالش کرالیں جوتا دروازے کے باہر رکھ دیا صبح بیرا بولا حضور ایک سوین مرحمت ہوں ہم نے کہا کس بات کے بولے جوتا پالش کرنے کے مفت تھوڑا ہی ہوتا ہے اس ہوٹل میں کوئی کام مفت نہیں آپ پانی بھی مانگیں گے تو ایک سو ین لگیں گے یہ بھی واضح رہے کہ ہماری شکایت ہوٹل کی گرانی کی نہیں نہ اس مکان کے کہنہ ہونے کی ہے کیونکہ کہنہ تو ہمارا اپنا گھر بھی ہے اور گراں ہلٹن بھی تھا غصہ ہمیں اس بدمعاملگی پر ہے کہ اصل نرخ ہمارے کمرے کا ۲۲۰۰ ین یعنی ساڑھے سات یا آٹھ ڈالر ہے ہمارے کمرے میں یہی لکھا لگا ہے ٹورسٹ کتابچوں میں بھی یہی ہے کہ ایک آدمی ٹھہرے تو ڈھائی ہزار ین دے دو آدمی ہوں تو چھتیس سو لیکن ہمیں چھتیس سو دینے پڑے بلکہ سروس اور ٹیکس ملا کر چوالیس سو ہوٹل والوں نے کہا جناب یہ ہمارے سیزن کا زمانہ ہے خیر لے لو میاں لیکن ہم بھی تمہیں دینا میں منہ دکھانے کے لائق نہ چھوڑیں گے چنانچہ یہ کالم بطور زمیندار کے اداریے کے لکھ دیا ہے قصہ اس تلمیح کا یہ ہے کہ مدید زمیندار مولانا اختر علی خاں مرحوم ایک بار ولایت گئے برطانیہ کے وزیر خارجہ سے ملے اور کہا دیکھئے جناب کشمیر کے معاملے میں ہمارے ساتھ بڑی زیادتی ہورہی ہے ایسی زیادتی کو روکئے ورنہ ۔۔۔۔وزیر خارجہ کی چشم تصور میں ٹینک دوڑنے لگے اور دھائیں دھائیں توپیں چلنے لگیں سرا سیمہ ہوکر بولے ورنہ کہا۔۔۔ اختر علی خاں صاحب نے کہا ورنہ میں پاکستان جا کر زمیندار میں آپ کے خلاف اداریہ لکھوں گا ،،

ٹوکیو میں آج کل ہمارا روزانہ ہزاروں کا خرچ ہے چار چار سو چھ چھ سو تو ٹیکسی والے کو تھما دیتے ہیں اور ماتھے پر بل نہیں لاتے اس کی ایک وجہ تو ہماری طبعی اور خاندانی دریا دلی اور دادو دہش کی عادت ہے دوسری یہ کہ ین ایک ڈالر میں تین سو ساٹھ ہوتے ہیں روپے میں ستر پچھتر جان لیجئے ایک ین کا سکہ بہت دن تو ہم نے دیکھا ہی نہیں ایک روز بڑی جستجو سے ملا کتاب پڑھنے پر معلوم ہوا کہ ایک ین ایک سو سین بھی ہوتے ہیں کسی زمانے میں ہوتے ہوں گے یہ قصہ ہے جب کا کہ آتش جواں تھا اور ہمارے ہاں

بھی پیسے میں دمڑیاں اور میں کوڑیاں ہوتی تھیں اور ان کوڑیوں کا سودا بھی بازار سے مل جاتا تھا ہم نے پولینڈ کی زلوٹی دیکھی ہے اور اٹلی کا لیرا یکھا ہے افغانستان کی افغانی دیکھی ہے اور انڈونیشیا کا روپیہ بھی ایران میں ریالوں میں کھیلے ہیں یہ سب سکے دونی اکنی ادھنے وغیرہ کے برابر ہیں لیکن ین توسب کو پیچھے چھوڑ گیا یہ لوگ اپنے سارے حساب ابھی سکوں میں رکھتے ہیں اگر پاکستان میں بھی بجائے روپے کے پیسے میں رقمیں گنی جائیں تو ہم دیکھتے دیکھتے لکھ پتی بن جائیں اپنی پیاری قوم کو امیر بنانے اور دولت سے مالامال کرنے کا اس سے بہتر طریقہ ہماری سمجھ تو آتا نہیں ۔

انگریزی کے بغیر ترقی کرنے کا کیا فائدہ

حسن اتفاق کہ ہمارے دوست سید قاسم محمود بھی ٹوکیو پہنچے ہوئے تھے وہ ایک ٹریننگ کورس کے لئے مہینے ڈیڑھ مہینے سے وہاں تھے اور جس روز ہم وارد ہوئے اسی روز ان کی مصروفیات ختم ہوئی تھیں اب ہم تھے اور قاسم محمود صاحب اس بازار سے اس بازار اس ڈپارٹمنٹل اسٹور سے اس مارکیٹ تک کبھی آکا سا کا ،کبھی گنزہ کبھی شبوا کبھی ٹوکیو ٹاور ایک کروڑ دس لاکھ کی آبادی کا شہر ہے جانے کہاں تک پھیلا ہوا دکانیں منہامنہ بھری ہوئی کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجاست ہم کم مایہ سوداگر ہر چیز سے کہتے تھے کہ اس دیس میں ارزاں ہو آخر دل مسوس کر رہ جاتے تھے اور آگت بڑھ جاتے تھے فضلالباری صاحب نے ہمیں دیوالیہ ہو نے سے بچا لیا ہماری تو ہرچیز پر طبیعت آتی تھی اور ہاتھ جیب کی طرف جاتا تھا وہ روک دیتے تھے کہ یہ چیزیں سب ڈھاکے میں مل جاتی ہیں بیگم و حبیبہ ہاشمی ہم سے بہت تنگ ہیں فرماتی ہیں کہ دعوت تو میں ہوں چیزوں کی طرف لپکنا مجھے چاہیئے لیکن لپکتے آپ ہیں کبھی فہمائش کرتی ہیں کبھی ناراض ہوتی ہیں لیکن زیادہ تر بیزار اور لاچار ہو کر فرماتی ہیں اچھا بابا جو جی چاہئے کرو لیکن ہماری خریداری کیا ہے نہ ریڈیو نہ ٹیپ ریکارڈ نہ کیمرے بس طوطے چڑیاں چھوٹی چھوٹی تصویریں کھلونے اور گڑیائیں ارے بابا

یہ بھی نہ خریدیں ۔

دوپہر کے کھانے کے لئے قاسم محمود صاحب ہمیں نائر ریستوران لے گئے یہ عین گنزہ میں واقع ہے جنوبی ہند کے ایک صاحب نائر اسے چلاتے ہیں کیرالا کے رہنےوالے آدمی بہت با اخلاق اورمزے کےصلح کل ایسے کہ گائے گوشت پکاتے ہیں نہ سورہ زیادہ تر چکن ،سبزی سال چاول ،پراٹھ چپاتی وغیرہ باورچی ان کے جاپانی ہیں جنھوں نے چند لفظ ہماری زبان کے بھی سیکھ رکھے ہیں مثلا شکریہ ٹھنڈے پانی بہت اچھا وغیرہ ہم گئے تو لتا منگیشکر کا ریکارڈ لگا ہواتھا چھوٹی سی تو جگہ ہے تین چار میزیں کچھ غیر ملکی بیٹھے دال بھات کھا رہے تھے نائر صاحب نے بڑی عزت اورآور سے بٹھایا خود کھانا لا کر ہمیں دیا دام بھی بہت واجبی تھے اور ان کا کہنا یہ تھا کہ خالص گھی میں چیزیں پکی ہوئی ہیں وہ خالص گھی اورمسالے بیچتے بھی ہیں بہرحال خاصے دنوں کے بعد ویسی چیزیں کھانے کو ملی تھیں خواہ مخواہ پسند آئیں البتہ اسی شام قاسم صاحب نے جو دوسرا ہوا ہمیں دکھایا دہلی رستوران ،وہاں جاکر ہماری طبیعت بےمزہ ہوئی باہر لکھا ہے ہندوستانی اور پاکستانی رستوران لیکن اندر ہندوستان تو کچھ کچھ ہے پاکستان کچھ بھی نہیں چلانے والے اسے جاپانی ہی میں شدھ ہندی میں ایک دیوار پر لکھا ہے سونسار کے سرومانیہ بھوجن کڑھی کی وکشیش دکان ولی کیا سمجھے آپ دنیا کے مشہور والم بھوجن کڑھی کی دکان دلی ہم نے جاپانی منیجر صاحب سے کہا یہاں اردو میں بھی لکھواؤ ورنہ کوئی پاکستانی یہاں آنے سے رہا خیر ہم نے چکن تندوری کا آرڈر دیا اس شان سے آیا کہ نیچے لکڑی کی ٹرے پر آدھ انچ دل کا توا جلتا سلگتا ہوااوراس کے اوپر وہ مرغ نان کے نام سے تلا ہوا نان پاؤ چھری کانٹے کی جگہ کو رکھوں والی کھکریاں خوب معجون مرکب ہوٹل اورمعجون مرکب کھانے ہیں بل آیاتو ہم نے سانس کھینچ لی اے صاحبو ٹوکیو میں سب جگہ جانا دلی ریستوران میں جانا من نہ کر دم شما حذر بکند۔

بارے باری صاحب کا کچھ بیان ہوجائے ابھی ہم جاپان پہنچے بھی نہ تھے ہانگ کانگ سے آنے والے جہاز ہی میں تھے کہ انھوں نے جاپانی زبان سیکھنی شروع کر دی ایئر ہوسٹس کو بلا کر کہامس یہاں آؤ میں جاپانی

زبان سیکھنا چاہتا ہوں ان کا ارادہ تو یہ تھا کہ ٹوکیو جہاز اتر تے ہی جاپانی زبان پر پوری طرح حاوی ہو جائیں اور بے تکلفی اور روانی سے گفتگو کرنے لگیں لیکن ہم نے کہا ہر چہ گیرید اس بیشاری کو ہمیں چائے وغیرہ بھی بنا کر دینی ہے آ خر یہ طے ہوا کہ فی الحال شکریہ کا جاپانی مترادف سیکھیں گے باقی فاضلانہ مہارت ٹوکیو میں چل کر حاصل کریں گے مس ایئر ہوسٹس نے بتایا آری گا تو گزائی مشتا اتنی جاپانی تو ہماری گرہ میں پہلے سے تھی باری صاحب نے اپنی سہولت کے لئے اس میں فقط آری گا تو لیا یعنی شکریہ آری گا تو گزائی مشتا یعنی بہت بہت شکریہ تک دو دن بعد پہنچے لیکن آدمی ذہین ہیں موقع ہو یا نہ ہو جاپانی میزبان کے منہ پر آری گا تو کا چھینٹا دے کر اس کا دل موہ لیتے ہیں آپس میں اردو یا انگریزی میں گفتگو ہو رہی ہے اور باری صاحب بات بات پر فرماتے ہیں آری گا تو گزائی مشتا ہم نے کہا باری صاحب چلیئے ناشتہ کریں بولے چلتا ہوں آری گا تو گزائی مشتا اپنے کمرے سے فون کیا باری صاحب اٹھ جایئے نو بجے فلاں جگہ پہنچنا ہے جواب ملتا ہے اچھا اچھا اٹھتا ہو ں آری گا تو گزائی مشتا ۔

اس ہوٹل گیجوئن کانکو میں ہمارا کمرہ نمبر ۲۱۱ باری صاحب نمبر ۲۱۰ میں لیکن کاونٹر پر آ کر چابی ہمیشہ کمرہ ۱۹۶۵ء کی مانگتے ہیں اصل میں یہ ہانگ کانگ کے ہلٹن ہوٹل میں ان کے کمرے کا نمبر تھا وہاں بھی بڑی مشکل سے انھیں یاد ہوا تھا ورنہ تو آ کر کمرہ ۳۰۳ یعنی سنگاپور والے کیتھے ہوٹل کے کمرے کی چابی مانگا کرتے تھے اب ہم نے ان کو ۲۱۰ یاد کرا دیا ہے آگے سیول پہنچیں گے تو وہاں اس کی چابی مانگیں اور نہیں ملے گی تو معصومیت سے ہم سے پوچھیں گے ۔۔۔ارے بابا کیا نمبر ہے میرے کمرے کا ؟

جاپانیوں کی ایک بات ہمیں پسند آئی یہ لوگ مصافحے کا زیادہ تر دو نہیں کرتے اک ذرا گردن جھکائی اور سلام ہو گیا کہیں جایئے یا کہیں سے آیئے جاپانی مہمان دو رہی دور کھڑا ساٹھ درجے کا زاویہ بنا کر جھکے گا اور پھر کھڑا ہو جائے گا بعد میں ہمیں معلوم ہوا کہ اس میں بھی کئی باریکیاں ہیں کون کس کے سامنے جھکے گا آگے کب ہاتھ باندھنے چاہیئں کب چھوڑنے چاہیئں یہ سارے آداب علم دریا ہیں بہر حال تو اب باری

صاحب کو بھی اسی قسم کا سلام کرنے لگے ہیں یہ قوم اپنی ترقی کے سامان میں سراسر مغربی ہے لیکن ذہنیت میں مشرقی کپڑے ولایتی سوچ دیسی مردوں کا لباس تو خیر سراسر سوٹ ہی ہے عورتوں میں بعض کیمونو پہنے نظر آتے جاتی ہیں اکثر اسے محض رسمی یعنی تقریبات کے لباس کے طور پر پہنتی ہیں کیونکہ اسے پہن کر اور پیچھے گدی باندھ کام تھوڑا ہی ہوسکتا ہے بہر حال خوش جمال عورت جب یہ روایتی رنگارنگ ریشمی لباس پہنتی ہے تو واقعی المپرا معلوم ہوتی ہیں اس کے ساتھ بالوں کے جوڑے کا انداز بھی الگ ہوتا ہے اور جوتے بھی چال بھی خاص ہوجاتی ہے دوسری بات ہم نے یہ دیکھی کہ انگریزی سمجھنے بولنے والے بہت کم لوگ ہیں راستہ معلوم کرنے میں بڑی وقت ہوتی ہے جاپانی سیٹھ سے ملئے انگریزی کا ایک لفظ نہیں جانتا ہمیں انگریزی آتی ہے لیکن اور کچھ نہیں آتا ۔

آری گاتو سے خمسہ حمیدہ تک

جونہی جہاز ٹوکیو سے اڑا ہمارے باری صاحب نے کوریائی زبان کی تحصیل شروع کر دی اہیک ایئر ہوسٹس کے تلطف کے جواب میں آپ نے اس سیکھا آری گا تو گزائی مشتا تو وہ تنک کر بولی کہ بندی جاپانی نہیں کوریا میں شکریہ کیسے ادا کرتے ہیں ترت بتاؤ اس نے کہا اس مقوع پر ہمارے ہاں خمسہ حمیدہ کہتے ہیں کم از کم ہم نے یہی سنا ہم نے اس سے کہا اے بی بی پھر تو تو ہماری ہم زبان ٹھہری خمسہ بھی ہماری زبان کا لفظ ہے جیسے خمسہ نظامی اور حمیدہ بھی جیسے اوصاف حمیدہ زچھا ایک جملہ اور بتاتی جاؤ کوریائی زبان میں خیریت کیسے کی جاتی ہے آپ لوگوں کے ہاں خیریت نام کی چیز ضرور ہوتی ہوگی اور اسے لوگ دریافت کرتے بھی ہوں گے ہر چند کے اتنے اصرار کے ساتھ نہیں جیسے ہمارے ہاں رواج ہے کہ کیا حال ہے خیریت ہے بالکل اچھی بھلے چنگے بال بچے راضی وغیرہ اور اس کے بعد گفتگو کے ہر دو فقروں کے بعد اچھاتے ہور کی

حال اے بلکہ ہمارے لوگ تو اتنے خلیق ہیں کہ مخاطب کے ساتھ ساتھ اس کے دشمنوں کی خیریت بھی پوچھ لیتے ہیں سنا ہے آپ کے دشمنوں کی طبیعت آج کل ناساز ہے ۔

وہ عفیفہ ان باریکیوں کو کیا سمجھتی تا ہم اس نے مزاج شریف کا کوریائی بدل ہمیں بتا دیا اینو ہاشم نیکا ہم نے کہا اینو ہاشم نیکا ہم نے کہا لو اس میں بھی آدھی ملاوٹ ہماری زبان کی نکل آئی ہاشم نہ صرف ہمارے ہاں کا لفظ ہے بلکہ وہ ہمارے عزیز بھی ہوتے ہیں باقی رہے اینو اور نیکا یہ ہماری گرامر کے حساب سے تابع مہمل ہیں یہ بھی ایک بڑی ضروری چیز ہوتی ہے بلکہ بعض لوگ اصل کے بجائے تابع مہمل ہی کے پیچھے پوری زندگی گزار دیتے ہیں ۔

یہ دو جملے ہماری گرہ میں نہ بھی ہوتے تب بھی سیول یعنی جنوبی کوریا کے دارالحکومت میں ہمارا قیام ایک خواب کے سماں گزرتا ان لوگوں نے ہماری تکریم کی حد کر دی لینے کو بیشمار لوگ آئے ہوئے تھے ان میں عابد بھی تھے زاہد بھی تھے ہشیار بھی تھے ہار بھی تھے حصے میں ڈھیروں آئے کیونکہ ہماری پارٹی کے کچھ لوگ پیچھے رہ گئے تھے ان کا حصہ ہمیں کو ملا ان لوگوں نے ایک ایک شاندار لمبی چمکیلی کار بھی ہمارے سپرد کر دی کہ جیسے چاہو برتو ایک کار ہمارے ترک دوستوں کے لئے ایک ایرانی بھائیوں کے لئے اور ایک ہم تینوں پاکستانیوں کے لئے ہماری کار پر ہمارے ملک کا پھریرا بھی لہراتا تھا اور دو موٹر سائیکل سوار ہمارے قافلے کے آگے آگے چلتے تھے جا بجا کانسٹبلوں نے ہماری خاطر روک رکھا تھا ہم نے باری صاحب کے بازو میں چٹکی لے کر کہا یہ حقیقت ہے یا خواب حبیبہ بیگم نے کہا ایسے موقع پر اپنے چٹکی لیتے ہیں دوسرے کے نہیں میری ناقص رائے میں تو یہ حقیقت ہی ہے اور یہ جلوس سلامی پر سلامی لیتا ہوا ایمبا سڈرر ہوٹل کے احاطے میں جا اترا اب تک ہمارا واسطہ جن ہوٹلوں سے پڑا ان میں سب سے اچھا اور پر تکلف اور با تصویر یہی تھا ٹیلی ویژن اور ریفریجریٹر اور نی جانے کن کن آسائشوں سے مسلح خمسہ حمیدہ خمسہ حمیدہ کہتے کہتے ہمارا منہ سوکھ گیا تھا لہذا پہلا کام یہی کیا کہ ریفریجریٹر دے دو بوتلیں کوکا کولا کی نکال کر پیں سیول کا شہر ہمیں

پسند آیاہمیں معلوم نہ تھا کہ دنیا کے اس کونے میں اتنے بڑے بڑے شہر بھی ہوں گے آبادی اس کی دم تحریر چوالیس لاکھ ہے کراچی سے آٹھ دس لاکھ زیادہ ہوائی اڈے سے شہر جاتے ہوئے معلوم ہوجاتا تھا کہ راولپنڈی کی مری روڈ سے گزرے ہیں بالکل ایسا ہی ناک نقشہ ایسی ہی سڑکیں ایسی ہی دکانیں ٹوکیو اور ہانگ کانگ کے مقابلے میں بہت بین فرق ایک تو ہمارا جی استقبال ہی سے خوش تھا یہ منظر دیکھ کر طبیعت اور نہال ہوئی کنکریٹ کے جنگلوں سے ہمیں وحشت ہوتی ہے سنگا پور ۔ہانگ کانگ ۔ٹوکیو میں وہی ایک سی اونچی اونچی ماچس نما عمارتیں دیکھتے آنکھیں پتھرا ھگئی تھیں یہا ں کے لوگ بھی ہماری ہی طرح کے دکھائی دیئے یعنی ٹھاٹ اور خوش پوش نہیں بلکہ درمیانہ سا کام تھا صفائی ایسی نہ تھی کہ آئینہ اسے دیکھ کر شرمائے لوگ بھی ملنسار تھے ۔

ہمارے دو ڈھائی دن اس طرح گزرے کہ صب وزیر صحت ہمیں کھانا کھلا رہے ہیں شام کو وزیر خزانہ چائے پلا رہے ہیں اور پھر معلوم ہوا وزیراعظم صاحب کو بھی ہم سے ملنے کا اشتیاق ہے ہمیں تو اتنی عزت افزائی سے یہ خطرہ پیدا ہوگیا تھا کہ ہم کوریا کے صدر سے ملنے جائیں گے تو وہ گدی چھوڑ کر اٹھ کھڑا ہوگا کہ لیجئے حضرات اب یہ راج پاٹ سنبھالیئے آپ کی ریاست آپ کے سپرد کر رہاہوں یہ کہہ کر وہ تو کھڑاؤں پہن جنگ؛ل کی راہ لیتاہم پھنس جائے اللہ تعالی کا خمسہ حمیدہ یعنی ہزار ہزار شکر وزیراعظم سے ملنے کے بعد ہماراوقت ختم ہو گیاان لوگوں کی اسمبلی جاری تھی اور صدر صاحب مصروف تھے ۔

کچھ عجب نہیں کہ لڑائی کے دنوں میں سیول کا بھی احوال رہا جو آج کل سائیگون یا بنگاک کا ہے اور یہ بڑے ہوٹل اور دکانیں اسی زمانے کی یاد گار ہوں آبادی بھی شاید اسی زمانے میں بڑھی ہوگی لیکن ایک امریکن سے گفتگو ہوئی تو اس نے کہا ہم لوگ نہ بھی آئے ہوتے تب بھی اس ملک نے ترقی کی ہوتی کیونکہ سبھی لوگ پڑھے لکھے ہیں شرح خواندگی نوے فیصدی سے زیادہ ہے جبکہ ہمارے ہاں ایک سو میں فقط سترہ آدمی خواندہ ہیں جاپانی بھی یہاں بہت دن رہے ہیں دو صنعتیں قائم کر گئے پھر کوریائی خود بہت ذہین اور خوبیوں

کے لوگ ہیں جاپان ،میں تو ہماری انگریزی بیکار تھی وہاں گوروں کی اردو کی طرح کی انگریزی بولی جاتی ہے لیکن سیال والے روانی اور لہجے میں کمال پائے اس کے باوجود تعلیم ساری کوریائی زبان میں ہے کالج اور یونیورسٹی بھی ہے ان کی زبان دیکھنے میں چینی اور جاپانی کے سلسلے کی معلوم ہوتی ہے لیکن ان سے الگ ہے سہل تر ہے اور اس کی لکھائی تلفظ کے لحاظ سے ہوتی ہے جبکہ چینی زبان تصویری ہے مفہوم ادا کرتی ہے

اس شہر میں ہمارے ایک دوست بھی تھے ایک مسٹرہان کہ بڑے پبلیشر ہیں اگر چہ جواں عمر ہیں یہ ٹو کیو کی کانفرنس میں اب ڈھائی سال پہلے ملے تھے پچھلے دنوں ستمبرمیں سنگا پور کی کانفرنس میں بھی یہی اپنے ملک کی طرف سے آئے تھے لیکن اب کے دوا اور چلبلے صاحبان لیو اورمنھ ان کے ساتھ تھے یہاں بازدید میں تعلقات اور استوار ہوئے لیکن خرابی یہ تھی کہ سیول میں ہمارے پاس وقت بہت کم تھا تا ہم آخری شام ہم نے انھیں فون ہی دیا کہ میاں ملنا تو محال معلوم ہوتا ہے دور سے سلام قبول کرو وہ بولے نہیں جناب اس کی سہی نہیں آپ ٹھہر یئے میں پندرہ منٹ میں لیو منھ کو لے کر پہنچتا ہوں وہ بیچارے خلوص کے مارے بھاگم بھاگ واقعی پندرہ منٹ میں آن پہنچے تھوڑی دیر تو ہمارے ہی کمرے میں سمجھا جمی پھر بولے اٹھو جی مصلی گرد جام کرو ہم نے انھیں بتا دیا تھا کہ پینے کے معاملے میں ہماری دوڑ کوکا کولاتک ہے فرمانے لگے آنکھوں پر تو کوئی پابندی نہیں کھانا کھلائیں اور گیشا گھر لے جائیں گے یا کہو تو نائٹ کلب چلیں جی خوش ہوجائے گا ہم نے حوالہ دیا کہ یہ ہمارے یہا ں عبادت کامہینہ ہے اور اس کی ہمارے ہاں بڑی اہمیت ہے یہ وقت تراویح کا ہے شگفتن گلہائے نازکا نہیں لیکن ہماری دلیلیں بودی ہوں یانہ ہوں ہم خود تو آدمی ہیں جانا پڑا اور یوں ہم ایک ہفتے کے اندراندر دوسرے گیشا گھر میں آلتی پالتی مارے سبحان اللہ اور مکرر ارشاد کرتے نظر آئے ٹوکیو میں تو خیر ہماری گیشا پارٹی سب ملاکر بیس بائیس کی ہوگئی تھی ایک تماشا ہوا گلا نہ ہوا یہا ں چار آدمیوں کے لئے ایک کمرہ الگ کر دیا گیا پردے کھینچ دیئے گئے جوتے اتار قالین پرگدوں کے ساتھ بیٹھ گئے چوکی پر انواع و اقسام کے خون آگئے ہم نے جو کچھ محفوظ اور مطابق اپنی شرع

کے پایا ٹھونگا گیشائیں بھی کہ نو عمر اورخوبصورت تھیں خاص کوریائی لبادہ نما لباسوں میں برابر آن بیٹھیں اور دانا ڈالناشروع کیاہماری بیکسی کی کچھ شرم یوں رہ گئی کہ وہ کوریائی کے علاوہ کچھ نہ جانتی تھیں سوائے خمسہ حمیدہ اور اینوہاشم نیکا کے سو یہ فقرے کوچہ و بازار میں تو چل جاتے ہیں معاملات من وتو میں کہاں تک ساتھ دیتے ہمرے دوست ہماری ترجمانی کیا کرتے اپنے اپنے دلوں کی ترجمانی سے انھیں فرصت نہ تھی بس ایک لفظ کوریائی کا ہمیں رٹا دیا سارنگ حمہدہ ہم نے کہا مطلب بولے مطلب نہ پوچھو طوطےجاؤ وہ نیک بیبیاں یہ لفظ ہم سے سن کر ہنستی رہیں آخر میں معلوم ہوا کہ اس کا مطلب ہے مجھے تجھ سے محبت ہے اور ہم تازہ داد دان بساط ہوائے دل انگریزی کے علاوہ کچھ نہ جانتے تھے ۔

ہم دنیا کے دوسری طرف جانکلے

یہ ہوائی ہے وہ ہوائی نہیں کہ کسی دشمن نے اڑائی ہو بلکہ وہ کان ملاحت مجمع الجزائر کہ بحر الکاہل میں جاپان اور امریکہ کے بیچوں بیچ واقع ہے باشندے تو اس کے دیسی ہے ہماری ہی طرح کے سانولے کالے لیکن سکہ یہا ں امریکہ کا چلتاہے پہلے یہ جزائر آدھی صدی تک امریکہ کے مقبوضات رہے اب ریا ستہائے متحدہ امریکہ میں پچاسیوں ریاست کے طور پر شامل ہیں یہاں امریکہ کا بڑا بحری اڈہ ہے ہوائی اڈہ بھی پرل ہار بر نامی بندرگاہ بھی تو یہیں ہے ہمارے اس ہوٹل سے آدھ میل جس پر جاپان نے ۷ دسمبر ۱۹۴۱ء کو یکبارگی حملہ کر کے سوئے ہوئے امریکہ کو جھنجھوڑ دیا تھا اور اسے دوسری جنگ میں کودنے پر مجبور کر دیا تھاہم نے ہوائی کانام شروع بچپن میں رابرٹ لوئی اسٹیونسن کی مشہور کہانی بوتل کا بھتنا ، میں پڑھاتھا وہ شخص انہی جزائر کا رہنے والا ہی تو تھا جسے یہ طلسمی بوتل ملی تھی ہوائی ہونیورسٹی میں ہمارے کئی دوست بھی رہے ہیں اور وہ نظم بھی تو ہماری ہی ہے ۔

شام حسرتوں کی شام

رات تھی جدائی کی

صبح صبح ہر کارہ

ڈاک سے ہوائی کی

گم شدہ محبت کا

نامہ وفا لایا

------------پھر تمہارا خط لایا

پس ہم نے کچھ وقت اپنے کوریا کے حصے سے کاٹا کچھ سان فرانسسکو کے پروگرام کی کوروبائی اور ایک دن رات کے ؛لئۓ ہو نو لو لو میں آن اترے یادرہے کہ جزائر ہوائی نام ایک مجمع الجزائر کا ہے اگر چہ اس مجمع میں ایک خاص ہوائی نام کا بھی ہے لیکن مشہور ترین شہر جو ان جزائر کے گورنر کا مستقر بھی ہے ہو نو لو لو او آہو نامی جزیرے پر واقع ہے ہوائی یونیورسٹی بھی یہیں ہے ہوائی کا مطلب ہی ایک طرح سے ہو نو لو لو ہے ۔

ہوائی میں امریکہ کے دور دراز کے حصوں سے وہ لوگ آتے ہیں جو عمر رفتہ کو آواز دینے کی منزل میں ہوں سردی اور پالے کے مارے ہوئے امریکی سیاح اس کے دھوپ نھرے ہریالے ساحلوں پر آترے ہیں توان کا غنچہ دل یک کھل اٹھتا ہے اور یہ فورا کپڑوں سے با ہر ہوجاتے ہیں ہم نے خود یہی کیا بہت دن سے سوٹ لادے لادے پھر رہے تھے یہا ں دیکھا کہ ہر شخص مردوزن پھولدار پوشاک زیب تن کئے اتنترانا اٹھلاتا پھر رہا ہے کسی کے سر پر لمبوتری ٹوپی ہے کوئی ننگے پاؤں ،ننگے سر، ننگے بدب ،گھوم رہا ہے ہمارا بھی چاہا کہ فورا اک شلوکا بڑے بڑے رنگین پھولوں والا لیں اور اس میں کنچلی بدل لیں لیکن پھر خیال آیا کہ جب لوگوں کو

ہم پر سنجیدگی اور بردباری کا گمان ہے انھوں نے اس ہیئت میں ہماری تصویریں دیکھ لیں تو کیا کہیں گے لہذا یہی کیا کہ وہ کرتا پاجامہ نکال جو عید بقر عید کے لئے ہم نے سوٹ کیس کے ایک گوشے میں رکھ چھوڑا تھا اپنے قالب پر چڑھا یااور سلیم شاہی جوتا پہن رومال سے خود کو پنکھا کرتے ہوئے خراماں خراماں اس ہجوم میں شامل ہوگئے ۔

روئے گل سیر ندیم و بہار آ خر شد اگر قیام ہو نو لو لو میں چندے اور ہوتا اور ہوائی کی روح ہمارے مزاج میں پوری طرح سرایت کر جاتی تو ہم کراچی کے ہوائی اڈے پر پھودار غرارہ اور فرغل پہنے قلابازیاں لگاتے ہوئے بر آمد ہوئے ہم تو خیر مشتاقانہ آئے تھے ہمارے رفیق سفرباری صاحب کو تھوڑی سی مایوسی ہو نو لو لو دیکھ کر ہوئی کہ کیا خاص بات ہے اس میں بس سمندرریت ہے اس پر کچھ لوگ لیٹے ہیں کشتیاں ہیں ، دھوپ ہے اور درخت ہیں یہ سب کچھ مشرقی پاکستان میں بھی ہے بلکہ اس سے زیادہ ہے خواہ مخواہ لوگوں نے ہوائی ہوائی لگا رکھا ہے ۔

رائل ہوٹل جس میں ہم فروکش ہوئے یہاں کا ممتاز ترین ہوٹل ہے ہمیں بتایا گیا کہ صد جانس بھی یہاں آتے ہیں تو اسی ہوٹل میں قیام فرماتے ہیں عین ساحل واقع ہے عقبی دروازہ اس کا بازار میں جا کھلتا ہے اور اس کے سامنے انٹر نیشنل مارکیٹ کا احاطہ ہے جو بجائے خود دیکھنے کی چیز ہے اس گاؤں نما پینٹھ میں کچھ دکانیں ہیں کچھ ریستوران اور چائے خانے ،کچھ سبزہ ،گل بھی اس کی فضا عجیب رومانی ہے ٹیڑھے میڑھے سایہ دار راستے چھوٹی چھوٹی ندیائیں ان پر لکڑی کی پلیائیں درختوں کے اوپر بھی مچانوں پر کٹیائیں سی بنی ہوئی جن میں کوئی نہ کوئی دکان یا بار ہے یہ نقشہ یا تو قدیم ہوائی کا ہے یا پھر مسکیسکیو کا نام بھی جگہوں کے عجب عجب ہیں داخل ہوتے ہی بائیں ہاتھ کو ایک چھپر سا ہے یہ ایک ریستوران ہے پراسرار اورنیم تاریک سا جس کا نام ہے کرنلم پلانٹیشن یعنی کرنیل صاحب کا باغ اس میں ناؤ نوش رقص و نغمہ ڈھول ڈھکا سبھی کچھ ہوتا ہے شام کا لکھانا ہم نے مدہم بتیوں کی لومیں اس بالاخانے میں کھایا جس کا نام آشیانہ مرغ ہے ہے

بھی گھونسلے سے آسمان آپ کچھ بھی نہ کیجئے بس اس گاؤں کی گلیوں میں گھومتے رہیئے اور گھومنے والوں کو دیکھتے رہیئے کسے رابا کارے نباشد جسے جو کپڑا ملا اسے پہن ادھر آنکلا نہ ملا تو محض لنگوٹ مین گھوم رہا ہے یہاں ں ہپی اور غیر ہپی کی]پہچان دشوار ہے ادھر ندیا کے اوپر لکڑی کے پل کے پار غلبا کوئی تھیٹر ہے بس ایک صاحبہ عجیب سا جنگلوں کا ساجوڑا بنائے بیٹھی نظر آرہی ہے لباس کے نام سے فقط محرم آب رواں ہے کوئی بلانے کو نقارہ بھیپیٹ رہاہے چل اے عمر رفتہ کے خریدار چل۔۔۔ لیکن نہیں جس کوہو دین و دل عزیز اس کی گلی گلی میں جائے کیوں ۔

الوھا۔۔۔یا مسافر۔۔۔الوھا

ہمارے دوست میر نسیم محمود کہ اور باتوں کے علاوہ شاعر بھی ہیں آج کل ہونو لو لو میں ہیں ہم سے یہ نہ ہوا کہم ان کو پہلے سے آنے کی اطلاع کر دیتے پہنچ کر ڈھونڈ ناشروع کیا جس سے بات کریں وہ کوئی آگے کا نمبر بتا دیتا تھا آخر مایوس ہوگئے لیکن اسی میلہ گھومنی یعنی انٹر نیشنل مارکیٹ کی ایک دکان میں جہاں مالائیں ،مٹکے اورجاپان سے لےکر میکسکیو تک لے نوادر بکتے تھے ایک خاتون نے ہمیں دریافت کر لیا خود ہی فرمانےلگیں آپ کی مشکل ابن انشا سےملتی جلتی ہے ہم نے کہاجی ہاں اس مشابت کی وجہ بھی بتائی کہ ہم ہی ابن انشا ہیں لیجئے فورا گھر کی سی بات پیدا ہوگئی یہ بی بی یہاں وومن کالج میں پڑھاتی تھیں آج کل اپنے میاں کےساتھ یہان میاں ان کے اکبر خاں وظیفے پر یہاں تعلیم حاصل کر رہے ہیں اس اخلاق مجسم نے اپنے میاں کو ٹیلی فون کیا اور وہ فورا گاڑی لے کر آگئے اورہم ہو نو لو لوکی دوسری جگہوں میں گھومتے پھرے یہ یونیورسٹی ہے یہ پرل ہاربر ہے یہ الموآنا مارکیٹ ہے یہ جدید اور خوبصورت مارکیٹ دنیا بھر کا سب سے بڑا شاپنگ سنٹر ہے یہاں کی سیکنڑوں خوبصورت اور دلاویز دکانوں سے آپ فلپائنھ کی مہا گنی کی چوبی مصنوعات لے لیجئے یا بمبئی کے منقش برنجی ظروف جاپان کیء خشک مچھلیاں ،آسٹریلیا کے منجمد خرگوش بھنے

ہوئے ریشم کے کیڑے پیکنگ کی مرغابی چڑیائیں ،مکڑیوں کا اچار بھی خریدارو بتاؤ کیا خریدو گے باہر فوارے اور بچوں کے مطلب کے جھولے گھوڑے اور دوسرے کھیل لیکن ہمارے دل کا کنول تب کھلتا اگر اس ہمدم دیرینہ میر نسیم محمود سے ملاقات ہوجاتی دمے چند صحبت رہی آخر اکبر خاں نے ذمہ لیا میر صاحب کو خبر ہوئی لیکن افسوس ایسے وقت کہ ہم رخت سفر باندھ ہوائی اڈے پر جانے کے لئے تیار ہو چکے تھے جی کی جی ہی میں رہی بات نہ ہونے پائی۔

کیا رات کیا رات ؟ کیا رات داللہ ۔رائل ہوائی ہوٹل کی دوسری منزل کی بالکونی سے ساحل نظر آرہا ہے ۔۔ دھندلا دھندلا اور ویران احاطے جے درختوں میں سے ہوا سنسناتی گزر رہی ہے دو سمندر میں ایک چٹان سر اٹھائے کھڑی ہے اور اس چٹان پر یہ کیا ہے کوئی سمندر ی بلا ہے ہوگی ۔۔۔موجوں کے تھپیڑوں کے آہنگ پر دھیمے دھیمے گنگنانے کو جی چاہتا ہے ۔۔۔۔

تو اگر واپس نہ آتی بحر وحشت ناک سے

حشر کے دن تک دھواں اٹھتا بطون خاک سے

اور یہ کہاں کا شعر کہاں یاد آیا ۔

کون بحر روم کی موجوں سے ہے لپٹا ہوا

گا بالد چوں صنوبر گاہ نالد چوں رباب

انہی ساحلوں پر ایسی ہی کسی رات کو مشہور مہم باز کپتان کک آج سے دو برس پہلے آن کر اترا تو مقامی لوگوں نے اسے لو نو دیوتا سمجھ کر عقیدت کے ہار پہنائے لیکن پھر وہ یہیں انہی لوگوں کے ہاتھوں ایک جھڑپ میں مازا گیا اوران ساحلوں پر فقط اپنا مجسمہ چھوڑ گیا کہیں یہ سراپا اوریہ آواز اسی کی تو نہیں یا پہلے بادشاہ کامی ہا کی ہوگی جس نے اس دھرتی کوردسیوں اور ہسپانویوں کی تر کتاز سے تو بچایا لیکن امریکی مشنریوں اور ان کے پیچھے پیچھے آنے والے بحری بیڑے سے نہ بچاسکا چاند اس وقت ناریل کے اونچے درختوں

کے ایک جھنڈ میں پھنسا ہوا ہے رات آدھی گئی ہوگی نیندآتی ہے پر نہیں آتی کل ہم اس دریا سے ہزاروں میل دور مشرق میں تھے کل پھر ہزاروں میل دور مغرب میں ہوں گے جانے کیسے کیسے ہم سے پہلے اس کہنہ بالکونی میں بیٹھے کیا کیا یاد کر کے مسافر ہوگئے ہوں گے کتنی محبتیں ہمارے اس حجرے میں پروان چڑھی ہوں گی اور پھر فنا ہوگئی ہوں گی وقت ایک دن کو ہمارے لئے تھم گیا ہے لیکن نہیں یہ ایک دھوکا ہے حساب کا گورھ دھندا ہے اور بس وہ گزرے ہوئے سال جن میں ہر جگہ ہوائی طرح حسین نظر آتی تھی اب ہوائے ہوئے ان آنے والے سالوں کا خیال آتا ہے جن میں یہ پر افسوں جزیرے بھی سروررفتہ اور گزراہوا چونچال پن واپس نہ لاسکیں گے لیکن آج کی رایت وہ کیا نظم تھی ۔

لوٹ کے نہ آؤ گے
موجہ صبا ہو تم
سب کو بھول جاؤ گے
سخت بے وفا ہو تم
دشمنوں نے جتلایا
دوستوں نے سمجھایا
۔۔۔۔۔ پھر تمہارا خط آیا
ساتویں سمندر کے
ساحلوں سے کیوں تم نے
پھر مجھے صدا دی ہے
دعوت وفا دی ہے
تیرے عشق میں جانی

پپ

اور ہم نے کیا پایا

درد کی دوا پائی

درد لا دوا پایا

۔۔۔۔۔کیوں تمہارا خط آیا

لیکن یہ تو بیتے دنوں کی بھولی بسری باتیں ہیں اے مسافر اب نیند کی چادر اوڑھ کہ نیا سفر سر پر ہے

الوھا ۔ یا مسافر ۔ الوھا

الوہا جزائر ہوائی کا کلمہ کھل موسم سم سم ہے اس میں اسلام اور الہا سہلاکےمعنی بھی آتے ہیں شادباش شادزی کے بھی اوتر نہ جانے کیاکیا اس رعایت سے ہمارے ایک دوست نےکہ ہوائی میں رہے ہیں لاہور میں اپنا گھر بنایا تو اسے الوہا کاٹیج کا نام دیایہاں ہم تو رفتہ کوآواز نہ دے سکے ہاں وقت ایک دن کو ضرور ہماری خاطر سے ٹھہر گیا تھا گرسش ایام پیچھے کی طرف لوٹ چکی تھی ہم ۲۹ کی سج سیول یعنی کوریا سے چلے تھے وہ شام دوبارہ ٹوکیو میں گزار شام کے آٹھ بجے جہاز میں بیٹھے راستے میں شب بھرسوتے آئے صبح دم ہو نو لو لو میں اترے تومعلوم ہوا ابھی ۲۹ تاریخ ہے وہ بین الاقوامی خط جس پر تاریخ بدلتی ہے ہم نے جاپان اور ہوائی کے راستے میں عبور کیا تھا کیایہ ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص ایک دن اور ایک تاریخ کو ایک ہی وقت مثلا صبح کے دس بجے کوریامیں بھی ہو اور اسی دن اسی تاریخ کواسی وقت پانچ ہزار میل دور ایک دوسرے شہر میں بھی ہمارے ساتھ یہی معاملہ تھا ہم نے پیر ایام کےہاتھ سے ایک دن چھین لیا تھا اب ہم پیر ایام کے ہاتھ سے ایک سن چھین لیاتھااب ہم دنیا کے دوسری طرف تھے پاتال دیش میں پاؤں زمین پر لٹکائے چھپکلی کی طرح چل رہے تھے یہ اس دیش کا باب داخلہ تھا جہاں کےلوگوں کو ہر چیز الٹی نظر آتی ہے اخلاق میں بھی تھوڑی تخفیف یہیں سے شروع ہوگئی اب تلک ہر جگہ روموں پر جنٹلمین یعنی شرفا اور لیڈیز خواتین کے برڈ نظر آتے رہے تھے ہو نو لو لو میں gentlemen

کی جگہ مین ہو گیا اور ladies کی جگہ women یہ ایک اشارہ تھا کہ اے کولمبس تو نئی دنیا میں داخل ہونے والا ہے سونے کے بچھڑے پوجنے والے کاہنوں کی اقلیم میں اپنے بقد ایمان سے خبردار اپنی جیب پاکٹ سے ہوشیار ۔

ہم نے امریکہ کو امریکہ نے ہمیں دریافت کرنا شروع کیا

سان فرانسکو صاحبان ۔سان فرانیسسکو ۔با ادب بلا ملا خط ہوشیار یوں تو ہوائی بھی امریکہ تھا لیکن اصلی وڈاتے باتصور امریکہ آج سے شروع ہو رہا ہے یہ اس اقلیم زریں نہاد کا مغربی دروازہ ہے اور دنیا کے خوبصورت ترین شہتروں میں گنا جاتا ہے ایک تو اس لئے کہ اس کی کھاڑی خوبصورت ہے دوسرے اس لئے کہ پہاڑیوں پر واقع ہے سڑکیں اور گلیاں چڑھتی ہیں تو چڑھتی ہی چلی جاتی ہیں اترتی ہیں تو اترتی چلی جاتی ہیں تیسرے یہ کہ امریکہ میں واقع ہے بھلا ترین چیزوں کا ذکر ہو اور اس میں ان کا آنا ضرور ۔۔حتی کہ بد ترین میں بھی یہ ریاست کیلیفورنا کا صدر مقام بھی ہے یہاں کا چائنا ٹاؤن اس لئے مشہور ہے کہ اس میں اتنے چینی آباد ہیں کہ چین سے باہر کسی شہر میں نہ ملیں گے مشہور شاعر دین لی تو جسے کا منتانگ والوں نے بعد بعد میں گولی مار دی تھی یہاں رہا ہے اور یہیں اس نے اپنی مشہور نظم دھوبی کا گیت لکھی وہ یوں کہ

کا گیت لکھی وہ یوں کہ چینی لوگ امریکہ میں اکثر دھوبی کا اکروبار کرتے ہیں جیسے ہمارے ہاں موچی یا دندان ساز کا اس کا اثر یہ ہوا کہ چین سے کوئی شاعر یا پروفیسر بھی جائے تو اسے تحقیر سے دھوبی کہہ کر بلاتے دین لی تو نہایت آزردگی سے کہتا ہے کہ ہاں میں دھوبی ہوں میں صرف تمہارے تردامنوں کو تمہارے پیراہنوں اور لباسوں ہی کو نہیں تمہاری روح کو بھی دھوسکتا ہوں یہ آلودہ روح زیادہ محتاج ہے دھلائی کی یہ بہ نسبت تمہارے کپڑوں کے لاؤ مجھے اپنے کپڑے دو ۔اپنی روح دو۔ چھوا چھو ۔

یہ ہلٹن ہوٹل بھی ترین شامل ہے وسیع ترین اقامت گاہوں میں اس کا شمار ہوتا ہےایک ہزار کمرے اس وقت ہیں چند دنوں بعد پندرہ سو ہو جائیں گے ہرطرف دبر دبڑ ہورہی ہے کوئی ہزار لڑکے کسی کنویشن شریک ہونے کے لئے آگئے ہیں تمام کاریڈروں میں دوڑتے پھر رہے ہین یعنی آج شب بھی سو چکے ہم ہمارے ساتھی تو یہا ں آتے ہی اپنے کمروں میں مقید ہوگئے حالانکہ ساڑھے آٹھ نو بجے ہی تھے لیکن ہماری طبیعت کو ہمیشہ سے یہ وحشت ہے کہ کیسا ہی عالم اور کیسا ہی موسم ہو نئے شہر میں پہنچتے ہی ایک چکر آس پاس کی گلیوں کا ضرور لگاتے ہیں پس دوسروں کو سوتا اونگھتا ٹیلی ویژن دیکھتا چھوڑ ہم نے کوٹ کاندھون پر ڈالا دربان سے پوچھا کہ مارکیٹ اسٹریٹ کدھر ہے کیونکہ فقط اسی کا نام جانتے تھے اور یہ بھی کہ سان فرانیسکو کی کھاڑی کی طرف جاتی ہے اورپھرتیز قدم مارتے رات کے دھندلکے اور سودی میں نکل گئے ۔

یہ علاقہ ہوٹلوں اور کلبوں اور تھیٹروں کا علاقہ معلوم ہوتا ہے پہلی چیز جو ہوٹل سے نکلتے ملی وہ topless go go girls کا ٹھکانا تھا اندر ہم نہیں گئے جانے کا اتفاق ہوگا تو آپ کو بتا دیں گے ہاں بطور نمونہ جو تصویریں لگی تھیں انھیں ضرور نظر بھر کے دیکھا رات کے گیارا پونے گیارہ بجے کا عالم تھا سڑکوں پر صرف اکا دکا راہگیر ملتے ہیں اور جو ملتے ہیں ان سے بچ کے چلنا چاہیئے ان میں جان کے دشمن ایمان کے دشمن سبھی طرح کے لوگ ہیں یوں اکیلے ایسے ہی باہر نکلنا دانشمند نہیں لیکن ہم سے اور کتنے کام دانشمند کے سرزد ہوتے ہیں خیر اس کلب سے تھوڑا آگے ایک غول لڑکے لڑکیوں کا کھڑا تھا جو ہر طرح کے گفتنی اور نا گفتنی اشغال میں مصروف تھے یہاں سے ہم بائیں ہاتھ مارکیٹ اسٹریٹ پر مڑگئے یہ بھی اس وقت ویران تھی اور آج کل مرمت کے لئے بند بھی ہے بہرحال دونو طرف کی سپر دیکھتے۔بوڑر پڑھتے ۔لوگوں کو شیشوں کے خم لنڈھاتے دیکھتے خاصی دور نکل گئےایک جگہ سے اخباع خریدا اورالٹے پاؤں دوسری سمت نکل گئے۔ادھرزیادہ ،زیادہ سینما۔زیادہ تھیٹر ۔زیادہ کھانے کے اڈے اور GO go لڑکیوں کی تماشا گائیں تھیں ،ایک جگہ ایک نوجوان آگے بڑھا اور بولا کیا آپ مجھے دس سینٹ عطا فرما سکتے ہیں،ہم نے سنی ان سنی کردی آگے ہپیوں کے غول تھے ۔یہ خانہ

خراب ہیاں بھی بھرے ہوئے ہیں یا پھر کالے اور گورے۔کالے زیادہ اور کم اور تما شا گائیں،گوگواو رٹاپ لیس گرلز
،جانے ہم کہاں تک گئے ہونگے اور آگے کہاں تک جاتے،لیکن ویرانی نے راستہ روک دیا اور سلامتی کا خیال اپنی جگہ ،
بالخصوص اس لئے کہ ہم ٹیلی ویزن پر ایک عجیب ہولناک سی فلم دیکھتے اٹھ کر گئے تھے JOURNNEY AN
THE UN اس وقت رات کے ساڑھے بارہ بجے ہیں ،اور سارا عالم سوتا ہے ،چاند نجانے کس تاریخ کا ہے
اداسی سی بکھر تا ہوا چمک رہاھے ۔ریڈیو اور ٹیلیویزن والوں نے بھی خدا حافظ کہہ کر پروگرام تہہ کر دیئے
۔اچھا تو ہم اخبار پڑھیں گے ابھی ہم سان فرانسکو کرانیکل آخری ایڈیشن لے کر آئے تھے ،پس اے
صاحبان گڈ نائٹ۔آپ کے ہاں تو ابھی دن کے دس گیارہ بجے ہونگے ۔یعنی وہ وقت جب مروم بہ کاروبار روند
اور بلا کشا محبت بہ کوئے یار روند ۔ہم اس دنیا کی الٹی طرف ہیں ہم الٹے ،بات الٹی ،یار الٹا ۔اب سمجھ میں آیا کہ ہماری
اور امریکہ والوں کی سمجھ میں فرق کیوں ہے، کیوں ان کو ہر معاملے میں الٹی سوجھتی ہے ،دن کو رات اور رات
کو دن کہتے ہیں ، وہ کرہ ارض کے دوسری طرف جو واقع ہوئے ،اور ان لوگوں کی کھوپڑی جو الٹی ہوئی ۔یہ کیا
ہے ۔چابی کا تازہ شمارہ ہے زرا دیکھے تو اس میں سان فرانسکو کی اس ہفتے کی دلچسپیوں کا احو ال ہے
اور اشتہار بھی

are you a gentleman alone/

بیشک ہیں تو سہی ۔ یہ ایک عنوان ہے ،ایک حسینہ کی تصویر بھی ہے ، ہاں تو کیا کہتی ہیں۔

anvvate a delightful companion phone no 775,5900

یعنی بس فون کردیجئے اور اپنی تنہائی سے سبکدوش ہوجائے ۔المتشہرین ہیں،

glamorous escorts .-- amrican ,

europeon orintle gills

لکھا ہے کہ یہی انتظام تنہائی دور کرنے کا ، نیویارک اورلاس اینجلیز میں بھی ہے قارئین کا لائقہ سے یاد فرمائیں۔۔۔

(۲)

گیگی کلب ۶۵۵ براڈوے میں تشریف لائیے ،،٦ بجے شام سے دو بجے رات تک اورعریاں حسیناؤں کی سرتاج مس میریلین کو سرتاپا لباس برہنگی میں جلوہ نما دیکھئے

(۳)

پرویز کلب نا ئٹ ۲۴۵ براڈوے ایٹ کولمبس،،یہ آپ کا اپنا نائٹ کلب ہے ،کانچ کی ننگی لڑکیوں کو پیش کر ہے ، لڑکیاں لڑکیا ں جو ملک کے مختلف کالجوں سے منتخب کی گئی ہیں ،،بلکل مادرزاد حالت میں کپڑے کی کسی دھجی کے بغیر فون۶۲۷۷۶۲۳

تو گویاہم نے امیکہ دریافت کرلیا ۔ کچھ لوگ اس باب میں کولمبس نامی کسی شخص کا نام بھی لیتے ہیں خیر وہ بھی ہوگا ۔تو ہم دونوں کو کریڈٹ دے لیجئے۔کہ فرق صرف تھوڑا آگے پیچھے یعنی زمانے کا ہے۔ کولمبس کے کے ساتھ کو جانے کیا گزری ہوگی ۔لیکن اس چکا چوند کو دیکھ کر ہم چکنم میں پڑ گئے ہیں۔یہ ساقی نجلوہ دشمن ایمان آگئی اور یہ مطرب بہ نغمہ رہزن وہوش اور یہ گوگو معالمے ۔ لوگوں یہ ہم امریکہ کو دریافت کررہے ہیں ۔یا امریکہ ہمیں دریافت کرنے کی کوشیش کررہا ہے ۔۔ خدا خیر کرے

ہاں عشرتوں کا شہر ہے اورہم ہیں دوستو ں

تھیسنکس گیونگ ڈے یا یوم شکرانہ ،ایک طرح سے امریکہ کی عید ہے ،ہم عین اس عید کے روز سان فرانسکو پہنچے تھے ۔جہاز میں بھی ٹرکی کھائی ، آپ بطخ سمجھ لیجئے کہ اس روز کا خالص کھانا ہے ۔جس طرح ہم چھوٹی عید پر سویاں

کھاتے ہیں، شام کو بازار میں بھی ٹرکی ملی، نتیجہ یہ ہوا کہ ہمارا عمر بھر کے لئے ٹرکی سے جی بھر گیا ۔ان دنوں ہر شخص تفریح کیلئے گھر سے نکل جاتا ہے ،صرف سان فرانسسکو میں اس روز اکیس آدمی میں مرے ،سارے امریکہ میں سینکڑوں ہزاروں مرے ہونگئے۔ اسی روز ریڈیو کی خبروں کے مطابق اتنے قتل ہوئے اتنے ڈاکے پڑے اوراغوا اور بدمعاشی کے ہوئے کہ پاکستان میں سال بھر میں ہوئے ہونگے ،،امریکہ ایسا ملک ہے کہ یہاں ہر چیز دنیا میں سب سے زیادہ ہوتی ہے۔ اس شام تو ہم آدھی رات تک کے بعد تک تنہا گھومتے پھرے ،دوسری دن خیر خواہوں نے ہمیں منع کردیا دیکھنے کی چیزیں دکھانے والا کوئی دوست نہ تھا۔ ہم تینوں پاکستانیوں نے پانچ پانچ ڈالر میں گرے لائن بس میں ایک چکر شہر کا اوع نواحات کا کرلیا ۔ تین پھیرے تو گولڈن گیٹ برج ہی ہونگے جو دنیا کے طویل ترین پلوں میں سمجھا جاتا ہے۔ صرف پل کی لمبائی پون میل سے زیادہ ہوگی ،،تصویر تو دیکھی تھی لیکن یہ معلوم نہ تھا کہ یوں دومنزلہ ہے نیچے ایک طرف کو سواریاں جاتی ہیں ۔اور طرف سے آتی ہیں۔ ایک پرانا گرجا مشن ڈولور بھی دکھاتے ہیں جو ۱۷۷٦ء میں بنا تھا۔ یہاں کے لحاظ سے پرانی عمارت ہے۔ اور میں قطعی کوئی خاص بات نہیں ،لیکن امریکہ کی ساری آبادی ہی نئی ہے، یہاں انگلستان ،اسپین ،فرانس جرمنی وغیرہ کے سے آثار قدیمہ تلاش نہ کیجئے گولڈن گیٹ پارک مصبوعی ہے لیکن بہت ہرا بھرا اور پھیلا ہوا جس میں ایک پارٹی گارڈن بھی ہے اس میں جاپانی طرز کے درخت لگے ہیں اور چند محرابیں بھی جن لوگوں نے چین اور جاپان نہیں دیکھے وہ یہاں آکر مشرق کی فضا میں زور زور کے سانس لیتے ہیں اور تحفوں کی دکان سے جاپان کی ،مصنوعات خرید لے جاتے ہیں کلف ہاؤس سیل راک اورکئی دوسرے مقامات دیکھتا ہوا ہمارا قافلہ مچھروں کے گھاٹ پر پہنچا مچھروں کا گھاٹ یعنی فشر منیر وہارف بھی یہاں کی خاص جگہ ہے جا بجا ریستوران ہیں جو تازہ مچھلی اور کیکڑے بھون کر کھلاتے ہیں ان چیزوں سے تو ہمیں رغبت نہ ہوتی لیکن عین اس ہجوم میں دو میوزیم ہیں ان میں سے ایک ہم ضرور دیکھنا چاہتے تھے رپلے کی کتابیں آپ نے پڑھی ہیں یہ شخص یہاں کا متوطن تھا اور جرنلسٹ تھا صحیح معنوں میں آوارہ گرد تھا دیس دیس گھومتا پھرا اور عجائبات جمع کرتا رہا اس نے کل ملا کر ۱۹۸ ملکوں کی سیاحت کی ہندوستان بھی آیا تھا اور لاہور بھی اس کا سلسلہ عجائبات رسالوں اور کتابوں میں کے نام سے چھپتا رہا اب تو آپ

بھی پہچان گئے ہوں گے اس کے انتقال کے بعد اس کے جمع کردہ نوادر کے میوزیم بنا دیئے گئے جن میں سب سے اچھا اور بڑا یہ سان فرانیسسکو کا میوزیم ہے ٹکٹ ظالموں نے پونے دوڈالر رکھا ہے اس لئے زیادہ لوگ نہیں دیکھ سکتے شروع میں تو بیچارا محض کارٹورسٹ تھا لیکن اس کا سلسلہ نانئے نہ مانئے مقبول ہوا تو سینکڑوں اخباروں میں چھپنے لگا اور پھر اسے درجنوں سیکریٹری اور اسسٹنٹ رکھنے پڑے جو معلومات جمع کرتے تھے اور رپلے کے نام سے چھپا کرتی تھیں ۔

ہمارے ہاں ٹیلی ویژن پرعین پروگرام کے بیچ میں جو اشتہار دیئے جاتے ہیں ان پر ہمیشہ ہماری طبیعت خراب ہوتی ہے یہ کیا شرافت ہے کہ فلم ہو رہی ہے دیکھنے والے دم سارھے دیکھ رہے ہیں اور بیچ میں لوگ تیل بیچنے لگتے ہیں اس بات کا خیال کئے بغیر کہ ہمارے پاس نہ ٹرک پہے نہ ٹریکٹر لیکن یہ نسخہ یہاں سے لیا گیا ہے یہاں ہمارے کمرے میں ٹیلی ویژن ہے اور اس پر ہم قریب قریب ہر روز فلمیں دیکھتے ہیں اس وقت بھی کہ رات کے ڈھائی بجے ہیں west horizon ہو رہی ہے اس سے پہلے seven years atch دیکھیں جو بجے ختم ہوئی تھی فلم تو بہت اچھی تھی لیکن اس کے بیچ میں اشتہارات بہت دیکھنے پڑے عین اس وقت بھی ایک گنجا چرب زبان دلال سیکنڈ ہینڈ موٹر بیچ رہا ہے ان میں بعض ۱۹۶۹ء کے ماڈل بھی ہیں ۱۹۶۸ء تو ردی کے بھاؤ مل جائے گا تیس پینتیس ڈالر نقد باقی اتنے ہی کی قسطیں اورزیادہ پرانی ہو جائے تو لوگ چپکے سے اسے کوڑے کے ڈھیر پر چھوڑ آتے ہیں ایک ہم ہیں کہ شمس زبیری صاحب ۱۹۲۹ء کی فورڈ میں ہمیں حقارت سے پیدل چلتے دیکھتے گزر جاتے ہیں ہاں تو یہ صاحب کہہ رہے ہیں کہ ہم یہ کاریں گھاٹا کھا کر بیچ رہے ہیں کیونکہ ہم اپنی موجودہ جگہ کو چھوڑ کر شہر ہی میں دوسری جگہ جا رہے ہیں اس جھوٹے سے پوچھا جائے کہ کاریں کوئی کھڑکیاں دروازے نہیں نہ الماریاں ہیں جہاں جا رہے ہو انھیں بھی لے جاؤ گھاٹا کیوں کھاؤ خلق خدا کا فائدہ ہی کیوں ایک میرا ہی بھلا ہو مجھے منظور نہیں ایک اشتہار سن ہم الیکٹرک ٹوتھ برش کا تھا جس کے متعلق دعوی کیا گیا ہے کہ یہ دوسرے ٹوتھ برش کے مقابلے میں دانت

۴۲ فیصدی زیادہ صاف کرتا ہے چالیس یا پچاس فیڈ نہیں تا کہ آپ اسےمحض اندازہ نہ سمجھیں بلکہ ۴۲ فیصدی ایک کلی کرنے کے محلول کا اشتہار بھی تھا اس سے کلی کرنے سے منہ سےخوشبودار ہوجاتا ہے کہ محبوب قدموں میں آن گرتا ہے یعنی یہاں کے رواج کے مطابق لب بہ لب ایک تو کتوں کی خوراک کے بارے میں تھا دوسرے پروگراموں میں توٹھیک یہاں خبروں کے بیچوں بھی اشتہار دیئے جاتے ہیں ابھی اس ہفتے یہاں کا ایک حادثہ ہو گیا ہے نیوز ریڈر اعلان کررہا تھا کہ ستر آدمی ملبے میں دب گئے ہیں اور تازہ اطلاع کےمطابق یہاں کٹ اوراشتہار شروع کہ آپ ہی پر گریں گے ۔۔۔نیز ریڈرپھر نمو دار ہو کر خبر مکمل کرتاہے کہ خیال کیاجاتا ہے وہ سب کے سب مر گئے ہیں لہذا تلاش ختم کی جارہی ہے ۔۔

آج یہاں کی زندگی کے دو تجربے اور ہوئے باری صاحب کو اپنے بچے کےپراجیکٹر کے لئے ۸ملی میٹر کی فلمیں چاہیئے تھیں یہاں آس پاس کئی دکانیں ہیں جن کے باہر آرٹ فلمز لکھا تھا دکاندارنےفورا ایک نکال کر دکھائی خالص عریاں عریاں بھی ایسی کہ ۔۔۔۔۔ باری صاحب نے کہا نہیں نہیں دوسری نکال لایا جس میں صرف عورتیں ہی ننگی نہ تھیں بلکہ مرد بھی اوراس فلم میں ظاہر ہے وہ خالی دھوپ نہیں تاپ رہے تھے باری صاحب بولے بابا عریاں اور جنسی تصویریں نہیں چاہیئں ایسی فلمیں کہ گھر میں سبھی دیکھ سکیں بچے بھی عورتیں بھی دکاندار ہنسا اور بولا اچھا وہ بچوں والی جس میں مناظر ہوتے ہیں ہوائی جہاز وغیرہ ہوتے ہیں وہ یہاں نہیں ملتیں ہم نے ارد گرد نظر دوڑائی آوے کا آوا ہی بگڑا ہوا تھا ایسی ہی دیدہ زیب تصویریں رسالے اور کتابیں ہر طرف بھرے تھے اور اور اس قسم کی دکانوں سے یہ سارا علاقہ پٹا پڑا ہے ۔

صبح ہمیں خط پوسٹ کرنے کے لئے ٹکٹ چاہیئں تھے ہوٹل کے کونٹر پر پوچھا تو انھوں نے کہا وہ مشین دھری ہے اس میں سکےڈالو نکال لو پچیس سنٹ کا سکہ ڈالا مشین نے دس دس سنٹ کے دو ٹکٹ دے دیئے ہم نے سوچا باقی پانچ واپس کرے گی لیکن نہیں پھر دوسرے خانے میں پچیس سنٹ ڈالے تو چھ چھ سنٹ کے تین دے کرچپ ہو گئی ہم نے ہوٹل کاؤنٹر پر شکایت کی کہ مشین خراب ہے وہ شخص مسکرایا بولا

خراب نہیں ہے یہاں یہی دستور ہے یہ خدمت خلق کے لئے نہیں ہے پیسے بنانے کے لئے رکھی گئی ہے ہمیں اپنا کالم پوسٹ کرنے پر پچھتر سنٹ کے ٹکٹ لگانے تھے اس چکر میں پورا ایک ڈالر لگا وقت پیسہ ہے سنتے تو تھے یہاں اس قدر معلوم ہوئی دکاندار سے آپ کوئی چیز نہ خریدیں تو راستہ تک نہیں بتائے گا فیروز سنز کے ڈاکٹر وحید نے ایک بار بتایا کہ ایک شخص سے میری بڑی اچھی خطو کتابت تھی اس نے مجھے ایک روز کھانا کھلایا پھر میں خالی ہوتا تو اس کے دفتر میں جا کر بیٹھنے لگا ایک دو خط بھی اس کی سیکرٹری سے ٹائپ کرائے ایک روز اس نے مجھے خاصی رقم کا بل دے کہ آپ کہ روزانہ یہاں آنے اور مجھ سے باتیں کرنے سے میرے کاروبار میں اتنی رقم کا نقصان ہوا ہے براہ کرم ادا کیجئے باقی رہی دوستی وہ اپنی جگہ ہے اور کھانا جو میں نے کھلایا تھا وہ کاروبار کا حصہ ہے۔

قصہ بریگیڈ صاحب کی جادو شراب کا

جادو شراب ۔۔نے ایک لطیف خوش رنگ جاں بخش مشروب جس میں مشرق کے تصوف دو روحانیت کی خوشبو لبی ہوتی ہے کہا جاتا ہے اس کا نسخہ سکندر اعظم کے زمانے قریبا ۱۹۰ ق م سے سینہ بہ سینہ چلا آرہا ہے روایت کہتی ہے کہ یہ نسخہ اعظم نے ایک ہندوستانی راجہ کو عطا کیا تھا جس نے دریائے سندھ کے بپھرے ہوئے پانیوں سے نکالکر اسے نئی زندگی بخشی تھی یہ نسخہ اس راجہ کے خاندان میں کوئی بائیس سو برس رہا وہیں سے یہ آپ کے میزبان خاکسار بریگیڈ یئر انگل کے ہاتھ آیا ان غیر معمولی اور خفیفہ خدمات کے صلے میں جو ہندوستان کی تقسیم کے وقت اس نے سر انجام دیں یہ لازوال نعمت کہ اب تک کسی خزانے کے ،مول بھی دستیاب نہ تھی اور پینے والے کے حسن اور طاقت میں ترقی کی ضامن ہے جو اب آپ کی خدمت میں پیش ہے ۷۵ سینٹ فی گلاس۔

ہم نے بریگیڈ یئر صاحب سے یہ نسخہ کیمیا کا اشتہار لیا اور تہ کر کے اپنی جیب میں رکھ لیا اور کہا آپ کی عنایت لیکن ہم تو خود مشرقی تصوف اور روحانیت کے نیل کے ماٹ میں سے نکل کر آئے اور پوری طرح وجودی اور شہودی رنگوں میں رنگے ہوئے ہیں اور پھر ہمارے شہر میں طاقت کی ترقی کے لئے اکسیری دواخانے بہت بلکہ سبزے کی طرح روئے آب پر کائی بن کر جم گئے ہیں یعنی ہوٹلوں میں جب جگہ نہ ملی تو فٹ پاتھوں کو گھر لیا ہے اب رہی حسن کی ترقی سواس کی ہم اس کی میں گنجائش نہیں ہے ہوتی تو کراچی والوں کی گورا کرنے کی کریمیں ستعمال کرچکے ہوتے آپ تو بس ہمیں دال روٹی کھلوایئے اور ٹھنڈا پانی پلوایئے ۔

بریگیڈ یئر انگل مشہور ہستی ہے انگریز ہیں ہ،ماری فوج میں ہوتے تھے ہمارے اعلیٰ فوجی افسروں میں سے اکثر ان کی یاد اللہ ہے کا کول اکیڈمی کے کمانڈ نٹ رہے ہیں آج کل سان فرانسسکو میں ایک ریستوران چلاتے اور ساتھ جادو شراب بھی بیچتے ہیں بہت خوش خلق توانا اور تندرست ہیں اپنی جادو شراب کا چلتا پھرتا اشتہار اپنے ریستوران کا نام انھوں نے دی بنگال لانسر رکھا ہے اوراندر باہر بنگال لانسر کے پرچم بھی لہرا رکھے ہیں نیم تاریک ریستوران کے موم بتیوں کے اجالے میں دیواروں پرجا بجا تصویریں لگی ہیں ان کی فوجی خدمات کے دنوں کی ایک دوہندوستانی خدمت گار بھی راجھستانی پگڑیاں باندھے یس سریس سر کرتے پھر رہے تھے یہاں ہمیں پاکستانی تو نصل جنرل انروصاحب ازراہ مسافر نوازی کھانا کھلانے لے گئے تھے اور اس میں کچھ شک نہیں کہ کھانااچھا خاصا تھا یہی قورمہ پلاؤوغیرہ بریگیڈ یئر صاحب بھی تھوڑی دیر کو ہمارے پاس آ کر بیٹھے ہم تین آدمی تھے بیگم و حبیہ ہاشمی اپوا کی کارکن مشرق پاکستان کے وزیر صحت سماجی امور اورلیبر بریگیڈ یئر صاحب سے کہا آپ براہ کرم مہمانوں کے رجسٹر میں دستخط ثبت فرما دیجئے ساری عمر ہ٘ر میرے لئے یہ سرمایہ افتخار رہے گا ہم بریگیڈ ئیر صاحب سے پوچھنا چاہتے تھے کہ وہ خھفہ اورقابل قدر خدمات کیا تھیں جن کیسلے میں اس راجا کے خاندان نے ۲۲سو سال پرانا نسخہ نکال کران کے قدموں میں ڈال دیا لیکن اتنے میں انھیں کوئی اور وی آئی پی غالبا کسی اور ملک کا وزیر صحت سماجی بہبود لیبر دروازے میں داخل ہوتا نظر آگیا اور وہ ہمیں چھوڑ اپنی خیر سگالی کاپاندان اٹھا دروازے پرپہنچ گئے

سان فرانسسکو میں ایک طرح کا سحر اور جاذبیت واقعی ہے اس کے کوچے نیارے اور اس کے خوباں پیارے ہیں لیکن مسافر کوچ کے گھڑیال سے کیسے کان بند کرے پھر کب کون ان گلیوں میں آئے براڈ موے گھومے ساحل کی گشت کرے یہ شہر ہے جہاں کے اقوام متحدہ نے جنم لیا اور جنم لے کر دوسرے ساحل پر نیو پارک میں گھر جا بنایا اس سے کچھ دور لاس اینجلیز ہے لیکن ہمیں ادھر جانے کا اذن نہیں اس کے پاس ہالی ووڈ ہے کہ خضرا ز آب حیواں تشنہ می آرو سکندرا ڈزنی لینڈ بھی کہیں انہی نواحات میں ہے کچھ نہیں دیکھا کچھ بھی تو نہیں دیکھا خیر جاتے جاتے ایک چکر کوچہ پر پیچ rooked lanwc کا اور ایک آخری سیر مچھروں کے گھاٹ کی ایک ڈبکی اور رپلے کے بحر عجائبات میں جس کا ذکر ہم نے اس روز کیا تھا میوزیم ابھی کھلا ہے کوئی یہ تو نہ کہے کہ اس مخزن اسرار کو خود دیکھ لیا ہمیں نہیں دیکھایا

اے صاحبو چیزیں تو ڈھیروں ہیں اور اقابل یقین داستانیں بھی جو رپلے نے جمع کی تھیں بے شمار ان میں سے ایک سنو کہ عجیب ہے والٹر انگرم (۱۸۵۵۔۱۸۸۸ء) اسٹینڈ لنڈن نیوز کا پبلیشر مشہور آدمی تھا ۱۸۸۴ء میں لارڈ ولز جو مہم لے کر خرطوم گیا اس میں یہ بھی تھا پورٹ سعید میں اسے ایک عرب گدا گر ملا جس سے اس نے ایک قدیم مصری شیزادی کا ممی شدہ ہاتھ خریدا اس ہاتھ کی ایک انگشت میں ایک انگوٹھی بھی تھی اور کلائی کے ارد گرد ایک بازو بند جس پر ہیرو خلانی حروف میں یہ بد دعا رقم تھی ۔

جو شخص اس لاش کو چھیڑنے کی جرات کرے گا اور اس کی ہڈیاں کسی دور دیس لے جائے گا اس پر تین لعنتیں تین تباہیاں نازل ہوں گی ۔آگ۔سیلاب۔ اور گشت وخون ۔۔آخر میں وہ اذیت ناک موت مرے گا اس کی ہڈیاں کہیں نہ ملیں گی اور وہ ہوا کی طرح چار کوٹ میں بکھر جائیں گی ۔

چند ہفتے کے اندر ہی نگرم کا گھر سیلاب میں تباہ ہوگیا اس نے پھر تعمیر کیا تو سال بھر بعد آگ نے اسے پیوند زمین کر دیا اس کے تیسرے گھر میں اس کے ایک جگری دوست کا قتل ہوا اس کی پشت میں قاتل کا چاقو ترازو پایا گیا اس کا اپنا انجام یہ ہوا کہ افریقہ میں شکار کھیلتے ہوئے ایک خونی ہاتھی نے اسے آلیا اور

اس کی ہڈیوں کو سرمہ کر دیا داستان یہاں آویزاں ہے اور اس بازو کاایک مٹھی مرلش میوزیم میں آخر فنا آخرفنا نہ صبر در دل عاشق نہ آب در غربال لیکن یہاں ایک ایسی چھلنی بھی دیکھی جس میں سے پانی نہیں گرتا ایک دھات دیکھی ایسی نرم کہ ابلے پانی میں پگھل جائے ایک لوہا دیکھا کہ پانی پر تیرتا ہے آپ نے جل پری یعنی میمیڈ کا ذکر کتابوں میں پڑھا ہوگا یہاں ایک نمونہ رکھی ہے اوپر کا دھڑ انسان نما بلکہ بندر نما نیچے مچھلی لکھاہے کہ ایک بحری نے اسے ۱۸۱۷ء میں کلکتہ میں خریدا تھا لیکن پر رکھنے والوں نے حکم دیا کہ جزائر کی یہ آبی مخلوق محض ڈھکو سلاہے کسی شاطرنے کسی بندرکا دھڑ لے کر مچھلی کے پائیں سے اس طور جوڑا تھا کہ ٹانکے نہ نظر آتے تھے آگے چلئے تو چارلس ورتھ کاموی پیکر کھڑا نظرآئے گا جس کے چار سال کی عمر میں داڑھی مونچھیں نکل آئی تھیں پانچ سال کی عمر میں چہرے پر جھریاں پڑ گئیں اور چھٹے سال میں اس کی آواز اور چال ڈھال میں بڑھاپے کی لرزش نمایاں ہوگئی سات سال کی عمر میں یہ جواں پیر مرد سال خوردگی کے ضعف سے دوسری دنیا کوسدھار گیا اس پر لیبل ہے وہ طفیل خورد سال جو بڑھاپے کی موت مرا۔

عقوبت و اذیت کے آلات اور دوسرے قابل یقین عجائب کے پاس سے گزرتے ہوئے جو رپلےصاحب نے ۱۹۸ ملکوں کی سیاحت میں جمع کئے تھے آپ باباسنگل والا کی شبیہ کے پاس جا کر رکتے ہیں گائیڈ بک کی عبارت کے مطابق ان کا نام نامی صاحب اللہ شاہ تھا اور یہ لاہور واقع انڈیا کتاب میں جو اسی سال کی مطبوعہ ہے یہی لکھا ہے میں بابا سنگل والا کے نام سے مشہور تھے کیونکہ ہمیشہ آہنی زنجیروں میں ملبوس رہتے تھے انھوں نےخودکو بچپن ہی سے زنجیروں کے جال میں جکڑنا شروع کر دیا تھا اور اضافے پر اضافے کرتے ہوئے آخر میں اس بوجھ کوآٹھ من تک پہنچادیا تھا پنجزب پولیس ان کے پیچھے پیچھے رہتی تھی اب یہ کہنامشکل ہے کہ اس بیان میں حقیقت کتنی ہے اورافسانہ کتنا آخر رپلے تھا تو ہماری طرح جرنسٹ ۔۔۔وہ بھی امریکہ کا ۔

۱۹۷۰ء کا سفر

آوارہ گرد کی ڈائری

ان تین سال میں کہ لندن نہیں آئے لوگوں نے ہماری غیر حاضری کا بہت فائدہ اٹھایا ہے نئی نسل تو بالکل ہی ہمارے ہاتھ سے نکل گئی ہے اور ہمارا خیال ہے اسے راہ راست پر لانے کے لئے ہمیں بہت کوشش کرنی پڑی بلکہ آسان تر راستہ یہ مرعلوم ہوتا ہے کہ ہم خود ہی راست پر آجائیں خود اسی ہجوم میں شامل ہو جائیں طبی طبیعت میں ہماری شاعری اور وارفتگی جوگ اور بجوگ پہلے سے وافر مقدار میں موجود ہیض ایک فقط گل مجھے بڑھانے بال بکھرانے اور لانبا چوغہ زیب تن کرنے کی بات ہے ایسی سج دھج ہم نے پہلے نہ دیکھی تھی جو کبھی کسی شخص کا نقشہ آپ تصور میں لا سکتے ہیں وہ تو موجود ہے اور اس کے علاوہ بھی عجب عجب سے اور طرح طرح کے ملبوس دیکھنے میں آئیں گے پہلے لوگ نظر اٹھا کر دیکھتے تھے اب دیکھتے بھی نہیں منی اسکرٹ وغیرہ اب پرانے زمانے کی چیزیں ہیں ڈراموں میں عریانی تصویروں والے رسالوں اور کتابوں کی فروخت جن کا اب تک شگاگو اور سان فرانسسکو میں چلن تھا بیشک ان دو تین سال کی پیداوار ہے لیکن تصویروں پر رال ٹپکانے کی اب حاجت نہیں آب آمد تیمّم برخاست لباس بھی ڈھیلے ڈھالے ہیں اور وہ جامہ بھی جسے ہم اخلاق کہتے ہیں اچھی بات یہ ہے کہ یہ جوڑے جو طرح طرح کے تھیلے لئے اور مونچھیں لٹکائے اور لمبی لمبی عبائیں قبائیں پہنے گھومتے ہیں کسی کا کچھ نہیں لیتے ان میں امریکہ والی سرشوری قطعی نہیں ہے پھول اور مٹکے بھی اب کہیں کہیں ہیں اب تو وارفتگی صحیح معنوں میں طبیعتوں میں رچ گئی ہے لباس تک محدود نہیں رہی ان لوگوں کے چہرے مہرے دیکھئے کہیں ن، مائش ذنمود کی رمق نہ ملے گی یہ پرانی روایتوں کے خلاف بغاوت ہے کسی کو خیال نہ تھا کہ یہ اتنی جلد پھیلے گی اور اتنی دور تک سرایت کر جائے گی سر بازار چوما چاٹی کو جانے دیجئے کہ سوائے ہمارے ملک کے اور سب جگہ رواج ہے بس ہمارے ملک میں خبریں چھپتی ہیں کہ

ایمپریس مارکیٹ پر مسمی اورمسمارہ فلاں بوس وکنار کرتے یا دعوت گناہ دیتےہوئے پکڑے گئے یہاں یہ معمو لات میں داخل ہے آپ سامنے بیٹھےرہیئے آپ سے کیاپردہ ہمارا اندازہ ہےکہ یہ سوٹ بوٹ جو ہم ڈانٹے پھر تے ہیں اورجو انگریز کے لئےاٹھرویں صدی سے اب تک نمبرلہ ایمان رہا ہے کوئی دن کی بات ہے کہ لوگ گھروں می پہنا کریں گے آکسفورڈ اسٹریٹ پرگائی والوں کی دکان ٹائیوں کے لئے مشہور ہے اب کے ہم ساری دکان بھی گھوم گئےکہیں اس قسم کی ٹائیاں نہ میں جہیسی ہم پہنتے ہیںؒ یاہمارے ملک والے پہنتے ہیں اب توپھولدار قمیضیں اورپھولی پھولی موٹی گانٹھوں والی پھولدار ٹائیوں کا رواج ہے وہ بھی اگر آپ کو ضرور ہی ٹائی پہننی ہے ومیصیں بھی ایک گلابی اور نارنجی زیادہ ملیں گی سیسی قمیصیں چاہیئں جیسی ہم ۱۹۶۷ء میں لےگئے تھے توچراغ رخ زیبالے کر ڈھونڈیئے بہت سے آزادمنشوں کو تو ہم نےدیکھا کہ جوتا پہننا بھی چھوڑ دیاہے میلے میلے پاؤں گھسیٹتے جارہے ہیں مستانہ بھی اور مستانی بھی۔

اے صاحبو جہاں قدامت زیادہ ہوجاتی ہے وہاں بغوت کے اکھوے بھی زیادہ پھوٹتے ہین کیونکہ یہ انگریز بہادرہی تھا کہ تنہاجنگل میں خیمے میں بھی کھانا ڈنرجیکٹ زیب تن کئے بغیر نہ کھاتا تھا اور اسی کی برکت ہے کہ ایک ہم کراچی کےمڈوے ہاؤس میں بغیر ٹائی کے کھانا کھانے چلے گئے تھے تونہایت نرمی اور اخلاق سے نکال دیئے گئے تھے سچی بات تو یہ ہےکہ اس سج دھج کے لوگ ہمیں اب اچھے لگنے لگے ہیں ان کے چہروں پرسادگی اورخلوص زیادہ ہے رنگین پاجامے ،کالے اسکرٹ ٹخنوں کو چھوتے ہوئےبستر بستے ایک سے ایک گل پیرہن ایک سےایک کجکلا ہ اگرکوئی لڑکی یا لڑکا اس لباس میں نظر آئے جسے ہمارے ہاں بھلے کا لباس کہا جاتا ہے تولوگ انگلیاں اٹھاتے ہیں دیوانے اتنے ہوگئے ہیں کہ فرزانے کونوں کھدروں میں چھپے جا رہے ہیں ہم ایک بار پھر کہیں گے کہ یہ اچھا ہی ہےرسوم وقیود کے خمار کی سر گشتگی کے ڈانڈےمنافقت سے ملے رہتے ہیں اور مہنگائی اے دوستو یہ غریب پرور شہر اب غریب پرور نہیں رہاانڈرگراؤنڈ یعنی ٹیوب کاٹکٹ جو چارپنس یا چھ پنس میں آتا ہےاب دو شلنگ میں آتا ہے کپڑوں اور جوتوں کے دام دگنے ہوگئے ہیں کمروں

کے کرائے بھی چڑھ گئے ہیں پچھلی بار ہم آٹھ پونڈ ہفتے کے کمرے میں رہتے تھے جس کے کونے میں بھی تھا اب کے پندرہ پونڈ ہفتے کے کمرے کا وہ احوال ہے کہ کبھی بتکدے میں کریں بیاں تو کہے صنم بھی ہری ہری دنیا جہاں کے ٹورسٹوں نے لندن پر دھاوا بول دیا ہے سنا ہے کہ آج کل کرائے اسی آسمان سے باتیں کر رہے ہیں ہم جیسے بے استطاعتوں کے لئے یہ بہت ہے حالانکہ اسی شہر میں ایسے پاکستانی بھی آئے ہوئے ہیں جو سو پونڈ ہفتہ فلیٹ کا کرایہ دیتے ہیں عیش کوشی میں بابر کی قبر پر لات مارتے ہیں اور پھر پاکستان چلے جاتے ہیں خدا ان کو یہ سب مبارک کرے لیکن حلال کی کمائی میں تو یہ اللے تللے نہ ہو سکتے ہیں اب کچھ میر کے گھر کا حال بھی سنئے جایئے ارل کورٹ کے ٹیوب اسٹیشن کے عقبی راستے سے نکلیئے تو نیم دائرے میں فل بیچ کارڈنز کا محلّہ ہے انگریز بھی خوب آدمی ہیں جہاں دو پتیاں گھاس اس کی ملیں اسے گارڈرز کا نام دے دیا اتفاق سے یہاں وہ بھی نہیں اس نیم دائرے کے بیچ جا کر فل بیچ ہوٹل ہے اور اس فل بیچ ہوٹل کو آج ہمارا دولت خانہ یا اس کے سامنے سامان جاکر اتارا اور کونٹر پر جا کر کہا تو اسی وقت ٹھنکا تھا جب ہم نے اس کے سامنے جا کر اتارا اور کونٹر پر جا کر کہا کہ ذرا پورٹر کو بھیجئے سامان اٹھا لائے اور کمرے تک پہنچا دے جواب ملا ہمارے ہاں کوئی پورٹر نہیں ہے اس کے بعد مینجر صاحب ہمیں کمرہ دکھانے کے لئے کھٹ کھٹ سیڑھیاں نیچے اتر گئے یہ تہہ خانہ تھا اور اس میں دھوبیوں کی گھٹڑیاں بکھری ہوئی تھیں اور کوئی شخص لکڑی چیر رہا تھا اور ایک کمرے پر ۳ لکھا تھا کہ ایک کولکی ہے کوئی چھ فٹ عرض کی طول اس سے دو فٹ زیادہ اس میں ایک طرف کو مسیری پڑی ہے اور کونسے میں منہ ہاتھ دھونے کے لئے بیسن کا انتظام ہے کرسی بھی اس کمرے میں ضرور ہوتی بشرطیکہ رکھنے کی گنجائش ہوتی ہم نے مینجر صاحب سے کہا حضرت اس حجرے میں تو ہم نہیں رہ سکتے بالا جناب یہاں تو یہی ہے گر قبول افتد زہے عزو شرف چونکہ تنخواہ نہ بڑھائے جانے کی صورت مین ہم اسی تنخواہ پر کام کرنے والے آدمی ہیں لہذا اپنے کروفر اور عالی دماغی سمیت یہیں فروکش ہوگئے دیکھا کہ ایک کھڑکی بھی ہے یہ ایک پچھواڑے میں کھلتی تھی اور اس کے اندر

ہمیں کوڑے کے ڈرم نظر آئے آخر ہم نے کھڑکی کو بند کیا اور پردہ ڈال دیا اور ادھر سے بالکل ہی آنکھیں پھیر لیں گے آخر ہمارے پیر مرشد حضرت میر تقی میر بھی یہی کرتے تھے ان کے لئے کھڑکی اور دریچے کا کچھ مصرف نہ تھا ہم اسے کھول کر کیا کرتے ۔

ہم نے دروازہ بند کیا اور کھڑے ہو کر کمرہ کا جائزہ لیا تولیہ تھا لیکن تولیہ ٹانگنے کی جگہ نہ تھی ۔

کیا دیکھتے ہیں کہ دیوار پر ایک ریڈیو نما نصب ہے اوراس میں طرح طرح کے بٹن لگے ہیں پہلے ہم سمجھتے کہ ہماری حرکات وسکنات پر نظر رکھنے کے لئے کمپیوٹر کا انتظام کیا گیا ہے حالانکہ اس کمرے میں سکنات ہی کی گنجائش تھی کسی قسم کی حرکات کا سوال نہ تھا غور سے دیکھنے پر ایک تحریر بھی نظر آئی سرپرستوں سے گزارش کی جاتی ہے کہ ان کواسکاچ ہسکی کی طلب ہو تو ڈہنی طرف کی دراز کو دبا کر اپنی طرف کھینچیں فوراد ہسکی کی بوتل حاضر ہوجائے گی جن صاحبوں کو جن مطلوب ہو وہ بائیں ہاتھ کی دراز سے یہ خدمت لے سکتے ہیں کمرے سے باہر نہیں جانا پڑے گا اور قیمت خود بخود اوپر دفتر میں آپ کے بل پر درج ہوجائے گی۔

ہم نے کہا یہ تو بڑی مفید ایجاد ہے آپ مسافروں کے آرام کا بہت خیال رکھتے ہیں کوئی ایسا بٹن بھی ہے جسے دبانے سے پانی نکلتا ہو کیونکہ پانی پینے میں ہم بلا نوش مشہور ہیں ۔

خم کے خم لنڈھاتے ہیں ،،

مینجر نے کہا ،،جی نہیں پانی اس میں سے نہیں نکلتا اس کے لئے نلکہ موجود ہے ۔

ہم نے کہا ،،باتھ روم ہمارا کہاں ہے ؟

مینجر نے کہا ،،باتھ روم ؟ اور پھر ہنسا یعنی یہ منہ اور مسور کی دال

لندن میں کوئی شخص نہانے کی بات کرے تو سمجھو کہ لندن کا نہیں لندن کے باہر کا ہے یوں تو لندن میں اب لندن کا رہ کون گیا ہے راستہ پوچھو تو مخاطب یہی کہیں گے کہ معاف فرمائیے میں بھی اجنبی ہوں

کیا آپ مجھے فلاں روڈ کا روستہ بتا سکتے ہیں کوئی دن میں لندن میں انگریزوں کا وہی حال ہوگا جو امریکہ میں قدیم باشندوں کا اور ہندوستان میں دراوڑوں کا ہوا بوہر دھکیل دیئے جائیں گے ہاں تو ذکر نہانے کا تھا ولایت والے یہ آزاد کم پالتے ہیں ابھی کل ہی فلیٹ اسٹریٹ جاتے ہوئے ڈاکٹر جانسن کے مکان پر جا نکلے ڈاکٹر جانسن کو آپ جانتے ہیں مصنف کتب کثیرہ جس کی ڈکشنری بھی مشہور ہے ہم نے سارا مکان دیکھ ڈالا واقعی بہت آرام دہ ہے اس زمانے میں تیس پونڈ سالانہ کرایہ تھا جو ہمارے مذکورہ بالا کمرے کے دو ہفتے کے کرائے کے برابر ہے باقی تمام انتظامات تو تھے لیکن پورے مکان میں غسل خانہ کوئی نہ تھا ہم نے مکان کی نگران صاحبہ سے پوچھا کہ غسل خانے کے بغیر گھر بولیں اس زمانے کے لوگ نہاتے کہاں تھے ۔۔بس پوڈر چھڑک لیتے تھے دیگر حاجات ضرور یہ کا پوچھا تو معلوم ہوا پردہ لگا کر برتن رکھ لیتے ہوں گے قرون وسطے میں تو سچے عیسائی کی نشانی یہ تھی کہ کبھی نہ نہاتا ہو اگر کوئی ہفتے کے ہفتے باقاعدگی سے نہانے والا ہو تو اسے مسلمان سے تشبیہ دیتے تھے اور موقع ملے تو پکڑا کر ایذا کی مشین سے بھی باندھ دیتے تھے ڈاکٹر جانسن کے ایک کمرے میں ارل آف چیسٹر فیلڈ کی تصویر بھی لگی ہے ان رئیس صاحب سے جانسن کو بہت توقعات تھیں کہ ڈکشنری کے سلسلے میں مالی مدد دیں گے انھوں نے کوئی اعتبانہ کی تا آنکہ یہ کام اختتام کو پہنچا اور اس کی شہرت ہوئی اب یہ صاحب متمنی ہوئے کہ چہ دادو دہش کریں اور ڈکشنری کا انتدساب اپنے نام کرائیں جانسن نے اس پر ۷ فروری ۱۸۵۵ ئکو جو خط جناب ممدوح کو لکھا وہ مشہور ہے ،،

مائی لارڈ سات سال تک میں آپ کی عنایات کا متمنی رہا جاتا تھا اور آپ کی ڈیوڑھی سے محروم ملاقات واپس آجاتا تھا آپ کے در دولت کے بے شمار پھیرے کئے ۔اس دوران میں اپنے کام میں جٹا رہا اور اس کی مشکلات کا بیان لا حاصل سمجھتا ہوں اب میرا سفینہ کنارے پر آ لگا ہے اس دوران میں تو آپ نے مدد کے لئے انگلی تک نہ اٹھائی حوصلہ افزائی کا ایک بول نہ بالا التفات کی ایک نظر نہ کی اور اب ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

معلوم ہوتا ہے پیسے والوں اور علم والوں کے درمیان ہمیشہ اور ہرجگہ اسی وسم کا رشتہ رہا ہے یہ تحریر پڑھ کر ہمیں فرہنگ آصفیہ والے سید احمد دہلوی بہت یاد آئے وہ لغت نگاری میں اردو کے ڈاکٹر جانسن ہی تو تھے ان کی لعنت صرف لفظوں کی کہانی نہیں ان کی اپنی روداد بھی ہے ۔

لندن میں ہرے رام وغیرہ

آج جو آکھفورڈ اسٹریٹ سے ہمارا گزر ہوا تو کانوں نے ایک عجیب آواز سنی اور آنکھوں نے ایک عجیب منظر دیکھا ایک انگریزی بہادر۔ در منڈا ہوا بیچ میں ہی لا بنی اور مرے ہوئے چوئے کی طرح پھولی ہوئی چوٹی گیردا دھوتی زیب تن جس کا پلو ہر دورا کے پنڈتوں کی طرح پیچھے اٹسا ہوا ڈھولکی بجاتے اور جھومتے چلے جا رہے تھے انکے پیچھے دوسرے انگریزی عینک پوش اسی ہیئت یا بدہیتی میں جھانجھجاتے اور مٹکتے ہوئے گھٹنوں کو خم دیئے کبھی ذہنی طرف بوجھ ڈالتے ہوئے کبھی بائیں رخ جھکتے ہوئے دونو ہرے رام ہرے رام اور نہ جانے کیا کیا اپنی دانست میں سنسکرت کے اشلوک جاپتے ہوئے ان کے پیچھے اورآگے ایک ایک آدمی اسی وضع قطع کا پمفلٹ باٹتا جارہا تھا لوگ ایک نظر دیکھتے اور مسکرا کر گزرجاتے ایک پمفلٹ ہماری طرف بھی بڑھایا ہم نے کہا یہ کیاہے بولے اوم شانتی شانتی ہم نے کہا کتے کی ہے اوم شانتی شانتی بولے وقت تو کچھ نہیں لیکن قدر دانون سے چندے اوردان کی توقع کی جاتی ہے ہم نے لے کے دیکھا کچھ بھی نہیں تھا اوپر ایک سوامی جی کی تصویر تھی ننگی تو ند لئے آلتی پالتی مارے آنکھوں میں خمار جو روحانیت کا تھا پھر پر خوری کا تھا کچھ اور اق ہندو نصائح کے سائیکلو سٹائل کئے ہوئے یہ تماشا اورایسے تماشے یہاں بہت ہیں جو چیز ان لوگوں کی سمجھ میں نہ آئے اس سے یہ رعب کھا جاتے ہیں یہا ں بہت سے سوامی اور ہڑ پوپو اڈے جمائے اور مٹھ بنائے بیٹھے ہیں بنکوں اور پونڈوں کی تھیلاں جمع کئے جارہے ہیں یوگا کاروبارایسا پھیلایا ہے کہ انگریز اپنے نصاب شامل

کر رہے ہیں ہرے ہرے رام ہرے رام روٹی کھائیے شکر سے دنیا کھائیے مکر سے ۔

اب سردی چمک رہی ہے کئی دن سے بارش ہو رہی ہے بارش یہاں موسلا دھار نہیں دیکھتی بوندا باندی کبھی اس سے کچھ زیادہ یاد رہے کہ ہم نے کمرہ بدل لیا ہے اسی ہوٹل میں دوسری منزل پر چلے گئے بہت غنیمت ہے یہاں آکر ہم بھی انگریزوں کا رنگ چڑھ گیا مثلا کئی نہ نہانا ۔ چھاتا لے کر چلنا ۔اخبار خرید کر پڑھنا وہ تو ہمارا رنگ ذرا سا میلا نکل گیا ورنہ انگریز مجبور کرتے کہ یہیں رہ جاؤ رین کوٹ اور چھرتی یہاں کے لوگوں کا لازمہ طبیعت بن گیا ہے گھر میں ایک سے دوسرے کمرے میں بلکہ غسل خانے میں بھی جائیں تو برساتی اور چھتری کے بغیر نہیں جاتے اور نہ پڑھنا ہو تب بھی اخبار خریدتے ضرور ہیں۔

پاکستان میں کیا ہو رہا ہے برطانوی اخبارات سے آپ جان سکتے ان دو ہفتوں میں ہم سارے اخبار دیکھتے رہے کہیں ہمارے ملک کا ذکر بہ بدی بھی نہیں آیا پچھلا ہفتہ تو ہائی جیکنگ کی خبروں میں گزر گیا اب ایک مقدمہ ہے جس کی رو داد صفحے کے صفحے گھر رہی ہے گزشتہ جنوری کی بات ہے ہفتہ وار اخبار نیوز آف دی ورلڈ کے ڈپٹی چیئرمین مسٹر کیگی کی بیگم غائب ہوگئیں بعد میں ان کو نامعلوم لوگوں کی طرف سے دھمکیاں موصول ہوئی کہ دس لاکھ پونڈ ادا کرو تو چھوڑیں گے پولیس کو اطلاع دی گئی حسب ہدایت دو سوٹ کیسوں میں نوٹ بھر کر (اوپر اصل نوٹ باقی گڈی میں خالی کاغذ) مقررہ جگہ پر رکھے بھی گئے لیکن کوئی لینے نہ آیا پولیس نے بڑی روڈ دھوپ کے بعد دو آدمیوں کو گرفتار کیا ایک کا نام اخبارات آرتھر حسین لکھتے ہیں غالبا اطہر حسین ہوگا اور دوسرا اس کا چھوٹا بھائی نظام دین ۔ٹرینی داد ٥(جزائے غرب الہذ) کے رہنے والے اس برصغیر سے گئے ہو ں گے اس لئے اخبارات ان کو انڈین لکھتے ہیں یہ لوگ جلد از جلد لکھ پتی بننا چاہتے تھے اور یہ سن کر کہ نیوز آف دی ورلڈ کا چیئرمین مرڈوک بہت امیر آدمی ہے اپنی دانست میں اس کی بیوی کو اغوا کیا تھا شومی قسمت کہ مرڈوک آسٹریلیا چھٹی چلا گیا تھا اور کار جس کی نشانی ان بھائیوں نے رکھی تھی مسٹر میکی کے استعمال میں تھی معلوم ہوتا ہے مویوس ہوکر ان لوگوں نے مسٹر میکی کو قتل کر دیا اس قسم کے واقعات ہی سے تارکین وطن کے خلاف نفرت کی آگ بھڑکتی ہے خدا کا شکر ہے اخباروں نے ملزموں کو پاکستانی نہیں لکھا ۔

یہاں وطن عزیز کی خبروں کی بڑی طلب رہتی ہے کبھی کہیں جنگ اخبار مل جاتا ہے لیکن دو تین دن کی تا خیر سے آج پڑھا تو معلوم ہوا کہ قیامت خیز بارشوں کا سلسلہ جاری ہے ہم اسے اپنی تر دامنی کا شاخسانہ جانتے تھے لیکن اب تو ہم کو کراچی چھوڑ دو ہفتے سے زیادہ ہوگئے ہیں اور ہمارے حصے کی بارش یہیں بہت ہو رہی ہے یہاں سے جو ہفتہ وار اخبارات نکلتے ہیں وہ پاکستان کی خبروں کا خلاصہ دیتے ہیں اور چونکہ ان سے وطن کی مٹی کی خوشبو آتی ہے اس لئے جہاں مل جائیں لوگ خرید تے ہیں مشرق ان میں سب سے پرانا ہفتہ وار ہے یہ لندن سے نکلتا ہے ایشیا بھی جو بر منگھم سے نکلتا ہے خاصا پرانا ہے اخبار وطن اسی انداز کا ہے لیکن نسبتہ حال کی پیداوار ان کے علاوہ نوٹنگھم سے آفاق نام کا ماہوار رسالہ اور برمنگھم سے تصویر نکلتا ہے ایک رسالہ جدید ڈائجسٹ کے نام سے بھی نکلتا ہے سنا ہے ہم نے دیکھا نہیں ہے بعض جگہوں پر پاکستان کے کچھ رسالے بھی آتے ہیں اور کتابیں بھی جن کے اشتہارات ان پرچوں میں چھپتے ہیں اب لندن سے اردو کا ایک روزنامہ جنگ نکلنے والا ہے برطانیہ کا شیر بڈھا ہو کر اور سیاس ہوگیا ہے لیکن سیانا کوا بھی کبھی وہ چیز بھی کھاتا ہے ---

عربوں اور لیلی خالد کے معاملے میں یہی ہو رہا ہے لیلی خالد کو چھوڑنے میں لیت دلعل کی اور جہاز گنوایا کچھ ہاتھ نہ آیا پچاس جوتے کھالیئے اب پچاس پیاز بھی کھائے گا تو اس کو چین آئے گا۔

پچھلے دنوں یہاں کامن دیکھ کی کتابوں کی نمائش ہوئی بلکہ نام کتاب میلے کا تھا ہم کو بھی بلایا تھا ہم بھی گئے دیکھا کہ پاکستان کے نام سے فقط پانچ کتابیں رکھی ہیں ان میں ایک ہیکٹر بولیتھو کی سوانح قائداعظم ،ایک آئن اسٹیفنز کی کتاب عارف ایک روکتا بچے زراعت وغیرہ پر کسی سرکاری محکمے کے چھاپے ہوئے اور ایک کتاب عارف حسین صاحب کی پاکستان کی آئیڈ مایوجی اور خارجہ پالیسی کے موضوع پر اللہ خیر سلا ہندستان کی کتابیں اس سے دس گناہ زیادہ تھیں لیکب زیادہ زور اب افریقہ پر ہے ہم تو اب کامن دیکتھ کے پانچویں سوار ہیں زیادہ تیل افریقہ کے تلوں ہی میں ہے نہ صرف نیا لٹریچر افریقہ پر ڈھیروں ہے بلکہ پچھلی صدی کی لکھی ہوئی کتابیں بھی دوبارہ چھاپ دی ہیں زیادہ تر غلامی کے موخوع پر ان کے دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ کس افریقہ

ظلمات کی زندگی بسر کر رہا تھا کس طرح انگریز آئے اور اسے غلامی سے نجات دلائی انفرادی غلامی سے۔ شاہی لٹ گئی تو کیا ہوا ابھی اس کے ادب آداب باقی ہیں ہم جو کامن دیلتھ انسٹی ٹیوٹ کی رفیع الشان عمارت میں داخل ہوئے تو دس دس گز پر روایتی وردیوں والے انگریز چاؤش کھڑے تھے ایک نے آہستگی سے نام پوچھا اور پھر با آواز بلند پکارا مسٹر انشا فرام پاکستان اس پر ایک صاحب بہادر آگے بڑھے اور بڑے اخلاق سے ہمارا پنجہ چھو کر ہاؤ یو ڈو کیا ہم نے بھی کہا ۔ ہاؤ ڈو یو ڈو مسٹر جان بل راضی باضی بیوی بچے تو خیریت سے ہیں ہور کی حال اے ۔

موم بتی کی تلاش

لندن میں چاندنی راتیں نہیں ہوتی یہا ں ایسی ضرورت بھی ہوتی چاند اور چاندنی کو تو مہجوری اور رنجوری والے دیکھا کرتے ہیں چاند بیشک یہاں بھی نکلتا ہے لیکن چاندنی کو یا تو بادل روکے رکھتے ہیں یا شہر کا دھواں یا بجلی کی چکا چوند یہاں چاند کے ذریعے محبوب کو پیغام بھیجنے کا رواج نہیں اور نہ کوئی حسن لب بام کو آزردگی سے تکتا ہے کہ نہ بزوری نہ بزاری نہ بزرمی آید ۔۔چوما چاٹی سر بازار بھی ہے اور بسوں ٹرینوں میں بھی کسے رابا ،کسے کارے نہ باشد عاشقی کا یہ ہے کہ اپنی اپنی پسند کی بات ہے تو نہیں اور سہی یہ نہیں کہ میاں مجنوں کی طرح محمل کے پیچھے بھاگے جارہے ہیں اور سوکھ کر کانٹا ہوئے جا رہے ہیں ہندوستان میں آج بھی بحث بھی چل رہی ہے کہ فلموں میں بوسہ بازی کی اجازت ہونی چاہیئے یا نہیں پاکستان میں تو یہ بحث شروع بھی نہیں ہوئی یہا ں جسمانی ملاپ کے تمام مرحلے فلم میں دیکھ لیجئے اور اسٹیج پر بھی آج کل فلم کام سوئر یہاں کے ایک سینا میں چل رہی ہے یہ فلم پنڈت کوکا کی بنوئی معلوم ہوتی ہے اور اس میں کام کرتے ہیں سعید جعفری اور چترا کام سے مطلب کوئی ہے کام دیوتا والا کام ۔ ہیروئن ایک صاحبہ ہیں چترا اس فلم کے ہیرو سعید جعفری سے

ہماری اب کے تو نہیں پچھلی بار ملاقات رہی ہونہار نوجوان میں ہمیں انھوں نے تھیٹر بھی دکھایا تھا یہ اور یہ ہیروئن دونوں ہندوستان کے متوطن ہیں اس فلم میں کام کرنا انھوں نے کیسے گوارا کیا یہاں آ کر سارے حجابات اٹھ جاتے ہیں سعید جعفری کو آپ لوگوں نے بھی دیکھا ہوگا پچھلے دنوں ٹیلی ویژن پر پیسج ٹو انڈیا دکھائی گئی ہے اس میں یہ وکیل بنے تھے کل ہمارے ایک میزبان نے ریمی نامی کھیل بھی دکھایا کھیل کیا ہے انسانی جسم کے خطوط کجدار و مزید دکھانے کا بہانہ ہے سچ یہ ہے ہمیں پسند نہیں آیا مشرق کے بہت سے مسکینوں کا دل جو مغرب میں جا اٹکتا ہے اس کی ایک وجھب یہ بھی ہے ۔

یہا ں لوگ برسوں سے پڑے ہوئے ہیں لیکن جس میں ذرا سی بھی صاحب دلی ہے وہ وطن عزیز کے لئے تڑپتا ہے سوائے چند ایک کے کسی نے یہاں کی شہریت بھی لینی پسند نہیں کی جو مزا چھجو کے چوبارے میں وہ بلخ بخارے میں نہیں یوسف کہ بہ مصر تاجداری می کرا می گفت گدابو دن کنعان خوش تر پچھلے دنوں ایک دوست کے گھر میں پلاؤ اور قورمہ کھاتے ہوئے بحث چھڑ گئی ہمارا خیال تھا کہ ہم ایسے احدی قسم کے لوگ ہیں کہ پچھلیصدی انگریز نہ آتے تو ہم سائنسی علوم بے بہرہ بہت پیچھے رہ گئے ہوتے افغانستان کا ساحال ہوتا مختار زمن ہم سے شدومد سے اختلاف کر رہے تھے اس کا ذکر ہر جگہ ہے پاکستان کا کہیں نہیں ہے اگر ہے تو سرسری ہے ہندوستان پرانی چیز ہے ساری تہذیبی ندرتیں اور روحانی خوبیاں اس سے منسوب چلی آرہی ہیں پاکستان کے متعلق یہ خیال ہے کہ تعصب وسم کے مسلمانوں نے بنایا ہے کسی اور کو یہا ں نہیں رہنے دیتے اسلام اور مسلمانوں سے اہل مغرب ہمیشہ سے بدکتے آئے ہیں ان کی برق بھی گرتی ہے تو ہر پھر کیت بچارے مسلمانوں پر اکتوبر شروع ہو چکا ہے اور موسم کا حال یہ ہے کہ بوشرٹ اور ٹھنڈی پتلون میں باہر گھومنے کو دل چاہتا ہے کل اور پرسوں ایسی گرمی تھی کہ ریڈیو کے اعلان کے بمو جب پچھلے گیارہ سال ہی نہیں پر یہا ں دروازے کھڑکیاں بند رکھنے کا دستور ہے اور پنکھے دنکھے نہیں ہوتے اس گرمی مین بھی وضع کے مارے سوٹ ،سویٹر ،برساتیاں اور اوور کوٹ لئے گھومتے پھرے اس گرم سوٹ نے کہ ذرا موٹا ہے جان سے بیزار کر دیا ایک دربار تو اسے اتار کر بازو پر بھی ڈالا ہمارے پاس ایک ہلکا سوٹ بھی ہے لیکن افسوس یہاں موم بتی یا موم

نہیں ملا لہذا اسے استعمال نہیں کر سکے۔

اب اس معمے کا حل اوراجمال کی تفصیل سن ہی لیجئے کراچی سے ہم چلےتو یہ ہلکا سوٹ زیب تن تھا بغداد میں آدھی رات کو پہنچے ہم سیٹ پر بیٹھے رہے اترے نہیں کافی دیر کے بعد ذرا تازہ ہوا کے لئے اترے پھر ٹرانزٹ می بھی چلے گئے وہاں خیال آیا ذرا باتھ روم میں جانا چاہیئے اور ہاں ہمارے ساتھ یہ ماجرا گزرا کہ زپ جو آج کل پتلون میں بٹنوں کی جگہ لگائی جاتی ہے تو گئی لیکن بند ہونے سے اس نے انکار کر دیا ہم نے بہت کوشش کی اتنے میں ہانک پڑ گئی کہ پی آئی اے کا جہاز روانہ ہونے کو ہے ایک شخص غسل خانوں میں بھی آواز دیتا ہے پھرا کوئی مسافر اندر باہر آجائے اتفاق سے ہمارا بریف کیس ہمارے پاس تھا اسے سامنے لٹکائے باہر آئے اور اسی عالم میں جہاز میں جا بیٹھے بلکہ سب سے آخر میں آتے ہوئے دیکھ کر کسی صاحب نے جو ہمیں جانتے ہوں گے فقرہ بھی کسا کہ ایک منٹ کی دیر ہوجاتی ہے تو جہاز اڑتا اورآپ کا کالم بن گیا ہوتا خیر سیٹ پر آئے جہاز اڑا اور بتیاں بجھ گئی ہمارے ساتھ کی سیٹوں پر کوئی نہ تھا لہذا ہم نے پھر اپنی کوششوں کا آغاز کیا دوسرا سوٹ سامان میں نہ تھا ورنہ اسے اتار کر اسی کو پہن لیتے اب ہم نے ایئر ہوسٹس کو بتایا اور کہا بی بی تمہارے پاس موم ہے موم بتی ہے فرمایا کیا کرنا ہے ہم نے کہا ہم سے سوال مت پوچھو ہمارے سوال کا جواب ہاں یا نہیں میں دو بولیں ہمارے ہاں موسم کیا کیا کام ہم نے کہا آپ لوگوں نے حد کر دی مسافروں کے کام کی کوئی بھی چیز نہیں رکھتے اس بی بی نے پھر جرح شروع کی کہ مسافر روں کے موم کس کام آتا ہے ابھی ہائی جیکنگ کا سلسلہ شروع نہ ہوا تھا اور نہ ان لوگوں کو گمان ہوتا کہ ہم اسے پگھلا کر پائلٹ کی آنکھوں پر اداس ہوا جا رہا ہے ۔

موم تو نہ ملا جس کے گھسنے سے زپ چلتنے لگتی لیکن ہماری مشکل غسل خانے کے صابن سے آسانی ہوگئی پیء آئی اے والے یہ کالم پڑھن توبراہ کرم آئندہ ہم ایسے مسافروں کی خاطر موم بتی ضرور جہاز میں رکھ کر چلا کریں یہاں آکرزپ چلتی رہی لیکن اس روز ہم تھیٹر گئے تو ٹکٹ خرید کر ذرا باتھ روم چلے گئے اور پھر

وہی ہوا کھیل بھی وقت شمشیر برہینہ اور اشتعال انگیز قسم کا تھا ابھی کھیل شروع ہونے میں وقت تھاہم دور دور فرلانگ گئےاورایک اخبار خریدااور اسے بہانے بہانے سے سامنے رکھے رہے خیریت ہوئی کہ رات کا وقت تھا اسی عالم میں ٹیوب میں بیٹھ کر گھر آئے اور وہ سوٹ اتار پھینکا صاحبو یہ بٹن ہی اچھے رہتے ہیں اور بازار سے لے آئیں گےگر ٹوٹ گیا بلکہ پرانے زمانے کی گھنڈیاں اورتکمے اوراچھے تھے پاجامے اور تہمد وغیرہ بھی ہمیں اسی لئے پسند ہیں کہ ان میں زپ یعنی زنجیری بلکہ بٹن وغیرہ بھی نہیں ہوتے لندن کے راستوں اور ٹیوب اسٹیشنوں پر ہدایت اتنی مکمل لکھی ہوتی ہیں کہ کوئی باہوش آدمی بھول نہیں سکتا لیکن با ہوش والی شرط ہی تو ٹیڑھی ے ہم سفر میں ہوں یا حضر میں غیب سے مضامین خیال آتے رہتے ہیں نتیجہ یہ کہ اکثر غلط گاڑی میں سوار ہوجاتے ہیں اور اگلے اسٹیشن سے واپس آتے ہیں اور ایک یہ بات یہاں یہ دیکھی کہ راستوں بازاروں میں پتہ بتانے والا کوئی نہیں ہوتا جس سے پوچھئے اوخوشیتن گم است کہتا ہےتو خود پردیسی ہوں کل ریجنٹ باغ کے آوٹر سرکل میں ہنود ورلاج جانا تھا نقشہ پر ہنود درٹیریس تو تھا لاج نہ تھا ہم نے سوچا یہیں یہ ہوگا ٹیریس کے باہر آدم نہ آدم زاد پتہ کس سے پوچھتے کہ مس ڈلوں عمر ۷۰ سال کہاں ہیں ان کا پتہ تو بہت دیر میں ملا البتہ ہنو درٹیریس کا وہ کمرہ ہم نے دیکھ لیا جہاں ایچ جی ویلز رہے اور جہاں انتقال کیا۔

حکیم جی لندن بھی پہنچ گئے

ولایت والوں کو اپنے ملک کو ولایت بنانے میں جانے کتنی صدیاں لگیں ہمارے پاکستانی اور ہندوستانی بھائی اسے چند ہی سال میں اپنے ڈھب پر لے آئے ہیں لندن اور برمنگھم کے اردو اخباروں پر نظر ڈالئے آپ کا جی نہال ہوجائے گا

بہت کچھ جو انگریزی زبان میں چھپے تو شاید گرفت میں آجائے اردو میں بخوبی چل رہا ہے ڈاکٹروں کے معاملے میں ایسی سختی ہے کہ فاطمہ جناح میڈیکل کالج کی فارغ التحصیل ڈاکٹرنیوں کو بھی فی الحال پریکٹس کرنے کا اذن نہیں لیکن ہمارے عطائی بھائیوں کی راہ انگریز نہیں روک سکا چنانچہ جہاں اورلوگ پہنچے وہاں زنانہ اورمردانہ پوشیدہ بیماریوں کا مجرب اورحکیمی علاج کرنے والے بھی پہنچ گئے کل یہاں کے ایک اردو اخبار میں اشتہار دیکھا کہ چین ہیلتھ سنٹر آرام باغ روڈ کے ممتاز ماہر جنسیات نے جن کے پاس آر۔ایم۔پی۔کی پراسرار ڈگری ہے لوگوں کے پرزرد اصرار پر لندن میں اپنا مستقل دواخانہ کھول دیا ہے جس میں خط وکتابت صیغہ راز میں رکھی جاتی ہے حکیم صاحب نے اشتہار کے ساتھ اپنی تصویر بھی دی ہے ادھر نکڑو پر ہندوستان کے حکیم ایس ایل بٹ ناگر صاحب بھی جو اٹھارہ میڈیکل کتابوں کے مصنف ہیں جس میں ہوم ڈاکٹر بھی شامل ہے لوگوں کے اصرار کی تاب نہ لا کر تشریف لے آئے ہیں ان کے اشتہار کے بمو جب لاکھوں آدمی گزشتہ تین سال میں ان کے چشمہ فیض سے سیراب ہو چکے ہیں اتنی بڑی ولایت میں یہ دو حکیم کافی نہ تھے لہذا حکیم عبدالرحمٰن صاحب معالج امراض مردانہ کو بھی مانسچٹر میں مطب کھولنا پڑا ہے یہ اپنے کونیچروپیتھ اورہر ہر بیلسٹ لکھتے ہیں یعنی قدرتی طریقوں اورجڑی بوٹیوں سے علاج کرنے والے ان کا دعوی حزاقت بے بنیاد نہیں ہے بلکہ اشتہار کہتا ہے تقریبا ایک سال کا عرصہ ہوا ایک صاحب اپنے ایک ۱۹ سالہ بھتیجے اوراس کی ۱۶ سالہ دلہن کو لے کرمانچسٹر آئے اور حکیم صاحب سے بیان کیا کہ اس لڑکے کی شادی کو دو ہفتے ہوئے ہیں لیکن اس نے خود کشی کی کوشش بھی کی ہے اس کا کچھ علاج کیجئے حکیم صاحب نے تسلی دی اوردوا بھی دی لڑکے نے تین ماہ دوائی استعمال کی چند ہفتے ہوئے وہ حکیم صاحب کے لئے ایک قمیض اورٹائی اور ۱۰ پونڈ لڈر بطورتحفہ لائے اورخوشخبری سنائی کہ جی بابے کی کرپا اورآپ کے علاج سے سب ٹھیک ہے میرے بھتیجے کے ہاں لڑکا پیدا ہوا ہے اور ہم نے ڈھائی من لڈو تقسیم کئے ہیں لڈو کھالیے ایک اور ہندوستانی ماہر کی طرف کے تر دیدی ۔۔۔ان کی ڈگری یاں اور زیادہ لمبی چوڑی ہیں۔

این۔ڈی۔ڈی۔پی۔اے۔او۔آر۔ایس۔ایچ۔

حیرت ہے کہ انھوں نے باقی کے حروف تہجی کیوں چھوڑ دیئے اے سے زیڈ تک استعمال کرنے میں کیا امر مانع تھا یہ کھوئی ہوئی طاقت مردی کے علاوہ کھانسی زکام نزلہ گھٹیا اور پیٹ کے درد کا بھی علاج کرتے ہیں البتہ ملاقات کے لئے فون پر وقت مقرر کرنا پڑتا ہے بستول خود طاقت کی دوائیوں کے بادشاہ اور انٹرنیشنل شہرت کے مالک حکیم ہری کشن لال صاحب ماہر امراض پوشیدہ خود تو مصروفیات کے باعث تشریف نہیں لا سکے لیکن اپنا اشتہار لندن میں چھپوا دیا ہے حکیم صاحب کو جھانسی یونیورسٹی نے کئی اعزازی ڈگریاں دے رکھی ہیں مثلاً ایم۔ایس۔سی۔ڈی۔ای۔ کار۔ ان کا مطلب کیا ہے ڈگری کا مطلب نہیں پوچھا جاتا ہے لمبائی دیکھی جاتی ہے ولایت والوں کی آسانی کے لئے انھوں نے اپنے ریٹ پونڈوں میں دیئے ہیں شاہانہ علاج ۵۲ پونڈ درمیانی علاج ۳۲ پونڈ۔علاج ۱۸ پونڈ اور غریبانہ علاج ۱۲ پونڈ حکیم صاحب نے خدمت خلق کے جذبے سے بھی اعلان کیا ہے کہ لاکھ روپیہ کی قیمتی کتاب پیغام جوانی مفت حاصل کریں اس میں لاکھ روپے کے پیغام جوانی کے علاوہ کئی لاکھ روپے کے حکیم صاحب کی دوائیوں کے اشتہار بھی ضرور ہوں گے سب مریضوں کے لئے مفت۔

پاکستانی اور ہندوستانی بھائیوں کے لئے تازہ ترین خوشخبری یہ ہے کہ حکیم جے ایم کوشل بھی جو کھوئی ہوئی قدموں کو بحال کرنے میں یدطولی رکھتے ہیں صرف پانچ روز کے لیئے بریڈ فورڈ میں درد دفرما ہوئے ہیں آپ کی ڈگریوں کا بھی شمار نہیں بی اے پنجاب اے، بی ،ایچ،ایس ،۰(بنارس یونیورسٹی) بی اے (پی۔یو) اے۔ بی۔ایم،ایس (پی۔ایچ۔یو) ڈگری ڈاکٹری کی نہ بھی ہو تب بھی لیاقت کی دلیل تو ہوتی ہے ۔

حکیموں کے علاوہ سب سے زیادہ اشتہار ہمارے ان پاکستانی ہندوستانی بھائیوں کے ہیں جو وطن واپس آنے والوں کو ٹیلی ویژن ،ریفیریجیریٹر ،ایئر کنڈیشنز ، ٹیپ ریکارڈ ،ٹائپرائٹر، سلائی کی مشین وغیرہ فراہم کرتے ہیں ایک صاحب ۶۰ فیصدع ڈسکاؤنٹ پر دوسرے ۶۵ فیصدی اور تیسرے ستر فیصدی ڈسکاؤنٹ پر ہم نے دیکھا نہیں لیکن سنا ہے بعض فر میں سو فیصدی ڈسکاؤنٹ پر بھی یہ سامان فراہم کرتی ہیں ۔

آپ سوچتے ہوں گے کہ ان بزرگ نے جن کا ذکر ہم نے کیا ہے ڈھائی من لڈو کہاں سے لئے ہوں گے یاد

رہے کہ ایشیائی مٹھائیوں کا عظیم الشان مرکز سویٹ سنٹر ،جو جہلم والے مشہور ومعروف پہلوان صاحب کی دکان ہے شادی بیاہ اوردوسری تقریبات کے لئے بکفایت خالص گھی کی مٹھائیاں فراہم کرتا ہے یہاں سے آپ گلاب جامن ،رس ملائی، رس گلہ،جلیبی، برفی ،لڈو،پیڑا ،بالو شاہی ، پھینیاں ،وغیرہ وغیرہ ہی نہیں دہی بھلے آلو چھولے ،سموسے منمکین دالیں اورسویاں وغیرہ بھی خرید سکتے ہیں ۔

مٹھائی سے رغبت نہ ہو تو شہ رور محل ریسٹورنٹ میں تشریف لائیے اور تندوری مرغ تندوری روٹی چکن اورمٹن تکے ،قورمہ کوفتہ وغیرہ کھائیے یہ چیزیں حلال گوشت سے تیار ہوتی ہیں جس سے آپ کا پیٹ بھرجائے اورخمار آنے لگے تو بھی مضائقہ نہیں رضائی سنٹر سے آپ کو ہر قسم کی آرام وہ رضائیاں مل سکتی ہیں شنیل کی ڈبل رضائی ۵ پونڈ ساٹن ڈبل ۳ پونڈ چھینٹ ڈبل بھی ساڑھے تین پونڈ لیجئے اور پاؤں پسار کرسوئیے اگر آپ کا سونے کو جی نہیں چاہتا تو سینما دیکھیے جتنی فلمیں یہاں لگی ہوئی ہیں پقرے ہندوستان اور پاکستان میں نہ لگی ہوں گی پلیسم ایسو لڈو لندن میں عندلیب پاکستانی ڈاکو منگل سنگھ ہے یملا جٹ ہے جس میں چاچا سنت رام جی کام کررہے ہیں پیغام نصیحت ،ہمجولی،تیسری،منزل ،دیوداس مان پڑھ ،وغیرہ کلاسک سینما میں ساون آیا جھوم کے پتھر کے صنم وغیرہ اوڈین میں دیور بھابھی اورزرقا ۔لکسیر سینما برمنگھم میں سجن بیلی تیرے عشق نچایا الائٹ سینما میں لاڈو سنچری میں میرے حضور اور جی چاہنان ہے مارلبرد ،بریڈفورڈ میں سپنوں کا سوداگر ۔کیمبو لندن میں آشیرداد ،بمبئی کا بابو سینما لندن میں استادوں کے استاد کلاسک میں میرے محبوب ۔۔۔۔۔۔ایک لمبی لسٹ ہے کوئی کہاں تک گنوائیے زندہ پروگرام چاہیئے تو اس کا بھی انتظام ہے سردار آسا سنگھ مستانہ بھی یہاں ہیں سریندر کور بھی او رپرکاش کور بھی آسا سنگھ مستانہ جی پنجابی گیتوں کے شہنشاہ ہیں ہیروارث شاہ گاتے ہیں اور یہ دونوں بیبیاں ہہر کے علاوہ ٹپے گاتی ہیں اور پنجابی لوگ گیت سناتی ہیں کبھی کبھی قوالیاں بھی ہوتی ہیں ۔

ایک مشہور درگاہ کے گدی نشین صاحب کا اشتہار چھپا ہے کہ عرس مبارک میں تشریف لائیں نہ لائیں تو گھر بیٹھے اپنی نیک کمائی کا پیسہ حسب توفیق نذر سنیاز ،فاتحہ چادر، پھول ، شیرینی ،وغیرہ کے لئے بطور نذر ونیاز بذریعہ

منی آرڈر ، برٹش پوسٹل آرڈر چیک و ڈرافٹ کو کراس کر کے حقیر حقیر کے نام پتہ ذیل پر روانہ کریں۔

متفرقات لندن

یہا ں کے متفرقات کے ریڈیو اور ٹیلی ویژن کی غارت کا حال لمحہ بہ لمحہ سناتے ہیں اورمنظر بہ منظر دکھاتے ایک اخباری نمائندے نے اسے دنیا کا سب سے بڑا قتلام قرار دیا ہے ہمارا پاکستان والوں کا احوال کسی سے چھپا نہیں خنجر چلے کسی پر تڑپتے ہیں ہم امیر بلکہ پنجابی کا یہ ٹپہ ہمارے جذبات کا بہتر طور پر نقشہ کھینچتا ہے تینوں تاپ چڑھتے ہیں ہونگاری نی تیری میری اک جنڈی جتنے لوگ عمان سے آئے ہیں سب اس کا الزام افواج شاہی کو دیتے ہیں جس نے اپنی توپوں کے لوگوں سے عمان میں کوئی گھر گزند سے خالی نہیں چھوڑا یہ جنرل مجالی وہی بزرگ ہیں کہ ۱۹۶۷ء میں اسرائیل کے مقابلے سے بھاگ آئے تھے اور اس پاداش میں بر طرف کر دیئے گئے تھے لیکن محض لوگوں کو دکھانے کے لئے اب جو مقابلہ شہریوں اور فلسطینی مجاہدوں سے ہوا تو انھوں نے اپنے جی کی بھڑ اس نکالی ہمیں سب سے زیادہ شرم اس وقت آئی جب پرسوں ع کسے زمانہ کہ اور ابہ تیغ ناز کشتی کے بعد جلالت مآب شاہ حسین کی تقریر کا ریکارڈ سنایا گیا اور اخباری نمائندے نے بتایا۔

king husain looked cheerful and relaxed اخبار ٹائمز نے لکھا ہے کہ آغاز کا الزام آپ گوریلوں کو دے لیجئے اور اسے لمبا کھینچے کا قصور وار شام کو ٹھہرا لیجئے لیکن اس امر میں کوئی شبہ نہیں کہ قتل و غارت کی ذمہ داری شاہی فوجوں پر ہے جو لوگ عمان سے نکل کر آئے ہیں حتی کہ وہ بھی جو گوریلوں کے یرغمال میں تھے سب کا بیان ہے کہ گوریلوں یعنی مجاہدوں کا طرز عمل ان کے ساتھ نہایت شریفانہ اور فیاضیانہ رہا ہے انھیں کوئی تکلیف نہیں پہنچی اس سے ان لوگوں کو بڑی مایوسی ہوئی جو اسیروں پر ظلم کی داستانوں سے اپنی دکانیں چمکانا چاہتے تھے یہ ماننا پڑے گا کہ اس آشوب میں ان جرنلسٹوں کا کردار

بہت اچھا رہا ہے جو عمان میں تھے ان میں ایک سویڈن کا رہنے والا تھا اس کی ٹانگ میں گولی لگی تھی ایک ٹی وی انٹر ویو میں اس سے کہلوانے کی بہت کوشش کی گئی کہ گوریلے قصور وار ہیں پوچھا کہ یہ گولی کیا گوریلوں نے ماری ہے اس مردِ شریف نے کہا آپ اس گولی کا پوچھتے ہیں ان توپوں اور ٹینکوں کی بمباری کا کیوں نہیں پوچھتے تھوڑی دیر بعد انٹر ویو کرنے والا پھر بات کو وہیں لایا تو سویڈن کا جرنلسٹ جھلا کر کہنے لگا کہ عمان میں ہزاروں لوگ مارے گئے اور بے آب ودانہ تڑپ رہے ہیں اور آپ کو میری ٹانگ کی پڑی ہے یہ تو دو چار دن میں ٹھیک ہوجائے گی ان لوگوں کی بپتا پوچھئے جو مرد رہے ہیں اور سسک رہے ہیں بے خانماں ہوگئے ہیں یا بے یارو مدر گارہ گئے ہیں انگریزوں کے یرغمال سے چھوٹتے ہی برطانیہ کا بڈھا شیر پھر شیر ژیاں ہوگیا ہے اس وقت لیلیٰ خالد کو چھوڑنے کا سوال ازحد قبل از وقت ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہتا ہے کہ ہمیں انصاف کے تقاضوں سے مجبور۵ ہو کر اس پر مقدمہ چلانا پڑے اور وہ الزامات دوبارہ عائد کرنے پڑیں جو واپس لئے گئے تھے بہر حال بعد میں اسے رہا کر دیا گیا ٹیلی ویژن پر لیلیٰ خالد کے بھائی اور ماں کے انٹرویو بھی منشر ہوئے یہ بیروت میں ان کے گھر پر لئے گئے تھے لیلیٰ خالد کی ماں ایسی ہی سادہ مزاج ضعیفہ ہیں جیسی مائیں ہوا کرتی ہیں بھائی نے کہا ہم اس کھیل میں موت سے نہیں ڈرتے اخباری نمائندے نے کہا اگر وہ رہا ہوگئی تو اب بھی کسی طیارہ کو ہائی جیک کرنے کی جرات کرے گی بھائی نے کہا ضرور کرے گی اگر لبریشن فرنٹ نے ہدایت کی تو اور میں بھی کروں گا ماں سے بھی گفتگو کی گئی اس نے بھی کہا میری بچی بہادر ہے اور وہی نہیں میں بھی وہی کچھ کروں گی جو ہمارے لبریشن فرنٹ کا حکم ہوگا ہم اپنے وطن کے لئے سب کچھ کر گزریں گے لندن کی موجودہ مہنگائی سے ہم غریب الوطن ہی پریشان نہیں ہیں یہاں کے لوگ بھی چیخ اٹھے ہیں ایک سروے میں یہاں گھروں کے خرچ کے جو اوسط نکالے گئے ہیں وہ کچھ اس طور پر ہیں ۔

خوراک	۲۰ فی صدی
مکان ۔ایندھن اور روشنی	۱۷ء۵ فی صدی
آمدورفت اور تفریح وغیرہ کے اخراجات	۱۹ء۴ فی صدی

شراب اور تمباکو	۱۲ء۳ فی صدی
گھریلو سامان	۱۳ء۵ فی صدی
کپڑے اور جوتے	۸ء۴ فی صدی
کاریں اور موٹر سائیکل	۸ فیصدی

اس سروے میں بتایا گیا ہے کہ ۱۹۶۹ء میں جو تنخواہ ہوں میں ۷ فیصد کا اضافہ کیا گیا تھا اس میں تا بہ میں سے ۷ فیصدی مہنگائی اور ٹیکسوں کی نذر ہو چکا ہے فقط آدھ فیصد باقی ہے وہ بھی تا بہ کئے بازار میانا نرخ بالا کنہ ازرانی ہنوز کا غلغلہ ہے فورا اپنا وطن یاد آیا اس فرق کے ساتھ کہ یہاں تو لشتم پشتم گزارہ ہو بھی جاتا ہے بیروزگاری ہر چند کہ بڑھ رہی ہے لیکن بیروزگاری کا الاونس بھی ہے ہمارے ہاں سب ان فکروں سے فارغ ہیں شراب تمباکو اور تفریحات کی مدات تو جانے دیجئے فقط روٹی دال اور سر چھپانے کے ٹھکانے پر پانچ افراد کے کنبے کا جو خرچ اٹھتا ہے کیا ہمارے چپراسی یا کلرک کی آمدن اس کی متحمل ہوسکتی ہے ۔

موسم کا وہی عالم ہے کہ جو تھا اب کئی دن سے بوندا باندی بھی نہیں ہوئی سردی کا آغاز شاید اکتوبر میں ہوگا وہ بھی اکتوبر آخر میں اب یہاں سے ہمارا چل چلاؤ لیکن ہمارا راستے بھولنے اور غلط ٹرینوں میں بیٹھنے اور غلط اسٹیشنوں پر اترنے کا معمول قائم ہے گڑ بڑ ا جاتے ہیں کمپارس لے کر تو چلے نہیں کہ زمین دوز راستوں میں پورب پچھّم کی پہچان کرسکیں آخر اسٹیفن لیکاک کے اسول پر عمل کرتے ہیں لیکاک کہتا ہے کہ کسی نئے محلے میں کسی کا گھر تلاش کرنا ہو تو آسان ترین طریقہ یہ ہے کہ ایک سرے سے مکانوں کے سروازے کھٹکھٹانے شروع کر دو مطلوبہ گھر انہی میں کہیں نکل آئے گا ہم بھی جو گاڑی سامنے آئے اسی میں بیٹھ جاتے ہیں ٹھیک ہوئی تو فبہا ورنہ واپس آ کر دوسری میں سہی اور یہ بات واقعی سچ ہے کہ ان میں سے کوئی نہ کوئی ضرور صحیح ہوتی ہے اور ایسا کبھی نہیں ہوا کہ ہم اپنی منزل نہ پہنچے ہوں بھولنے کو ہم تقاضائے بشریت سمجھ کر ہمیشہ عزیز رکھتے ہیں انسان اور حیوان میں یہی تو ایک فرق رہ گیا ہے کہ انسان غلطی کرتا ہے جتنا بڑا انسان ہوگا اتنی زیادہ اور بار بار غلطی کرے

گا لندن سے ہم یورپ جائیں گے تو بس ایک چیز یہاں کی ضرور یاد آئے گی وہ ہے ناشتہ یورپ بھر میں ناشتہ انگریز ہی لے ہاں ملتا ہے ہمارے اس ہوٹل یا سرائے میں ہی دیکھ لیجئے پہلے پھلوں کا جوس پھر کارن فلیک جس میں چائے پوری بوتل دودھ ڈالئے پھر دو انڈے جیسے جی چاہیئے بنوا لیجئے پھر توس سات آٹھ مع مکھن اور جام وغیرہ کے پھر چائے یا کافی کا بڑا پاٹ خواہ دس پیالیاں یورپ میں تو پاپا قسم کی ایک روٹی اور وہ بھی ٹھنڈی اور سخت ذرا اسے بقدر اشک بلبل مکھن کے ساتھ دیں گے اور ایک پیالی چائے دیکر کہیں گے کھاتا ہے تو کھا ورنہ اپنے گھر جا۔

یہاں کے ایک اردو اخبار میں کسی کا مراسلہ چھپا ہے کہ پاکستانی لڑکیوں کو انگریز یا غیر ملکی ہیلو کہے تو مضائقہ نہیں کوئی پاکستانی ہیلو کہہ دے تو سخت ناراض ہوتی ہیں گھر جا کر شکایت کرتی ہیں اور اس کے والدین لاٹھیاں لے کر آجاتے ہیں کہ نکل تو سہی باہر ہماری لڑکی کو ہیلو کرتا ہے ایک دو پاکستانی لڑکیوں نے یہاں پر پرزے نکال رکھے ہیں ان کی آزمائش عموما غیر ملکیوں پر ہوتی ہے۔

یہ اشتہار مع عنوان ہم نے ایک اردو کے لندنی اخبار میں دیکھا ہے

عیسائی بوائے فرینڈ کی ضرورت ہے

تقریبا ۲۵ سالی انگلش خاتون باقاعدگی سے چرچ اور سوشل میٹنگز میں جاتی ہے شراب یا سگریٹ بالکل نہیں پیتی ہندو پاک کے کسی کرسچن سے دوستی کی خواہاں پتہ ذیل پر خط لیکھیں۔

مطلب یہ کہ عیسائی چاہیئے تا کہ ایمان کو تقویت رہے بوائے چاہیئے کیونکہ کوئی عورت حق دوستی کما ادا نہیں کر سکتی بایں ہمہ تقوی ہیں کہ موسوفہ چرچ باقاعدگی سے جاتی ہیں ح یعنی چوری میرا پیشہ ہے نماز میرا فرض ہے

شرلک ہومز کے کوچے میں

لندن میں جب کبھی ہمارا آنا ہوتا ہے شوق کےقدم کشاں کشاں بیکرا اسٹریٹ لے جاتے ہیں

ہم کسی سمت میں نکلیں ہوں وہیں جا نکلیں

ہم سے بھولی ہے رہ کوچہ جاناں کوئی

اس کوچے میں اور تو کوئی خاص بات نہیں ہے لیکن یہ کیا کم ہے کہ ہمارے اور ہم ایسے بے شمار لوگوں کے بچپن ب کا بھی ہیرو شرلک ہومزا اسی کوچے کےمکان نمبر۲۲۱ پی سے ڈاکٹر واٹسن کے ہمراہ اپنی یادگار مہموں پر نکلتا تھا ۲۲۱ بی بیکر اسٹریٹ شرلک ہو مز کے دلداد گان کے لئے گنجینہ معنی کا طلسم ہے انگلستان اورامریکہ میں درجنوں سو سائیٹیاں یا تو شرلک ہومز کے نام پر ہیں یا اس کی مہمات کے کرداروں کےنام پر لندن سے امریکہ سے کئی رسالے بھی نکلتے ہیں جو شرلک ہومز کی کہانیوں اور کرداروں کےمطالعے کے لئے مخصوص ہیں ہر سال دو سال بعد ایک نہ ایک کتاب بازار میں آجاتی ہے جس میں پہلی معلومات اور انکشاف پر اضافہ ہوتا ہے ابھی پچھلے سال شرلک ہومز کے تمام کارنامجات بڑے سائز پر باتصویر دو جلدوں میں شائع ہوئے ہیں اور یہ سیٹ کوئی ڈیڑھ سو روپے کا ہم نے بھی خریدا تھا اس لئے کہ اس کے مرتب مسٹر بیرنگ گولڈ نے ہر کردار اور مقام کے متعلق ریسرچ کا نچوڑ دیا ہے شرلک ہومز حقیقت تھا یا افسانہ۔۔۔یہ سب جانتے ہیں لیکن شرلک ہومز کے مداحین جونکتہ چینی سے بھی گریز نہیںؔ کرتے ہیں یہی فرض کر کے اس کی سوانح لکھتے ہیں کہ ہاں ہپ ایک شخص تھا فلاں سن میں پیدا ہوا اور فلا ں سن میں مرا اپنی سر غسانی کی زندگی سے ریٹائر ہو کر وہ ایک دیہاتی مقام پر جا بسا تھا اور وہاں شہد کی مکھیاں پالتا تھا پہلی جنگ عظیم کے وقت زندہ تھا کیونکہ ایک بحری معاملے میں جس میں اہم دستاویزات چوری ہوگئی تھی اس کو عقدہ کشائی کے لئے ریٹائرمنٹ کی زندگی کے بارے میں نہت کریدکی ہے اور ان دونوں کی مستقل سوانح عمریاں لکھی ہیں بیکر اسٹریٹ پر جہاں موجودہ نمبر ۲۲۱ب یعنی ہے بلڈنگ سوسائٹی کا دفتر ہے ہاں دس سال قبل شرلک ہومز کی باقیات اوراس کے متعلق اخبارات اور کتابوں کی نمائش بھی ہوئی تھی بعد ازاں نار تھمبر لینڈ یونیو

کے ایک طعام خانے اور چراب خانے کی بالائی منزل کے ایک کمرے میں شرلک ہومز کے مومی ماڈل کے ساتھ ان سب چیزوں کو محفوظ کر دیا گیا ہے اب اس پب کا نام ہی شرلک ہومز ہے سٹرینڈ سے نارتھمبر لینڈ یونیو میں مڑیئے تو سرے پر آپ کو یہ پب نظر آئے گی مناسبت یہ ہے کہ شرلک ہومز کے مشہور ناولٹ آتشی کتا کا ہیرو نواب باسکرویل لندن میں اس مقام پر نارتھمبر لینڈ ہوٹل میں ٹھہرا تھا چیئرنگ کراس کے اسٹیشن سے یہ جگہ بہت قریب پڑتی ہے۔

بیکرا اسٹریٹ کے ٹیوب اسٹیشن سے باہر نکلیئے تو بیکرا اسٹریٹ کا کچھ حصہ دہنے ہاتھ پڑتا ہے کچھ میری بون اسٹریٹ پار کرنے پر شروع ہوتا ہے ۱۸۹۰ء کے قریب بیکرا اسٹریٹ کے مکانوں کی نمبر شماری دوبارہ ہوئی تھی اس لئے ۲۲۱ بی کا اس مقام پر ہونا ضروری نہیں جہاں اب یہ یا نمبر ۲۲ ہے یا نمبر ۲۷ ہے یا نمبر ۳۱ ہے مختلف لوگوں کی رائیں اس بارے میں مختلف ہیں بلکہ جھگڑا بعض اوقات تلخی بھی اختیار کر لیتا ہے ہم جن نمبروں کا ذکر کیا ہے ان کے علاوہ نمبر ۴۹، نمبر ۱۹ نمبر ۲۱ اور نمبر ۱۰۹ وغیرہ کے بھی دعویدار رہیں ایک شخص دلیلوں سے اپنی بات کو ثابت کرتا ہے شرلک ہومز کے دولت خانے کو اس جگہ پر ہونا چاہیئے جہاں اب نمبر ۳۱ ہے لیکن راہ مضمون تازہ بند نہیں بیکرا اسٹریٹ کے بہت سے گھر اب بھی روایتی طرز ہیں لیکن بعض جگہ پرانے گھر گرا کر آفس بلاک تعمیر کر دیئے گئے ہیں ۱۹۶۱ء میں ہم نے جو کیفیت دیکھی تھی وہ ۱۹۶۷ء میں نہ تھی اور ۱۹۶۷ء کا نقشہ آج نہیں ہے جو گھر رہ گئے ہیں چند سال بعد وہ بھی نہ رہیں شرلک ہومز کے حریف مشہور بدمعاش پروفیسر موریارٹی کے آدمیوں نے شرلک ہومز پر خاموش بندوق سے گولی چلا کر اپنی وانست میں اس کا کام تمام کر دیا تھا لیکن وہ ڈال ڈال یہ پات پات شرلک ہومز نے خطر کی پیش بنی کرتے ہوئے اپنی کرسی پر اپٹی شکل کا ایک مومی مجسمہ بٹھا رکھا تھا اور اس واردات کے بعد مجرموں کو گھیرے میں لے لیا تھا پس شرلک ہومز کی قیام گاہ کا پتہ چلانے والوں کو یہ نشاند ہی بھی کرنی پڑتی ہے کہ خالی مکان کون سا ہے جس کا نام کہانی کی رو سے کیمڈن ہاؤس تھا بہت برس ہوئے ایک امریکی ڈاکٹر گرے برگس نے ساری گلی کی پیمائش کرنے کے بعد کہا تھا کہ نمبر ۱۱۱ کا ،مقام ہی اصل

میں۲۲۱ بی تھا کیونکہ اسکے سامنے کے خالی مکان کےعقبی احاطے میں وہ داخل ہوئےتووہاں کیمڈن ہاؤس کا بورڈلگاتھا بعد کےمحققین نےاس تحقیق کی یہ کہہ کر رد کر دیا کہ یہ مکان تو ٹیوب اسٹیشن کے قریب‌قریب سامنے ہےاتنانزدیک ہے کہ آدمی پیدل آنا پسند کرے گا جبکہ فلاں کہانی کا موکل ٹیوب پرسے اتر کر گھوڑا گاڑی لےکر شرلک ہومز تک پہنچا تھااس مقام پر اب پوسٹ آفس ہے برنارڈ ڈیویر اوربیرنگ گولڈ کی تحقیقات کے مطابق نمبر ۳۱ کامکان اصل میں ۲۲۱بی تھا اب یہاں‌ایک آفس بلاک ہےاوراس کے سامنےہماری نظر میں‌بھی شرلک ہومز کامطلوبہ مکان‌موجودہ‌نمبر ۳۱ ہی ہے اورخالی مکان۳۴ نمبر ہے لندن‌آنے والےصاحبان جو شرلک ہو مزیات کے رسیا ہوں ان کی پہچان کےلئے تھوڑی سی مزید تفصیل دینا مناسب‌نہ ہوگا خالی مکان کےعین عقب میں‌کینڈل پیلس ہے یہا ں سےاحاطے کاپھاٹک پار کر کےشرلک ہومزاور وٹسن اندر داخل ہوئے تھےاپنے‌دشمنوں کو دبوچنے کے لئے اس احاطے میں‌ہم بلینڈ فورڈ اسٹریٹ سے بھی داخل ہو سکتے ہیں اور جارج‌اسٹریٹ سے بھی زیادہ تراس میں‌گیراج ہیں خالی مکان کےعقبی صحن میں بھی دو منزلہ سا کمرہ ہے اوراس کےسامنے ایک گمنام سےپبلیشر کا دفتر ublisher schiesing rcger ہم‌بلینڈ فورڈ اسٹریٹ کی طرف سے اس احاطے میں‌داخل‌ہوئے جسےمیوز بھی‌کہہ سکتے ہیں تو دیکھا کہ‌داخلے کےدروازے کےعین سامنے دیوان عم ریستوران کےنام‌سےایک ہندوستانی یا پاکستانی ریستوران ہے دوسری طرف جارج‌اسٹریٹ کے سرے پرنکلےوہاں بھی‌دیوان‌عام ریستوران دیکھا ہمیں شبہ ہواکہ ہم سمت بھول‌کر اس اسی راستے سے تو باہر نہیں آگئےدوبارہ دیکھا تو ان میں‌ایک ریستوران دوسرے کی برانچ ہے یااس کاحریف غور سے دیکھا تو ایک نام سے پہلے چھوٹا سانیوبھی لکھا نظرآیا ان‌لوگوں‌کوکیامعلوم ہوگا کہ وہ ایک‌تاریخی‌مقام کےدونوں ناکے دبائے ہوئے ہیں ۔

گلفام کو مل گئی سبز پری

آج کل تو یہاں ایک ہی موضوع ہے وہ ہے ہائی جیکنگ یعنی طیاروں کا اغوا لوگ ہوائی جہاز میں سفر کرتے گھبرایئے لندن کے ہوائی اڈے پر محاصرے کی سی حالت ہے پرندہ پر نہیں مار سکتا بعض برطانوی اخبار نویس اور رپورٹر بھی خوار ہوکر واپس آئے اور بی بی سی پر شکایتیں بیان کیں بی او سی اور دوسری مغربی ہوائی کمپنیاں مشرق کا رخ کرتی ہیں لیکن مجبوری اور سراسیمگی کی حالت میں پی آئی اے کو مسافر لوگ ترجیح دینے لگے ہیں ورنہ تو ہم کراچی سے لندن آئے تو جہاز میں نس گنے چنے مسافر تھے بیسیوں سیٹیں خالی تھیں ۔

ہم مسافروں کے ابتلا پر خوش نہیں لیکن دوسرا پہلو یہ ہے کہ دنیائے جان لیا کہ ہاں گوریلے بھی وجود رکھتے ہیں بہت سے تن آسانوں نے نفرین بھی کی کہ دیکھو دنیا کی رائے عامہ تمہارے خلاف ہوئی جارہی ہیں شرافت برتو اس پران لوگوں نےء جواب دیا کہ دنیا کی رائے عامہ پچھلے بیس سال میں تو دنیا کی رائے عامہ ہمیں عن کی چپہ بھر زمین واپس نہیں دلا سکی اس معاملے کا اور لیلی خالد کے معاملے کا تو اس کتاب کے چھپنے تک فیصلہ ہو چکا ہوگا لیکن یہاں یہ دیکھ کر عبرت ہوتی ہے کہ جب تک سوس ایئر اور ٹی ڈبلیو اے کے جہازوں کا معاملہ اخباروں میں ذکر تو تھا لیکن واجبی جب بی ۔او۔اے۔سی کے طیارے پر یہ افتاد پڑی تو اخبار چنگھاڑنے لگے کہ برطانوی بچوں کا سوال ہے یہاں ہیومن سوال بالعموم اس وقت پیدا ہوتا ہے جب برطانوی جانیں خطرے میں ہوں عربوں پر کچھ گزر جائے یا کالے افریقیوں پر یا پیلے ایشیائیوں ہر اس وقت انگریز اپنی سرد مزاجی اور وضعداری کا کنٹوپ پہنے رہتا ہے۔

ماننا پڑے گا کہ ہمارا ملک ابھی بہت پسماندہ ہے بوس دکنار وغیرہ تو بڑی چیزیں ہیں نگاہ التفات تک کے لئے لائسنس مطلوب ہوتا ہے اور شادی کے لئے لڑکی کا پابند صوم و صلوۃ اور سگھڑ اور قبول صورت ہونا شرط ہے اور لڑکے کے لئے ضروری ہے کہ گزیٹیڈ افسر ہو عالی خاندان ہو، پنجابی اور اثنا عشری کو ترجیح دی جائے گی وغیرہ یہاں طب مغرب میں مزے میٹھے اثر خواب آوری اگلے روز آکسفورڈ اسٹریٹ پر جائے ہوئے ہم ایک جگہ ٹھٹکے

بڑے بڑے حرفوں میں لکھا تھ آیئے آیئے نئے نئے دوست بنایئے دوستی بڑی اچھی چیز ہے اور شاعر تک مصیحت کرگیا ہے توبرائے وصل کردن آمدی پردیس میں تو یوں بھی بے یاری و مدد گاری کا سماں ہوتا ہے ہم نے قریب جا کر دیکھا تو کونٹر پر کھڑی دو یزہ نے ہمیں ایک فارم تھما دیااور ایک داڑھی والے نوجوان کا کھڑے کھڑے بوسہ لیا ہم نے رشک کیاکہ کاش یہ فارم ان صاحب کو دیاجاتا اورشاید جلدی میں گڑ بڑ اور ردوبدل ہوگئی ہوتی ۔

یہاں کمپنیاں توکئی ہیں جو کئی سال سے یہ کام کر رہی ہیں اورمدعی ہیں کہ یہ سلسلہ بڑا کامیاب رہا ہے اس عشق کو دیکھو جادو گری گلفام کومل گئی سبز پری طریقہ اس کا یہ ہے کہ فارم بھر کر دیجئے کہ آپ کو کس قسم کی کس ناک مقشے کی دوست چاہیئے یااگر آپ مونث ہیں تومذکر میں کن خصوصیات کی طالب ہیں آپ کی یہ معلومات ایک کمپیوٹر کے سپرد کر دی جائیں گی اور اس پہلے آپ سے پانچ پونڈ لے جائیں گے کمپیوٹر میں ہزاروں امیدواروں کے نام پتے ولدیت سکونت محفوظ ہیں وہ ایسے رفیق جن ہیں مطلوبہ خصوصیات ہوں تلاش کرکے آپ سے ملادے گا۔ آپ کوان کے نام پتے بتادے گا۔آپ رابطہ قائم کیجئے اورسوالات اس فارم میں یہ ہیں

ا ۔بال کیسے مطلوب ہیں،اورآپ کیسے ہیں

۔چھوٹے درمیانے درجے کے یا لانبے ؟

۲۔ عمر ،۱۷ سال ۱۸ تا۱۹سال ۲۰ تا ۲۲ سال ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ الخ

آخری خانہ ہے ۶۱ سال یا اس سے اوپر ؟

۳۔قد پانچ فٹ سے کم پانچ فٹ دو انچ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔الخ

آخری خانہ ہے ۶ فٹ یا اس سے زیادہ

۴۔ طبقہ۔۔ مزدور طبقے کی لڑکی چاہیئے متوسط طبقہ اونچاطبقہ ؟

۵۔تعلیم ۔۔۔معمولی میٹرک کالج کی ؟ یونیورسٹی کی ڈگری یافتہ ؟

۶۔ صورت و شکل۔معمولی ؟قبول صورت ؟ بہت خوبصورت ؟

۷۔ کیسی ؟دوشیزہ ؟ بیوہ۔ طلاق یافتہ ؟

۸۔ رنگ ـــــزرد ؟ گندمی سفید ؟ چینی جاپانی قسم کا ؟ ہندوستانی پاکستانی قسم کا ؟ افریقی

۹۔ تن و توش۔۔۔۔۔۔۔موٹی درمیانہ ،چھرا یرا بدن ؟

۱۰۔ مذہب ۔۔۔۔پروٹسنٹ ۔رومن کیتھلک ؟یہودی ۔لامذہب ؟ کوئی اورمذہب ؟

۱۱۔سیاسی خیالات ۔۔۔بائیں خیال کی دائیں خیال کی ؟ سیاست سے دلچسپی نہ رکھنے والی ۔

۱۲۔ پینا پلانا ۔۔۔باقاعدہ پینے والی یا کبھی کبھار ؟ نہ پینے والی ؟

۱۳۔ سگریٹ نوشی۔۔باقاعدہ کبھی کبھی ؟ کبھی نہیں ۔

۱۴۔پیشہ ۔۔۔۔نوکر پیشہ کلرک ۔بیروزگار۔ دستگار ، طالب علم ،ڈاکٹر یا نرس سیکرٹری پیشہ ور۔

۱۵۔دلچسپیاں ۔۔۔۔۔یہ بہت لمبا خانہ ہے اس میں پوشھا گیا ہے کہ کس مضمون یا کس کھیل سے دلچسپی ہے اس لٹریچر سے گھڑ سواری تک اور لوگ سنگیت سے خوش خوری آثار قدیمہ سے تاش کھیلنے تک کے مضمون آ گئے ہیں ۔

۱۶۔ آپ جنسی طور پر کیسے ہیں ؟ ناتجربہ کار؟ متوسط ؟ بہت تجربے کار ؟

۱۷۔ آپ کو کیسی رفیق چاہیئے ؟ نا تجربہ کار ؟ متوسط ؟ بہت تجربہ کار ؟

۱۸۔رویہ ۔۔۔۔اس میں جن سوالات کے جوان دینے ہوتے ہیں

نمونہ

۱۔کیا کمیونزم ایسی لعنت ہے جس کا روئے زمین سے قلع قمع کرنا ضروری ہے ؟

۲۔ کیا حکومت کو نجی صنعتوں میں دخل دینا چاہیئے ؟

۳۔ کیا ہمیں بڑے بڈھوں کی بات ماننی چاہیئے ؟

۴۔ کیا ہم سب شادی کے بغیر تعلقات کی آزادی ہونی چاہیئے ؟

۵۔ کیا آپ پارٹی میں اجنبیوں سے بے تکلف ہوسکتی ہیں؟

۶۔کیا آپ کو پڑھنا پسند ہے یا ٹیلی ویژن دیکھنا ؟

۷۔ کیا آپ بائبل کو سچا جانتے جانتی ہیں

ڈیلی ٹیلی گراف میں ایک صاحب آئن کر چٹن نے مضمون لکھا ہے انھوں نے کمپیوٹر میں اپنا نام دیا تھا اور اس نے دس لڑکیوں کے پتے ان کو دیئے انھوں نے اپنی ضروریات یہ بیان کی تھیں کہ لڑکی ۲۳ یا ۳۲ کے سال کے درمیان ہو قد زیادہ سے زیادہ ۵ فٹ ۱۰ انچ کیونکہ خود یہ ۹انچ تھے موٹی پتلی اور روغن کے معاملہ خاصی وسیع النظرنی کا ثبوت دیا تھا لکھتے ہیں ۔

کمپیوٹر جن لڑکوں کے پتے دیئے تھے ان میں دو نے اپنا فون نمبر بھی دیا تھا میں نے فون کیا دونوں باہر گئی ہوئی تھیں اور لوگوں کو بھی ان کے پتے اور نمبر دیئے گئے ہوں گے دوسری دو کو میں نے خط لکھے اور ملنے کی دعوت دی ان میں سے ایک کا فون آیا مس مینی نام تھا میں نے کہا آج شام فلاں تھیٹر میں ملیں اس نے کہا بسرو چشم بلکہ مجھے آ کر لے جایئے ۔

میں نے کہا ۔ میرے لئے کار کارائے پر لینا اور پھر آنا اور پھر تھیٹر کے وقت تک پہنچنا مشکل ہے ۔

بولیں تو کیا آپ کے پاس اپنی کار نہیں میں نے بہت موذرت کی کہ نہیں ہے وہ بولیں ، میرے تمام دوستوں کے پاس کاریں ہیں میرے سابق شوہر کے پاس بھی کار تھی میرے لئے کسی ایسے شخص سے دوستی کرنا مشکل ہے جس کے پاس کار نہ ہو معاف فرمایئے ۔

یہ کہہ کر فون بند کردیا ،

میں مایوس ہو کر چلا گیا تھا کہ ایک لڑکی کا فون آ گیا اس کو میرا پتہ دیا گیا تھا میں نے کہا میرے پاس کار نہیں ہے وہ بولیں۔کوئی مضائقہ نہیں میرے پاس ہے شام کو فلاں جگہ ملیں یہ فون بند کیا ہی تھا

کہ ایک دوسری اور اپنی داستان بیان کی کہ میرا میاں پولیس میں ہے میرے اتنے بچے ہیں اور میں میاں سے علیحدہ ہونے والی ہوں ۔۔اور ۔۔۔یہ ۔۔اور وہ

یہ بور ہوگئے ۔۔۔۔۔معاملہ ختم

آگے ان کی داستان لمبی ہے کسی سے ملنے کے لئے کیا نشانی مقرر کی جاتی تھی میری ٹائی فلاں رنگ کی ہوگی میرے ہاتھوں میں فلاں کتاب ہوگی وغیرہ ان میں کوئی کسی دفتر میں سیکریٹری تھی کوئی ٹیچر تھی سبھی تنہائی اور کسمپرسی کی ماری ہوئی یا عیش و لذت کی دلدارہ یہ سبھی سے ملے اور مل کر رہ گئے معلوم ہوا کہ بہت کم بیلیں منڈھے چڑھتی ہیں لوگ اپنے کوائف غلط دیتے ہیں عمر کم کر دی یا رعب جمانے کو کہہ دیا کہ مجھے گھڑ سواری یا کوہ پیمائی کا شوق ہے وغیرہ وغیرہ ۔۔۔۔۔ کال گرلز یعنی اوباش عورتیں بھی اپنے نام پتے کمپیوٹر میں دینے لگی ہیں یہ کمپنیاں کہتی ہیں اس کا تو ہمارے پاس کچھ علاج نہیں کمپیوٹر تو حساب کی چیز ہے محتسب یاد داروغہ تھوڑا ہی ہے ۔

ذکر برٹن صاحب کا

ہمارے لکھنو جانے کا باعث ہوس سیرو تماشا نہیں کچھ اور تھا لکھنو ہم نے مرزا غالب کی رعایت سے لکھ دیا ہے مراد لندن سے ہے جہاں سے ہم جیسے گئے ویسے ہی پھر کے آگئے ہیں دن تو فرائض منصبی کی انجام دہی میں گزرتا تھا صبح کہیں شام کہیں آج لندن میں کل مضافات میاں ویک اینڈ اور شام کی فرصت کے لمحات لائبریریوں اور

زیارتوں میں گزرتے تھے خاص جستجو ہمیں سر رچرڈ برٹن کے ذاتی کتب خانے کی تھی اور ان کا مقبرہ بھی دیکھنا مقصود تھا جو مارٹ لیک کے قبرستان میں ہے اور ماربل ٹینٹ یعنی خیمہ مر مر کہلاتا ہے بہت دنوں لوگوں سے پوچھتے پھرے کہ مارٹ لیک کہاں ہے اور اس کا قبرستان کہا ں کوئی نہ بتاسکا بڑی مشکل سے پتہ چلا اورایک روز ہم ۹ نمبر کی بس میں سوار ہوکر ہیمر سمتھ روانہ ہوئے ہیمرسمتھ سے دوسری بس لی اس کا نمبر بھی یہی تھا آخر اس کی منزل بھی آگئی بس گیراج میں چلی گئی اور ہم کھڑے رہ گئے علاقہ یہ مارٹ لیک ہی کا تھا لیکن قبرستان ایک بھلے مانس نے بتایا کہ آپ سیدھے جائیے پھر داہنے ہاتھ مڑیئے ریل کا پل آئے گا اس کو پار کر کے لائن کی دوسری طرف اتریئے اور بائیں ہاتھ چلنا شروع کردیجئے تا آنکہ قبرستان کا پھاٹک دکھائی دے آ خر قبرستان آ گیا گورے قبرستان کا ماحول عجیب پرسکون ہوتا ہے درخت سائے چلیں کتے آدم نہ آدم زاد ہم نے نظر دوڑائی جو نقشہ خیمہ مرمر کا ہماری مظر میں تھا اور جس کی ہم نے تصویر دیکھ رکھی تھی کہیں نظر نہ آیا ہم نے کتبے پڑھنے شروع کئے کہ شاید مقبرہ ۱۸۹۰ء اور آج کے درمیانی ۸۰ برسوں میں ڈھے گیا ہوگا بڑی پرانی قبریں تھیں انیسویں صدی کے شروع زمانے کی بھی درختوں کے جھنڈوں میں بھی جادیکھا آخر ایک شخص مشین سے گھاس کاٹتا نظر آیا اس سے ہم نے پوچھا بابا سر رچرڈ برٹن کی قبر کہاں ہے اس نے یہ نام سن رکھا تھا لیکن تلاش میں ہمارے ساتھ شامل ہوگیا آخر اس نے کہا لائن کے پار جدھر سے آپ آئے ہیں ذرا آگے چلئے تو گر جا کی اوٹ میں رومن کیتھلک تھی برٹن کے دوسرے رشتہ داروں اوردوستوں کی مخالفت کے باوجود نہ صرف برٹن کی آخری رسوم رومن کیتھلک طریقے پر سرانجام دیں تھیں بلکہ اسے دفن بھی کیتھلک قبرستان میں کیا تھا حالانکہ برٹن پیدائش سے پروٹسنٹ تھا اورعقید تا عیسائیت بعض لوگوں کا نظریہ یہ ہے کہ خفیہ طور پر مسلمان ہو گیا تھا واللہ اعلم بالصواب اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر کسی مذہب کا وہ قائل تھا تو وہ اسلام ہی تھا میور نے اسلام اور پیغمبر اسلام کے متعلق جو زہر ناک کتاب لکھی تھی سر سید نے اس کے رد میں خطبات احمد یہ لکھے برٹن نے بڑے معقول طریقے پر اس کارد کیا تھا اور اس کا جو موقالہ کیا تھا اوراس کو جو مقالہ اسلام پر اس کی موت کے بعد شوئع ہونے والی کتاب the jew the gypes and

اسلام میں شامل ہے اس سے بھی یہی گمان ہوتا ہے ۔

خیر تو ذکر قبرستان کا تھا ہم الٹے پاؤں لوٹتے ریل کا پل جو چھوٹا سا اور ٹیڑھا میڑھا نہ جانے کس زمانے کا ھے اور سیڑھیوں والا یعنی پیدل والو ں کے لئے ہے۔اسے نپار کر کے سڑک پر آئے،وہاں سے آگے چلے۔بیس تیس قدم پر داہنے ہاتھ ایک گرجا دیکھا،ویران سا ،اس کے صحن میں کچھ کاریگر لکڑی کا کام کر رہے تھے ،لیکن ہم چپ چاپ اس کے عقب سے چلے آئے ۔یہاں قبرستان تھا،بہت مختصر سا، اس میں گھٹنوں گھٹنوں گھاس جھڑیاں اور بڑے بڑے چھترے والے درخت جانے کیا تھے۔چھوٹے چھوٹے لڑکوں غول پتھر مار مار کر کچھ جھاڑ رہے تھے۔ہم یونہی گرجا کے عقب میں جا کر دیہنے مڑے۔خیمہ مرمر سامنے تھا قبروں کے بیچوں بیچوں گھاس سے گزر کر ہم وہاں پہنچے ۔

جانے کتنے دنوں بعد وہاں کوئی شخص آیا ہوگا ۔تو یہ تھا خیمہ مرمر اس شخص کی آخری آرام گاہ جو دنیا بھر کی خاک چھانتا پھرا۔

صورت حال واقعی عرب خیمہ کی سی تھی۔ اور اس کے حاشیے پر چاند ستارے بنے ہوئے تھے۔اور چوٹی پر سہ ستارہ اور شکنہں بھی بنی ہوئی تھی۔ لیکن خیمہ کے رنگ ملگجی اور سیاہ ہے مال جانے کیا ہوگا ۔مرمر تو قطعی نہیں ہے کیونکہ ایک جگہ ہم نے دیکھا کہ نمی سے پھول کر اوپر کی تہہ چیخ گئی ہے ۔ اور اندر سیمنٹ کا مسالہ نظر آرہا ہے۔ اس خیمہ کا دروازہ پہلے کھولا تھا اور برٹن کی بہوہ جس کا چھ سال بعد ۱۸۹۶ء میں انتقال ہوا،بعض اوقات اس خیمہ میں آ کر رہتی ہے۔ اونٹوں کے گلے میں ڈالنے کی گھنٹیا ں اس کے اندر لٹکی رہتی تھی۔اب تیغہ شدہ دروازے پر سیمینٹ کی ایک کتاب رکھی ہے جس پر میاں بیوی کے نام رقم ہیں ۔اس سے کچھ فاصلے پر پتھر کی ایک مستطیل لوح ہے جس کے ابھرے ہوئے حروف میں کچھ جھڑ چکے ہیں کچھ باقی ہیں گھاس کو ہٹا کر ہم نے یہ عبادت نقل کی،،

رچرڈ برٹن

الوداع اے دوست اے عزیز دوست،اے عظیم اور مرحوم ہستی ،زندگی ختم ہوئی،اس کی بے پناہ مسرتوں کے بعد اور بے پناہ خطرات بھی۔

وہ جس کے لئے جان جوکھو ں کے کام ہنسی کھیل تھی۔جوایسا معلوم ہوتا ہے کہ نیزے خنجر اور گولی کے مقابلے مامون اب مصاف ہستی سے منہ موڑکر یہاں چپ چاپ آرام کرر ہاہے ۔ لیکن انگلیتان اس عزظیم ہستی کی غم زدہ بیوہ کے ساتھ نوحہ کناں ہے ۔

اس دریا کے آخری اورعظیم ترین نائٹ برطوانی سلحشوراورعرب شیخ مشرق کے اور الف لیلی کے لازال عجا ئب کے عاشق جس کی روح ابد تک تازہ مہو کیلیئے بے تاب رہے گی الوداع۔

الف لیلی کے مترجم برٹن عجیب غریب شخص تھا ،اورشائد ہی کسی اورشخص میں اتنی سا ری خوبیاں ایک ساتھ جمع ہوئی ہوں ، الف لیلی کا ترجمہ ہی زندگی بھر کا کام ہے، جسے اس نے تین چار سال میں نٹایا اس کے علاوہ بھی کوئی پچاس کے قریب تصانیف چھوڑی ہیں جن میں چار پانچ سندھ کے منطق ہیں یہ سر چارلس نے کے زمانے میں ۱۸۴۲ء میں ہندو ستان آیا تھا ،پہلے بمبی بڑودہ میں رہا ، پھر کراچی آیا ، اس وقت وہ فوج ،میں لیفٹینٹ تھا ۔بعد ازں سروے کے محکمے میں چلا گیا ،یہ ۲۹ زبا نوں کا ماہر تھا ،جن میں یورب کی قریب قریب ساری زبا نوں انگریزی فرنچ ہسپانوی،اطالوی ،جرمن،پرتگیزی ،لاطینی یونانی کے علاوہ اردو ،ہندی ،سنکرت،فارسی عربی ،ترکی ،گجراتی ،سندہی۔ مرہٹی ملتانی ،جس کی گرامر بھی اس نے لکھی ہے۔ اور چینی وغیرہ شامل ہیں ،بعض کتابیں تو برٹن کی زاتی لائبیری میں اسی دیکھیں جس کا رسم خط معلوم کیا ہے ،ہاں ارفیقی زبانوں کا اہم ذکرنا بھول گئے اور وہ کتابی کیڑا ہی نہیں مہم باز بھی تھا اس نے مسلمانوں کے بھیس میں حج کیا ۔اورتین جلدوں میں زیارت حرمین شریف کا سفر نامہ لکھا a piljir mage al maddena and maccah

افریقہ میں حرار گیا ،حبشہ کے اس شہر ممنوع میں اس سے پہلے کوئی یوپین نہ گیا تھا، پھر دھونی کے بادشاہ دربار میں گیا ،پھر نیل کا منبع تلاش کرتا پھرا زخمی ہوا ،بیمار ہوا ،قید ہوا ،اس سیاحت اورمہم کا احوال لکھا اور مغربی افریقہ کے ضرب الامثال جمع کیئے ،ایک کتاب زنجبار کے بارے میں بھی ہے ، مصر کے صحرا ئے سینا میں سونے کی تلاش میں کانکنی بھی کی اور اس کی لا ئبیر یری میں بہت سی کتابیں کمیسڑی اور

انجیئر نگ پر بھی ہیں ، اور قریب قریب ہر کتاب پر اسو کے ہاتھ کے لکھے ہوئے تفصیلی حاشے ہیں پھرامریکہ گیا ،ایک کتاب برازیل پر ہے ، ایک پورا گوئے پر ،ایک سالٹ لیک امریکہ کے مورمون فرقے کے پیغمبر کے بارے میں بھی جس سے یہ ملا تھا ،اورہاں دمشق کے متعلق اس کی تصنیف کا زکر کرنا ،ہم بھول گئے جہاں یہ ۱۸۷۰ء کے قریب برطانوی قونصل تھا ،مراکش جانے کا متمنی تھا لیکن اس کی اکھڑ طبیعت نے دشمن بہت بنالئے تھے ۔مراکش کے بجائے اسے ٹریس بیھجا گیا ، الف لیلی کا ترجمہ اور پرفیومڈگارڈن وغیرہ ،اس زمانے کی تالیف ہیں ،اس کا انتقال ٹریسٹ میں ہوا اس کی ایک معرکتہ آرا کتاب شمشیر یعنی دنیا جہاں کی تلواروں کے بارے میں ہے ، اور ایک رسا لاbio nete سنگین کے استعمال پر بھی جو بعد ازں برطانوی فوجوں کے نصاب میں شامل ہوا ،،بہا در علی حسینی کی اخلاق ہندی فورٹ ولیم کالج میں چھاپی ہے ، اس کا ترجمہ بھی اس نے کیا تھا ، جو مسودے کی شکل میں رکھا ہے ،اورحافظ کی غزلیات کا ترجمہ بھی ہم نے دیکھا، نا صاف مسودے کی صورت میں جس کا اس کے سوانح نگا روں نے کہیں زکر نہیں کیا ،جب یہ مارا ہے ،تو کوئی پچیس تیس کتابیں مسودے کی صورت میں تھی بعض قریب قریب مکمل بعض ناتمام بیوی اس کی عجیب عورت تھی ،اس نے گھر کے دروازے بند کئے ،اور برٹن کے مسودے اور کاغذات جلا نے شروع کئے ،کوئی ایک ہفتہ تک وہ جلاتی رہیں اس میں اس کا روزنامچہ یعنی جرنل بھی تھا جو وہ باقاعدگی سے چالیس سال تک لکھتا رہا ، اور آج موجود ہوتا تو جانے کتنے انکشافات اس کی بدولت ہوتے ،اس کا کہنا کا تھا ،کہ برٹن میں نے خواب آکر مجھے ہدا یات کی ،وہ بھی زبانی نہیں بلکہ اس کے بشرے سے میں نے معلوم کیا کہ اس کے مسودے جلا دیئے جائیں اس بی بی نے یہ کیا اورساری دنیا اب تک اس کو نفرین کرتی ہے اس خاکسار نے برٹن کی سوانح لکھنے کا بیڑا اٹھایا ہے جو بلاد مشرق میں اس کی زندگی کومحیط ہوگی خصوصا سندھ کےدوران قیام اورحج کی سر گزشت اوردریائے نیل کی دریافت کا معرکہ خداکا شکرہے کہ اس کی لائبریری کی بہت سی کتابیں چند اور مسودے بھی آتش زنی سےمحفوظ رہ گئے اورآج لندن میں royal ant hropological society کے کتب خانے میں ان کا ایک کمرہ ہے اور اسی کمرے میں

ہم ایک روز قید ہو کر رہ گئے تھے ،

یہ کمرہ عموماً نہیں کھولا جاتا اور بیڈفورڈ سیکورڈ میں برٹش میوزیم سے کچھ دور نہیں ، عمارت کی سب سے اوپر کی منزل پر ہے ، صرف برٹن پر تحقیقات کرنے والوں کے لئے کھولا جاتا ہے ، اس میں کتابیں زمین سے چھت تک الماروں میں لگی ہیں ،اور کچھ فرش پر ڈھیر ہیں ، ہر طرف سیاہی اور گرد کا پہرا ہے۔ ہم کئی دن تک جاتے رہے ،اور گھنٹوں کتابیں دیکھا کرتے اور نوٹ لیتے زیادہ جستجو اس بات کی تھی آیا برٹن کی کوئی تحریر کسی مشرقی زبخصوصا اردو میں فارسی میں عربی میں ہندی میں سندھی میں،کونسی کتابیں اور لغت ان زمانوں کے اس کے پاس تھے اور غیر مطبوعہ مسودوں میں سندھ اور کراچی کاذکر ہے۔ ہفتہ اور اتوار کو لائبریری بند رہتی ہے ایک روز جمعہ کو ہم قریب دوپہر جو بیٹھے تومعلوم نہیں کب شامہوگئی ہم تنہا باقی سب لوگ لائبریرین وغیرہ نیچے کی منزل پر ،کپڑے اور ہاتھ گرد اورسیاہی میں سن گئے۔جانے ہمارے ذہن یہ کیوں تھا کہ لائبریری چھ بجے تک کھلی رہے گی ۔ہم چھ بجے کے بعد بھی روکے رہے کیونکہ اس لائبریری میں مطالعے کا ہمارا آخری دن تھا پیر کی صبح ہمیں پیرس روانہ ہونا تھا چھ بجکر پچیس منٹ پر ہم نیدروازہ بندکیا اور چابی نیچے دینے کے لئے اترےتو کیادیکھتے ہیں کہ ہو کا عالم ہےسارے کمرے بند کہیں روشنی نہیں صدا دروازے بند اور ہماری چیزیں بستہ ،بریف کیس ،اور متفرقات بھی نیچےلائبریری کمرے میں بند رہ گئی اب کیا کیاجائے نہ خادم نہ چوکیدار ،نہ گھنٹی نہ ٹیلی فون ،یا اللہ کل چھٹی پرسوں چھٹی،یہ چابی تو ڈاک سےبھی پہنچاسکتے ہیں لیکن اپنی چیزیں کیسے بازیاب کریں لائبریری پیرکی صبح دس بجے کھلے گی اور دس ہمیں ایئرٹرمینل پر پہنچنےکاحکم ہے اور ہم یہاں بندرہ گئے تودو دن تک کھانا بلا کھائے پیئے کیسے گزرے گی نیچے جا کر عقبی دروازہ کھولا وہ بھی ایک بند اور ویران احاطے میں نکلتا تھا آس پاس کی چھتوں پر کوئی آدھی نہ تھا بیشک کمرے کی کھڑکی سامنے کی سڑک پرکھلتی تھی اس سے کسی کواشارہ کیاجاسکتا تھا اورکمند کے سہارے نکلا بھی جا سکتا تھا لیکن ہماری چیزیں ،کتابیں ، بریف کیس، ہی میں ہمارے پیسےوغیرہ تھے ایک بار پراگ میں بھی ہم پرانے

یہودی قبرستان میں بند ہوگئے تھے اورچوکیدار باہر سے]پھاٹک مقفل کرکے چلاگیاتھا اورآج یہا ں۔۔ لیکن خیر ہم نکل ہی آئے کیسے نکلےاور کیسے پیرکی صبح ہمیں ارل کورٹ سے بھاگ کر آناپڑا اور کیسے محض اتفاق سے ہماری چیزیں مل گئیں اورکیسے وکٹوریہ ایئرٹرمینل پہنچنے میں ہم فقط آدھ گھنٹہ لیٹ ہوئے یہ الگ داستان ہے ۔

لندن کو ٹاٹا

ہم لندن سے گرمی کھاتے چلے تھے تو بھاری سوٹ اس خیال سے زیب تن کر لیاتھا کہ پیرس میں ضرورسردی ہوگی یہاں بھی ایسی گرمی تھی کہ ہلکے سوٹ کو بھی گوارا نہ کرتی تھی بلکہ ایک روز تو قریب شام ہم قمیض ہی میں ایفل ٹاور کی طرف کونکل گئے اسی شام کچھ بوندیں پڑیں رات کو خنکی ہوئی اورصبح ہونے تک صر صر چل رہی تھی اور خاصا ٹھنڈاموسم تھالوگوں کے لئے اوور کوٹ کا کیئے لیکن ہم یہ پالان اٹھانے کے قایل نہیں اس لئے بھی کہ ہمارے پاس نہیں کراچی سے اس لئے نہ لائے تھے کہ لندن میں دیکھا جائے گا لندن میں بس ایک روز ضرورت پڑی اوورکوٹ کی تو نہیں بھاری رین کوٹ کی لیکن سوچا کراچی میں ایک بیکارپڑا ہے دوسرے کو کہاں رکھیں گے ہمارےدوست مرزا نسیم بیگ کواسرار ہے اب کے تمہیں پیرس کی خزاں دکھائیں گے فلاں جنگل میں جائیں گے جہاں شاہ بلوط کے پیڑوں سے پتوں کے گرنے کاسماں عجب ہوتا ہے وہ خزاں کے اس نظارے کے عاشق ہیں ادھر ہماراجی بیار دیکھنے کو چاہتا ہے اوراتفاق کہیے کہ جس ملک می جاتے ہیں وہاں خزاں ہی سے واسطہ پڑتا ہے خزاں یاتو پہلے سے وہاں موجود ہوتی ہے ، یہ ہمارے ساتھ چلی جاتی ہے ہےکابل گئےتو درختوں پر ایک پتہ نہ تھا ،اصفہان میں بھی پتے جھڑرے تھے ،اور شیرازلنڈمنڈ تھا ،لندن ٹوکیو اور برلن میں خزاں کیا اور بہار کیا ،بڑے شہروں میں لوگ برگ درختان سبز کو نہیں دیکھتے دوسری بہاروں کودیکھتے ہیں مرزا نسیم بیگ کے سے لوگ کم ہوتے ہیں شہر میں رہے اور جنگل کی آرزو کرے

کل کا دن ہمارا بڑا بھر پور تھا ،ہمارا کام یونیسکو ہی سے ہوتا ہے ،سو وہ تمام ہوا ،اب سین کے کنارے بل مش میں آوارہ خرامی سے ہمیں کون روک سکتا ہے ،پیرس ہم دو تین بار پہلے آ چکے ہیں لیکن لودھر کے عجائب گھر کو دیکھے بنا جاتے رہے اب کے ہم نہیں تہیہ کیا کہ لودھر دیکھے گے اور اس میں مونالیزا کی تصویر کو دیکھے گے ،ورنہ ہمارے آرٹسٹ مزاج لوگ طعنے دینگے اور مونالیزا کو بھی شکایات رہے گی

بس ہم نے اٹھائے ڈھول اورتا شے اورایک یارعزیز کی ہماراہی میں لودھر کا راستہ لیا ،لودھر ایک ڈنڈار جگہ ہے یہ محل چالیس ایکڑ کے رقبے میں پھیلا ہوا ہے ، یعنی روم کے وٹیکن محل کے تین گناہ وسعت رکھتا ہے ،اس کے مختلف حصے مختلف بادشاہوں کے دور میں بنے اور اس کی گیلریوں اورغلام گردشوں کا طول ساتھ آٹھ میل بنتا ہے ہماری یعنی برعظیم ہند کے محلوں میں کبھی وہ عظمت و شوکت نہیں رہی جو پیرس ،روم دیانہ یا یورپ کے دوسرے امصار میں دکھائی دیتی ہیں محلوں کے حجروں میں باریکی کا کام ہم جانتے ہیں لیکن وہ بھی ایران اور ترکی کے مقابلے کا نہیں محل دیکھنے ہو تو یورپ کے دیکھئے چین کے دیکھئے ترکی کے دیکھئے جبروت کے دیکھئے لیکن خیر لوور تو اب اپنے میوزیم کی وجہ سے مشہور ہے اس کے بعد ذخیرے برٹش میوزیم سے بھی بڑے بیان کیے جاتے ہیں لیکن دونوں میں فرق ہے اس میں آرٹ کے ذخائر یعنی تصویروں کے سلسلے بہت ہیں برٹش میوزیم میں پرانے آثار کی بھرمارے آرٹ گیلریاں الگ ہیں ہم نے آثار باقیہ بہت دیکھ لیے اور آرٹ گیلریاں بھی۔لندن میں جنیوا میں ۔برلن میں ایمسٹرڈم میں لیڈن میں پراگ میں ویانہ میں قاہرہ میں کولمبو میں جاکرتا میں پیکن میں واشیٹن میں یہاں کا شہرہ بھی سنا تھا اور پھر مونا لیزا جس کی مسکراہٹ پر ڈھیروں کتابیں لکھی جا چکی ہیں ۔

لودر کے چاروں طرف دروازے ہیں ۔پہلے تو یہ ہوا کہ ہم نے ایک دروازے سے داخل ہوئے اور دوسرے سے نکل گئے پھر دوسرے سے داخل ہوئے اور تیسرے سے نکل گئے پھر تیسرے سے داخل ہوئے اور۔کہاں تک نکلتے رہتے یہی ٹکٹ ملتا تھا اور یہی سے عجائب گھر شروع ہوتا تھا ۔یونانی اوررومن اورمصری آثار سے ہم جلدی فارغ ہوگئے مشرقیات کو بھی بھگتایا اور آخری تصویروں کی گیلری تک پہنچ گئے میلوں نہیں تو فرلانگوں دیواروں پر تصویریں ٹنگی تھی ۔ایک سے ایک شاہکار ۔۔ان باکمالوں کے جن کے نام ہم نے سنے تھے اور جن کے نام نہیں

سنے تھے لیکن ہر کسی کو ہم نے گھبانوں سے یہی پوچھتے دیکھا کہ مونالیزا کس کمرے میں ہے گویا کسی کو اس کی فرصت نہ تھی کہ اپنی آنکھوں سے ان مصوروں کی کاوشوں کو دیکھے اور لطف اندوز ہو اور اپنی رائے قائم کرے۔۔مونا لیزا کا سنا تھا اور اسی کی تلاش تھی اور صاحبو ۔پراپیگنڈا بڑی چیز ہے ہم نے چھوٹی عمر میں دس بارہ سال کے سن میں مونالیزا کا ذکر پڑھا تھا اور اس کی تصویر نیرنگ خیال کے سال نامے میں دیکھی تھی جو کچھ ناقہ دانے کرام نے مونالیزا کی مسکراہٹ کے بام میں لکھا تھا انہیں پڑھ کر ہم متاثر ہوئے لیکن تصویر دیکھ کر نہیں پھر سیکڑوں بار تصویر دیکھی اور آخر خیال کیا کہ یہ آخر نکلی ہیں اصل میں ضرور کوئی بات ہوگی ،پس ہم لودر میں اسٹیٹ روم پہنچے تو دم بخود تھے ۔ایک تصویر کے سامنے لوگوں کا ہجوم تھا صرف ایک تصویر کے گرد سرخ بانات کا فریم تھا اوراوپر شیشہ تھا ۔ ہم نے اسے دورسیدیکھا اور پاس سے دیکھا جی بہت کڑا کیا ۔لیکن صاحبو آپ لوگوں نے بھی یہ تصویر دیکھی ہے اس میں کونسی خاص بات ہے ایک عورت ہے اس کے جسم میں کسی طرح کی موزونیت نہیں۔ایک چہرہ ہے جس پر کسی طرح کے جذبات نہیں۔ کسی طرح کی شوخی۔غم کی کیفیت نہیں اور ایک مسکراہٹ یا نیم مسکراہٹ جو آپ کسی غبی شخص کے چہرے پر دیکھ سکتے ہیں لیونا روڈ ڈیونشی کہ ہم بہت قائل ہیں اوراس کے شاہکار ہم نے دیکھے ہیں لیکن یہ تصویر ؟ ہے ادب شرط منہ نہ کھلوائے ایک بار اسے کسی نے چڑھادیا باقی لوگ تقلیدا مکھی پر مکھی مارتے گئے اگر کسی کی رائے ایسی ہوئی جیسے ہماری ہے تو مروت کے مارے یانقادو کے ڈر سے چپ ہوگیا کہ بدذوقی کی تہمت نہ اٹھائے مونالیزا کے دلداد گان ہم پر نفرین بھیجنے سے پہلے ازراہ انصاف اس تصویر کو ایک نظر دیکھ لیں اور ایک بےڈول غبی چہرے پر احمقانہ تاثر کو ملاحظہ فرمالیں جو مسکراہٹ بنتے بنتے رہ گیا ہے پھر جو جی چاہے ہمارے بارے میں کہیں۔

ہمارے ساتھ ہمارے جو دوست تھے وہ بھی پڑھے لکھے تھے وہ بہت کچھ آرٹ کھا بھی چکے تھے ۔لیکن اس بارے میں انھوں نے ہماری تائید کی اور کہا بھی کہ اس کی تعریف اس لیئے کرتا تھا کہ دوسرے لوگ کرتے تھے اور دوسرے لوگ بھی اسی لئے کرتے ہونگے کہ ،،،،،،،،

انصاف پسند ،اہل نظر سمجھدار قارئین ،ہماری رائے سے اتفاق کرینگے صرف انہی کو ہم سے اختلاف ہوگا جو تقلید پسند ، کم فہم اور متعصب قسم کے ہیں ۔

پیرس بھی کوئی شہر ہے

پیرس کو شہر خوباں کہاجاتاہے اوراس کےنام پرلوگوں کو لہلوٹ دیکھاہے لیکن یہ خوباں کہاں ہے ہمیں تو نظر نہ آئیں ہم خوباں کی دید کے لئے کسی خاص جگہ تو نہ گئے نہ جانے کے قائل ہیں کسی جگہ کےلوگوں حسن اوردلکشی کا اندازمختلف طبقوں کےان لوگوں ہی سے لگایاجایاھے ،جوآپ کوگلیوں بازارں مہں نظرآتے ہیں ،یامحفلوں میں آپ سے ملتے ہینِ سچ یہ ھے کہ سومیں ایک صورت اسی نظرآئےگی کہ آپ اس پرنظرجمانا یادوسری نظرڈی لنا اچھی یا بری ہسند نہ کریں ،پیرس میں مختلف جگہوں پرپیدل یاٹیوب میں جاتے ہوئے ہم نے ایک دوست سے جو سال میں چارماہ پیرس رہتے ہیں ،اپنایہ تاثر بیان کیا ،بلکہ میترو میں بیھٹے بیھٹے کہا ہمارے ڈبے میں اس وقت تیس چالیس عورت ہونگی ان میں بیس پچیس دس شیزگان ،کیاکسی کی صورت ایسی ہے جس پر ہزارجان توایک طرف ایک جان سےبھی قربان ہونےکوجی چاہئے انھوں نےکہا تم سچ کہتی ہو ،چہرے کی سفیدی اورسرخی کا حسن سے کچھ تعلق نہیں۔حسن کا مطلب موزونی اعضأ اورطرراداری کا تناسب بھی بہت کم کچھ بات لباس کی بھی ہھ سب باتوں کو ملاکردیکھئےتو ہمارے یہاں قابل دید صورتوں اور سرا پاؤں کی فیصد تعداد یورب کی صورتوں کےمقابلے میں پانچ گنا ہوگئ انگلسان کوتو ہم خیر ہم کسی شمار میں نہیں رکھتے دم تحریر پیرس کی بات کررہے ہیں ،یورب اورسکنڈے نیویاکے آٹھ دس ملک کوبھی ہم نے دیکھے ہونگے یورب ہی میں موانہ ٹھہرےتو سویڈن بھی اس معاملے میں فرانس پر فائق اسپین بیشک بہتراوراٹلی اس سے بھی اچھا مشرق کی طرف آتے جائےمشرق وسطی میں حسن ملاحت خاصی اگرچہ مصرمیں امیتہ بافرہی مشرق بعید میں سانولے پن کے ساتھ نقوش کاتیکھا پن بھی بڑھتاجاتا ہے لنکا اورہندوستان کےکیا کہنے ملایا میں ناک اتنی تیکھی نہیں رہیی لیکن ملاحات اورناز کی بہت یہی بات انڈونیشیا کی جانی ہے ۔ فلپائن میں غنیمت جاپان میں حسن

کا تناسب تیس فیصد کوریا میں کوئی صورت حال کہیں زیادہ بہتر اور تسلی بخش جزیرا ہوائی میں جہاں جنگل اور شہر مل گئے ہیں وہاں گندمی چہرے اور کالے بال لبھاتے ہیں اس سے آگے سمندر آجاتا ہے ۔امریکہ کہ خشک چہر گان جانے کیوں یوپر سے بہرحال شاید اچھے آب و ہوا کا دخل ہو لیکن پھر بھی ہائے دلی ہائے لاہور اپنے وطن اور اپنے برعظیم کی کیا بات ہے۔ آپ نے آبِ حیات میں جانی کبابی کی ہنڈیا کا حال پڑھا ہوگا ۔بس کچھ اس قسم کے اسباب جو ہمیں وطن میں روکے ہوئے ہیں ورنہ ۔خیر ورنہ ہم بھی اسی تنخواہ پر کام کرتے بعد ہمیں کون پوچھتا۔

ذکر پیرس کا تھا ہم آوارگی کی ترنگ میں ایران ،تہران کی ہانکنے لگے اور جمالیات پر عالمانہ مقاعلہ لکھنے لگے کہنا فقط یہ تھا کہ کہ پیرس نے ہمیں بھی مایوس کیا شہر میں کیا بات ہے درو دیوار صدیوں کی دھوؤں سے تاریک ۔سڑکوں پر بھی صفائی نہیں جو تصویریں آتی ہیں بس کاروکا ہجوم ہر جگہ میترو یعنی انڈرگراؤنڈ سفرلندن کے مقابلے میں خراب ٹیوب اسٹیشنوں پر اس کے لیٹر بس ایک آدھ جگہ ہے پرانا دھرنا ورنہ سیڑھیاں اترتے چڑھتے بے حال ہو جاؤ بعض سڑکیں اور چوک البتہ دیدنی ہیں مثلا شانزے لیزیے کی مشہور سڑک کنکارڈ سے اتوائیل تک جس کے دونوں طرف بڑے بڑے مغازے یعنی دکانیں اوعر اسٹور اس کی فرلانگ بھر چوڑائی سے عجیب وسعت کا احساس ہوتا ہے کنکاڈ کا میدان بھی کشادگی اور سبزے سے ممتاز ہے۔ ورسائی اور نواحات کو چھوڑیئے بیچ شہر کے ہم کسی کو حسین کہ سکتے ہیں تو وہ ایفلٹاور کے باغیچے ہیں اور فوارے ہیں اور سیر کی رویشیں ہیں یہاں بیٹھئے ہم یہ سوچتے ہیں کہ پیرس والوں کے پاس ایفل ٹاور بھینہ ہوتا تو کیا ہوتا ؟ ایک بار تو سچ مچ اس کو ڈھانے اور ہٹانے کی تجویز بھی ہوئی تھی لیکن اس میں خرچ زیادہ پڑتا تھا عمارتیں اور محل بعض عظیم الشان ہیں لیکن روم اور وی آنا کی ٹکر کے نہیں دریائے سین پر بھی ہم نے کشتی کا پھیرا کیا اور مرغوب سڑک بلمش یعنی شاہراہ سان مشل سینٹ مائیکل پر آوارہ گردی کرتے رہے لیٹن کوارٹرز کی فضا میں عجیب لایا ابالیانہ پن ہے لیکن اس کا تعلق بھی حسن اور صفائی سے کم کم ہی سمجھئے یہاں ہمیں کے تکے اور اس ریستوران کی فضا بہت پسند آئی چھوٹا سا گھریلو ریستوران ہے جو چار سو برس کہنہ ایک عمارت میں واقع مشہور کیفے ڈی فلور بھی جو ایک زمانے میں سارتر کی بیٹھک کی وجہ سے

مشہور تھا اس کے قریب ہی ہے بیشک پیرس میں اوربھی سامان دلکشی کے ہوں گے جن میں ایک وائن ہے جس سے

ہم بے نصیب ہیں اوروہ ٹھاکنے جہاں ہماری رسائی نہیں نہ ارادادری ،نہ غیر ارادی پیرس کے چاہنے والے ہمیں کو

سیں گے کم از کم اتنا کہیں گے کہ کیا جانتے تو نے اسے کس آن میں دیکھا لیکن اپنی اپنی نظر کی بات ہے یہ

تو پیرس ع ہمارے مخدوم جناب حفیظ جالندھری نے تو اصلی جنت کو ایک مصرع میں میںؒ ردکر دیا گیا تھا۔

کیا ہے جنت ؟ چند حوریں ،اک چمن ،دوندیاں

ہم دو بارہ عرض کریں کہ شہر کی فضا بہت اچھی ہے اوراس کی صحبتوں اورگلیوں بازاروں میں بھی عجیب دلکشی

ہے فقط نسوانی حسن کی معتدبہ کمی کا ہم ذکرکررہے ہیں ۔

فرانسیوں میں یہ بڑی خرابی ہے کہ

فرانسیوں میں یہ بڑی خرابی ہے کہ اپنی زبان کو اس لہجے میں نہیں بولتے جس میں ہم چاہتے ہی کہ وہ بولیں تا کہ ہماری
سمجھ میں بھی آئے اس میں سرا سر انھی کا نقصان ہے ہمارا اس میں کیا جاتا ہے اس روز بکثرت پیدل چلنے کے باعث
ہماری انگلیوں پر جو گٹے پر چپکا دیں ان پر؛ لگانے کے لئے ہمیں کارن کیپ چاہیئے تھے اردومی فارسی میں
ہمیں بہت آتی ہے اس میں بھی وہ بی بی ءکہ کیمسٹ کے کونٹر پر کھڑی تھی کچھ نہ سہی آخر ہم نے پاؤں کی انگلیوں
کی پوروں کو ہاتھ لگایا اورمنہ بنا کر واضح کیا کہ تکلیف ہوتی ہے تب اس نے شے مطلوبہ ہمیں تھمائی لیکن بارہ آنے کی
چیز کے روپے پھر بھی لگائے فرانس میں ہمیں کسی چیز کی خریداری میں اگر ہم کوئی خریداری کی تو کوئی وقت پیش نہ آئی

اول تو قیمتیں لکھی رہتی ہیں جہاں نہیں وہاں بھی دکاندار کچھ بھی بتائے آپ ایک بڑا سانوٹ اندازہ کرکے اس کے حوالے کیجئے وہ باقی پیسے بھی دے دے گا ہم نے اتنے بڑے ملک چین کی سیر محض آداب عرض اور شکریہ یعنی فی ہاؤس اور شے شے کی مدد سے کر لی فرانس تو پھر چھوٹا ہے اس میں اگر ہمارا کام بوں ژور کڈ مارننگ اور مرسی بکو بہت بہت شکریہ چل رہا ہے تو کچھ تعجب کی بات نہیں ہمارے ہوٹل کی چیمبر میڈ جسے ہم اے مائی کہہ کر بلاتے ہیں ہم سے طول طویل گفتگو فرنچ زبان میں کرتی ہے ہم سنتے رہتے ہیں اور خاموشی کو اور مسکراہٹ کو ترجیح دیتے ہیں یعنی اے مائی تیری بات ہم سمجھ گئے جو کچھ تو کہتی ہے ہے ٹھیک کہتی ہے لیکن ہم جواب دینا ضروری نہیں سمجھتے اگر تیرا مطلب ہے آج موسم اچھا ہے اور ہمیں باغ جو جانا چاہیئے تب بھی مناسب مشورہ ہے اگر تیری تقریر کا مطلب ہے کہ اس ہوٹل میں بوٹ پالش کا انتظام ہے یا تو ہماری چادر بدلنے کے لئے ہمیں بستر سے اٹھانا چاہتی ہے تب بھی کچھ مضائقہ نہیں ہماری خاموشی کا برا مت مان کیونکہ ہم خاموش طبع ہیں اور مسکرا اس لئے رہے ہیں کہ طبعاً خوش مزاج ہے۔

کوئی پوچھے کہ سینٹ مائیکل میں کیا خرابی ہے جو آپ کو ساں مشل کہتے ہیں کو شانزالیز ے کہنا کہاں کی معقولیت ہے ہمارے ہوٹل کا نام ڈیوس ہے اول تو اتنا مشکل نام رکھنے کی کیا ضرورت پھر اسے ڈوکزنے وغیرہ کہنے میں کیا خرابی ہے معلوم ہوا یہ ڈوکین ہے ویسے اچھا ہوٹل ہے ہمارا کام یونیسکو سے ہے اور دن بھر وہاں وقت کھو کر فقط رات کے وقت گھر پر ہوتے اس میں یہ خوبی ہے کہ یونیسکو سے قریب ترین ہوٹل یہی ہے اور لندن کے ہوٹل کے مقابلے میں سہولتیں بہتر دام آدھے سے بھی کم یہ سچ ہے اس ہوٹل کے کمرے میں ایسا ڈبہ نہیں جیسا لندن کے فل پیچ ہوٹل کے کمرے میں تھا جس کس کا ایک بٹن دبانے سے ہم نکلسکتی تھی اور دوسرا بٹن دبانے سے جن لیکن ایک ڈبہ اس میں بھی ہے جس کا نام مساج بوائے ہے یعنی ماشیا ہدایات پڑھیئے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس ڈبے میں ایک فرانک ڈالئے جو ہمارے روپے کے قریب قریب برابر ہے اور پلنگ پر لیٹ جایئے تو یہ آپ کی مالش کرتا ہے ہم نے ڈرتے ڈرتے ایک فرانک ڈالا اور پلنگ پر دراز ہوگئے یک لخت اس نے تھرتھرانا شروع کردیا پلنگ کے نیچے کوئی مشین چلنی شروع ہوگئی پندرہ منٹ تھرتھرانے کے بعد پیسہ ہضم تماشہ ختم لیجئے مالش گئی ہم نے دو تین فرانک گنوایئے کچھ مزا نہ آیا مالش چیزے دیگر

است ہم نے خود کبھی نہیں کرائی لیکن لاہور میں ٹی ہاؤس کے سامنے اپنے ہم عصر ادیبوں کو کرسی پر بیٹھے مالش کراتے دیکھا مالیشیا بدن کا جوڑ جوڑ اور بن بن دباتا ہے ملتا ہے گھستا ہے رگڑتا ہے توڑتا ہے جوڑتا ہے چیڑتا ہے اور گدگدتا ہے بات٭ ہوئی نہ۔

جو آنکھ ہی سے نہ ٹپکے بھلا وہ لہو کیا ہے

فرانسیوں کو کھانے کا شوق مشہور ہے لیکن ہمیں اس کی داد دینے کا موقع زیادہ نہیں ملا کیونکہ ہمارے دوست مرزا نسیم بیگ ہمیں ہر روز نئ تو ہر دوسرے روز اپنے ہاں لے جاتے تھے اور پاکستانی کھانا کھلاتے تھے پاکستانیوں کی مدد و مدارات میں صاحب جو شائستگی اور اضع داری جو مجسمہ ہے اتنی کاوش کرتے ہیں کہ عملا انھیں پیرس میں کا آنا ری سفیر کہ سکتے ہیں ، البتہ باہر کہ ریستوران میں کھانے میں ایک روز غچہ کھا گئے ۔اور بیف ، مچلی، مرغ کو گرانسیسی میں کیا کہتے ہیں۔اس کی کچھ شدبد ہمیں ہے اور جانتے ہیں کہ بھنا مرغ ہے ۔لیکن ریستوران میں ہم گئے وہاں بلکہ مینو میں لکھا تھا سہی سہی یاد نہیں یہ یا اس سے کچھ ملتا جلتا نام تھا بھوک بہت لگ رہی تھی اور چوزے کی تکہ بوٹی کرنے پر آمادہ بیٹھے تھے کہ بیرے نے میز سجانے شروع کردی اور ہمارے آگئے بڑے شمشے لا کر رکھ دیئے مرغ کو چمچے سے کھانے کا تجربہ نہیں ہمارے دوست کو جو ہمارے ہمراہ تھے کچھ شبہ بھی ہوا کہ آرڈر تو غلط نہیں ہو گیا پھر سوچا شوربے دار مرغ ہوگا اتنے میں ایک با قدحہ ہماری میز پر آیا اور اس میں کچھ کوے کی چونچیں سی دکھائی دی اور سفید سفید شوربہ بیرے نے نہایت نذاکت سے ڈوئیاں بھر بھر کر انھیں ہماری پلیٹوں میں ڈالا۔اور کہا جان نوش فرمائیے ہم نے مرسی بکو کہ کر دیکھنا شروع کیا کہ یہ کیا چیز ہے یہ سمجھ می آیا کہ یہ سیپیاں ہیں اور ان کے اندر للجلا سفید مادہ موتی نہیں تو گھونگے ہونگے جسے یورپ کے لوگ رغبت سے کھاتے ہیں ہمارا جی منغض ہوا پھر سوچا کہ تجربہ لکرنا چاہئے چمچہ بھر کر منہ کے قریب لائے تو اس میں سے عجیب کھٹی کھٹی بو آئی۔آخر اس کو وہی رکھا اور بیروں کو حیران چھوڑ کر دام دے کر چلے آئے پاس ہی دوسرا ریسروتان تھا اس میں جا کر آملیٹ طلب کیا اب بھی خیال آتا ہے تو جی میں جھرجھری سیء اٹھتی ہے۔

کتابیں اپنے ابا کی ہم نے یورپ میں بہت دیکھی ۔انڈیا آفس لائبریری میں جو اب تک بلیک فرائز تروڈ پر ایک نئی شاندار بلڈنگ میں منتقل ہوگئی ہے۔ برٹش میوزیم میں اور اسکول فار اورنٹل اسٹیڈیز کے کتاب خانے میں۔لیکن ہمارا دل سی پارہ نہ ہوا۔ یہ سوچ کر کہ ہمارے یہاں یہ خزانے ہوتے بھی تو کبھی کے لوٹ جاتے کون ان کو سینت سینت کر رکھتا اوران کی فہرست بندھی کرتا اور دوسروں کو دیکھنے دیتا ۔ان لوگوں نے کم از کم سلیقے سے محفوظ تو کر دیا۔ اوردوسروں کو دیکھنے دیا ہمارے پاس تو خیر یہ تاجدار تھے لیکن جاپان اور چین کی کتابیں، نیپال اور تبت اور کوریا کی کتابیں افریقی زبان کی کتابیں،مخطوطے تصاویر جو یورپ جا ان کو دیکھ سکتا ہے ورنہ اکثر صورتوں میں ان کی نقلیں اورعکس منگوا سکتا ہے یہی حال آثار کا جانیے اب تو خیر ہم بھی اپنی چیزوں کی قدر حفاظت کرنے لگے ہیں اور اپنا میوزیم بھی مصری آثار سے اٹا پڑا ہے ورنہ ہم سے پہلے لوگوں کے لئے یہ چیزیں کنکر پتھر تھی مصر میں یہ لوگ اہرام میں نقب لگا کر ممیوں کے کفن اور زیورات کھینچ لے گئے ۔پیرس میں کنکارڈ کے میدان میں ایک پرانا مصری نکیل مینار نصب ہے جو محمد علی پاشا نے نپولین کو یا جانے کس کو نظر کر دیا تھا لندن میں بھی ٹیمز کے کنارے پر کلو پیٹرا سوئی پڑی ہے جس کا بوجھ ایسا ہے کہ لانے والا بڑی مشکل سے نکالنے والا نکال کر لایا اور بھی کئی چیزیں دیکھی جس پر لکھا تھا محمد علی پاشا نے تحفہ دیا ہمارے خیال میں یہ کہ دیتا ہوگا کہ ارے میاں لے جاؤ کس کام کی ہیں یہ چیزیں کتابوں کے بارے میں بھی ہم ایسی ہی بے نیازی برتتے ہوں گے۔

یونیسکو کی گیلری سے

یونیسکو میں ہمارا اپنا کام ختم ہوجاتا تھا تو ہم یونیسکو کے ایگز کٹو بورڈ کے جلسے میں جا بیٹھے تھے جہاں ایک کونے میں وزیٹرز کے لئے کرسیاں رکھی ہیں اور کانوں میں لگانے والے چونگوں کا بھی انتظام ہے وہ اس کے لئے تقریریں کئی زبانوں میں ہوتی ہیں زیادہ تر انگریزی اور فرانسیسی ہیں لیکن پسپانوی اور روسی میں بھی جب کوئی انگریزی کے علاوہ

کسی اورزبان میں تقریر کرتا تھا تو ہم چونگا اٹھا لیتے تھے مترجم اور متر حمائیں کمال کی ہیں تقریر کے ساتھ ساتھ ایسا بامحاورہ رواں اور بے تکاں ترجمہ نشر کرتی ہیں کہ اصل معلوم ہوتا ہے دوتین سال ہوئے جناب قدرت اللہ شہاب نے جو ۱۱۳ کے ایوان میں ۹۲ ووٹ حاصل کر کے چھ سال کے لئے ایگزکٹو کے ممبر منتخب ہوئے یہ قرار دار پیش کی تھی کہ عربی بھی بین الاقوامی زبان ہے اسے سبھی انگریزی اور فرانسیسی وغیرہ کے برابر درجہ دیا جائے اوراس کے ترجمے کا بھی انتظام ہو مغربی ملکوں کی طرف سے بہت مخالفت ہوئی لیکن یہ عرب اور مسلمان ملکوں کی آواز تھی ایشیا اور افریقہ کے ملک بھی شہاب صاحب نے اپنے ساتھ ملا یئے اور یہ تجویزا صولی طور پر منظور ہوگئی اب وقت یہ آن پڑی ہے کہ ایسے مترجم کہاں سے آئیں جوروسی فرانسیسی ہسپانوی اور وغیرہ سے عربی سے ان زبانوں میں فر فر ترجمہ کر سکیں تلاش کر سکیں تلاش جاری ہے۔

اس تحریک کے بعد سے ملکوں کے نمائندے سے شہاب صاحب اور پاکستان کی اور زیادہ عزت کرنے لگے ہیں بلکہ غیر رسمی طور پر ان کواپنا لیڈر سمجھتے ہیں افریقی ملکوں کے ممبر بچارے مرعوب رہا کرتے تھے شہاب صاحب نے انکولا جنوبی افریقہ ،روڈیشیا وغیرہ

کے معاملوں میں آزادی کی تحریر کی ڈٹ کے حمایت کی توان کو بھی حوصلہ ہوا چنانچہ ان کی ترجمانی بھی ان کو پڑھنے پڑی ہے یونیسی کو میں ہمارے ایک دوست پیرو کے رہنے والے ہیں بہت بڑے ماہر معاشیات اور ماہر آثار قدیمہ ہے وہ ایک روز بتارہے تھے کہ ہمارے لاطینی امریکہ کے نمائندے شہاب الدین صاحب پر جان چھڑکتے ہیں ہماری اکثر حکومتیں امریکہ کی کاسہ لیسی اور نمائندے بے حوصلہ ہیں شہاب الدین صاحب جرات کی بات کرتے ہیں تو یہ دل تو بہت خوش ہوتے ہیں اور خود بھی ہمت کر کے بول سکتے ہیں ایشیائی اور عرب ملکوں کے مسائل میں جہاں امریکہ کے ساتھ ہوا کرتے تھے یا بے تعلق ہوا کرتے تھے اب عموما اب ان کے ساتھ ووٹ دیتے ہیں کئی بار تو یہ صورتحال ہوئی کہ امریکہ اور انگریز اوراسرائیل ۔۔یہی بس مخالف رہ جاتے ہیں ہندوستان کا عجب حال ہے پاکستان کی قرارداد کی حمایت کرے تب خامی ہے کہ کریڈٹ پاکستان کو جاتا ہے ۔۔نا کرے تو عیشیائی اورافریقی

ملکوں کے سامنے شرمندگی ہوتی ہے ایک دن ہم نے دیکھا کہ شہاب صاحب نے تجویز پیش کی کہ اور تقریر کی مسئلہ عربوں کا تھا شہاب صاحب نے اسرائیل کے حامیوں کو خبردار کیا کہ کل کہ رفیوجیوں کیم کے خیر بچے ہی ہیں جو آج کے کمانڈر اور گوریلے ہیں جب تک فلسطین کے لوگوں کو بے وطن اور رفوجیوں کیمپوں میں مجبور رکھا جائے گا گوریلے اور کمانڈر پیدا ہوتے رہیں گے پہلے سے زیادہ پیدا ہونگے پہلے سے زیادہ پرجوش ہونگے کیونکہ صبر کی بھی حد ہوتی ہے اس تقریر کی] پرزور حمایت مصر کے نمائندے نے کی اور شہاب صاحب کا نام لے کر ان کو خراج تحسین پیش کیا ہندوستان کے نمائندے نے یہ کہا کہ مصر کے تائید ی تقریر کی تائید اور تعریف کی پاکستان یعنی اصل محرک کا نام گول کردیا شاہ صاحب جو اپنی جان جوکھوں میں ڈال کر اربوں کے مقبوضہ علاقوں میں گئے تھے اور اسرائیل میں دراز دستیوں کی شہادتیں فراہم کر کے لائے تھے اس کا بڑا مفید پہلو یہ نکلتا ہے کہ مقبوضہ علاقوں اور رفوجیوں کیمپوں یونیسکو اور اقوام متحدہ کے ادارہ کی طرف سے عرب بچوں کے بہت سے اسکول قائم ہیں ان میں جو ریڈریں وہ یونسیو کی منظور شدہ ہیں ان کو ہٹا کر اپنی ریڈریں لگا دی جن میں ان کا اپنا پراپیگنڈا اور اسلام کے بارے میں آزار باتیں تھی یونیسکو میں شکایت کی گئی تو اسرائیلی یہ سب جھوٹ ہے اب شہاب صاحب نے ان کا پلندہ پیش کیا اسرائیلی

نمائندے یہ آپ کو کہاں سے ملیں تب شہاب صاحب نے کہا کہ میں خود گیا تھا ، کیسے گیا تھا ؟ اس سے آپ کو کیا مطلب ہے ؟ بھیس بدل کر گیا تھا اس سے بڑی سنسنی پھیلی لیکن بات ثابت ہوگی اور ڈاریکٹر جرنل خود اسرائیل جاکر تصدیق کر کے آئے کہ شہاب صاحب ٹھیک کہتے ہیں ۔ پھر ایک کمیشن کتابوں کو چھانٹنے کے لئے بیٹھا اور اسرائیل کی سو سے زیادہ کتابوں میں سے نوے میں سے زیادہ کورد کر دیا ۔ ان کی جگہ مصر کی چھپی ہوئی کتابیں پڑھانے کی ہدایت کی گئی جس روز اب کے یہ مسئلہ یونیسکو بورڈ آیا اتفاق سے ہم بھی موجود تھے قرارداد پاکستان کی طرف سے تھی جس میں اسکے شریک سیلون افغانستان اور ہنگری بھی تھے اور جس میں اسرائیل کی مذمت کی گئی تھی کہ وہ بھی مصری زبانوں کی کتابوں میں رکاوٹ ڈال رہا ہے اس پر ترمیم اور اسرائیل کے نمائندے اور ڈاکٹر موشے او ،وی دار تھی او وہ ترمیم یہ تھی کہ اسرائیل کے بجائے شام کی

مذمت کی جائے اس پر لوگ بہت ہنسے ترمیم بھی قرارداد کی صورت میں ہوتی ہے اور اس کی تائید کسی نہ کسی کو کرنی پڑتی ہے لیکن یہ ترمیم ایسی مزاحقہ خیز تھی کہ کوئی تائید میں ہاتھ اٹھانے والا نہ تھا صدر صاحب نے ایک بار دریافت کیا کسی نے ہاتھ نہ اٹھایا دوسری بار دریافت کیا ۔ سب چپ ۔ آخر صدر صاحب نے کہا کہ تیسری بار پوچھ رہا ہوں اس کی تائید نہ ہوئی تو یہ خود بخود مسترد سمجھی جائے گی آخر امریکی نمائندے نے بے دلی سے ہاتھ کھڑا کیا ۔آخر اپنے حلیف کا اتنا تو خیال کرنا چاہیئے تھا لیکن جب اس پر رائے شماری ہوئی تو وہ بھی غیر جانب دار ہو گیا اس کے مقابلے میں پاکستان اور سیلون وغیرہ کی قرارداد بھاری اکثریت سے منظوری برطانیہ ہالینڈ وغیرہ مخالفت تو نہ کر سکے غیر جانب دار ہو گئے شہاب صاحب خود تو اپنے بارے میں بہت کم بتاتے ہیں لیکن خارجی ذریعے سے معلوم ہوا کہ اسرائیل کے مقبوضہ علاقوں کی مہم پر جاتے ہوئے جس میں بچنے کا امکان دس پندرہ فیصد زیادہ نہ تھا یہ ایک وصیت یونیسکو کے خزانچی کے پاس جمع کرا گئے تھے کہ میرا مکان بیچ کر پیسے الفتح کو بھیج دیئے جائیں اور میرے بیٹے کو مصر کے کسی اسکول میں داخل کر دیا جائے ۔

ایسی چنگاری بھی یارب اپنی خاکستر میں ہے